بہنوں کا اپنا ماہنامہ

# شعاع

جولائی 2014

## انٹرویو



## ناول



## مکمل ناول



## ناولٹ



## افسانے



## نظمیں غزلیں



## مستقل سلسلے




جولائی 2014
جلد 28 شمارہ 11
قیمت 60 روپے



زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ)------ 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ---- 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا--- 6000 روپے



خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔



رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: ۲ ای ۲ بی آر سی ای ایچ ایس سوسائٹی کراچی



Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

## پہلی شعاع

شعاع کا جولائی کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔
اس ماہ رمضان المبارک کی بابرکت اور مقدس ساعتیں ہم پر سایہ فگن ہو رہی ہیں۔ قدرت ہمیں موقع دے رہی ہے کہ ہم رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر اور اپنے گناہوں سے توبہ استغفار کرکے اپنا دامن خیر و برکت سے بھر لیں۔

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا جو تمام انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنا، اس کو سننا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا رمضان المبارک کی خاص عبادات میں شامل ہے۔ ہم قرآن پاک پڑھتے ہیں، سنتے ہیں لیکن اس کے معنی اور مفہوم سے ناواقف رہتے ہیں۔ رمضان المبارک کے مہینے میں تلاوت کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا وقت نکال کر اس کا ترجمہ بھی پڑھیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ تاکہ ہم جان سکیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حکمت کے کیسے خزانے ہمیں عطا کیے ہیں۔

### سالگرہ نمبر،

ایک اور سال کی مسافت تمام ہوئی۔ شعاع اپنے سفر میں ایک اور سال آگے بڑھ گیا۔ اگست کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ مصنفین سے درخواست ہے اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں تاکہ شامل ہو سکیں۔

### قارئین سے سروے،

شعاع کے خاص نمبروں میں قارئین کی شرکت لازمی ہے۔ اس بار قارئین سے سروے سالگرہ نمبر اور عید نمبر کے حوالے سے ہوگا۔ سوالات یہ ہیں۔

1۔ چاند رات کو آپ کی مصروفیات کیا ہوتی ہیں اور عید کا دن کیسے گزارتی ہیں؟
2۔ وہ کون سی ڈش ہے جو عید کے دن آپ کے گھر میں لازمی طور پر بنتی ہے اور سب پسند کرتے ہیں۔ اس خاص ڈش کی ترکیب ہماری قارئین کے لیے لکھیں۔
3۔ شعاع میں شائع ہونے والی آپ کی پسندیدہ مصنفین کون سی ہیں اور وہ آپ کو کیوں پسند ہیں؟
4۔ اس سال شعاع میں شائع ہونے والی تحریروں میں آپ کا پسندیدہ جملہ، شعر یا اقتباس جو آپ کو اچھا لگا ہو، قارئین کے لیے لکھیں۔

ان سوالات کے جوابات اس طرح بھجوائیں کہ 15 جولائی تک ہمیں موصول ہو جائیں۔

### اس شمارے میں،

سمیرا حمید نے بہت کم عرصے میں اپنی پہچان بنالی ہے۔ ان کی تحریریں — زندگی کے دکھوں، تلخیوں اور انسانی فطرت کے تاریک پہلو کی عکاسی کرتی ہیں۔
اس بار سمیرا حمید نے اپنے انداز سے قدرے ہٹ کر لکھا ہے۔ ہلکے پھلکے خوشگوار انداز میں لکھا ان کا یہ ناول فکر کے کئی پہلو بھی سامنے لاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے قارئین اسے پسند کریں گی۔

- یارم — سمیرا حمید کا مکمل ناول،
- صنم سے صمد تک — کنیز نبوی کے ناول کی دوسری اور آخری قسط،
- ڈھل گیا ہجر کا دن — صدف آصف کا مکمل ناول،
- فائزہ رابعہ، حنا یاسمین، درشک حبیبہ اور بنت سحر ملک کے افسانے،
- رخسانہ نگار عدنان اور نبیلہ عزیز کے ناول،
- ٹی وی فنکارہ امبر خان اور راشد محمود کا بندھن،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ — دستک،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں،
- آئینہ خانے میں، خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔



## حمد باری تعالیٰ

خلاق دو عالم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
سب کچھ ہے وہی اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

اس کے کرم نے پھول کھلائے ہیں دشت میں
ورنہ تو حسنِ موجِ صبا کچھ بھی نہیں ہے

روشن ہیں اس کے نور سے مہر و مہ و نجوم
ورنہ تو ان میں نور و ضیا کچھ بھی نہیں ہے

ہر اک نبی کا معجزہ اس کی ہی دین ہے
چاہے اگر نہ وہ تو عصا کچھ بھی نہیں ہے

جلوہ ہو کہ بینائی نظارہ کہ نظر ہو
تنویرِ الٰہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

وجدان پہ یہ حمد عطائے الٰہ ہے
ورنہ یہ میری فکرِ رسا کچھ بھی نہیں ہے

ریحانہ تبسم فاضلی

## نعت رسول مقبول ﷺ

وہ ہے شاہِ عرب وہ ہے طٰہٰ لقب
وہ ہے جانِ جہاں اُس پہ قربان سب
اس جہانِ محبت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
بے وسیلوں کا تنہا وسیلہ بنا
بے سہاروں کا واحد سہارا بنا
ظلمتِ کفر میں وہ نویدِ سحر
شامِ غم میں سحر کا ستارہ بنا
اس نبیؐ کی رسالت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
وہ ہے بحرِ سخا، وہ ہے گنجِ عطا
وہ دعائے خلیل و حبیبِ خدا
اس کی شانِ سخاوت پہ لاکھوں سلام
وہ شہہ ذی حشم ہے خدا کی قسم
وہ شفیع الامم ہے خدا کی قسم
اس نے راہِ ہدایت دکھائی ہمیں
وہ خدا کا کرم ہے، خدا کی قسم
اس چراغِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

بنت مجتبیٰ مینا

ادارہ

## ماہ رمضان کے قیام (نماز تراویح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جس نے (اللہ کے وعدوں پر) ایمان رکھتے ہوئے ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اور رمضان کا قیام کیا۔ اس کے وہ گناہ معاف کردیے جائیں گے جو پہلے (سرزد) ہوچکے ہیں۔“

(ترمذی)

فوائد و مسائل:

1۔ ہر عمل کے لیے خلوص نیت بہت ضروری ہے۔ روزے اور قیام کا ثواب بھی تب ہی مل سکتا ہے۔ جب یہ عمل محض اللہ کی رضا کے حصول کے لیے ہو، ریاکاری کے طور پر نہ ہو۔

گزشتہ گناہوں کی معافی سے عام طور پر صغیرہ گناہوں کی معافی مراد لی گئی۔ لیکن بعض اوقات کسی بڑی نیکی کی وجہ سے کبیرہ گناہ بھی معاف ہوسکتا ہے۔ روزہ اور قیام جس قدر خلوص نیت کا حامل اور سنت کے مطابق ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ گناہوں کی معافی کا باعث ہوگا۔

## نماز تراویح

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

”ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رمضان کے روزے رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ایام میں قیام نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ سات راتیں باقی رہ گئیں تو ساتویں رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز (تراویح) پڑھائی حتیٰ کہ تقریباً“ تہائی رات گزر گئی، پھر اس سے متصل چھٹی رات آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام نہ فرمایا۔ پھر اس سے متصل پانچویں رات آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز (تراویح) پڑھائی حتیٰ کہ تقریباً“ آدھی رات گزر گئی۔

میں نے عرض کیا۔ ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کاش آپ ہمیں اس رات کا باقی حصہ بھی عطا فرماتے۔“ (پوری رات قیام فرماتے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جو شخص امام کے ساتھ اس کے فارغ ہونے تک قیام کرتا ہے۔ (اس کا) وہ (قیام) پوری رات کے (قیام کے) برابر ہوتا ہے۔“

پھر اس سے متصل چوتھی رات آئی تو رسول اللہ علیہ وسلم نے قیام نہ فرمایا۔ پھر اس سے متصل تیسری رات آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خواتین کو اور اہل خانہ کو اکٹھا کیا اور (بہت زیادہ) لوگ بھی جمع ہوگئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی حتیٰ کہ ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ ہماری فلاح چھوٹ جائے گی۔

(ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) پوچھا گیا۔ ”فلاح کا کیا مطلب ہے؟“

فرمایا۔ ”سحری کا کھانا۔“

پھر فرمایا۔ ”اس کے بعد مہینے کی باقی راتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے ہمیں نماز (تراویح) نہیں پڑھائی۔“



## فوائد و مسائل

1۔ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کا اہتمام معمول سے زیادہ کرنا چاہیے۔

2۔ نماز تراویح نفل نماز ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا مہینہ نہیں پڑھائی۔ صرف چند راتیں پڑھائی۔

3۔ نماز تراویح میں قیام، رکوع اور سجود وغیرہ طویل ہونے سے زیادہ وقت تک نماز ادا کی جاسکتی ہے اور کم تلاوت اور مختصر رکوع و سجود کے ساتھ کم وقت میں بھی فراغت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس میں عام نمازیوں کے شوق اور ہمت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

4۔ نفل نماز میں تلاوت کی کوئی خاص مقدار مقرر کرنا ضروری نہیں، کسی دن طویل اور کسی دن مختصر قیام ہوسکتا ہے۔

5۔ طویل نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو تلاوت زیادہ کرلی جائے یا تلاوت ترتیل کے ساتھ کی جائے۔ر

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں بھی اور دوسرے مہینوں میں بھی وتروں سمیت گیارہ رکعت ہی ہوتی تھی۔ (بخاری)

6۔ نماز تراویح میں عورتوں اور بچوں کو بھی شریک ہونا چاہیے۔

7۔ سحری کا کھانا بھی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے روزوں میں امتیاز بھی ہے اور باعث برکت بھی۔ اس لیے فلاح کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا رمضان تراویح نہیں پڑھائی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ محسوس ہوا کہ اگر یہ فرض ہوگئی تو امت کو اس پر عمل کرنا مشکل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چونکہ یہ خطرہ نہیں رہا۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پورا مہینہ باجماعت تراویح کا اہتمام فرمایا۔

## رات کا قیام (نماز تہجد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

”شیطان رات کو انسان کے سر کے پچھلے حصے میں رسی سے تین گرہیں لگاتا ہے۔ اگر انسان جاگ کر اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر جب اٹھ کر وضو کرلیتا ہے تو ایک (اور) گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر جب نماز پڑھنے کھڑا ہوجاتا ہے تو اس کی تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔ چنانچہ وہ صبح کو چاق چوبند اور خوش باش ہوتا ہے۔ اسے بھلائی مل گئی ہوتی ہے۔ اگر (انسان) یہ کام نہ کرے تو صبح سست اور بوجھل طبیعت ہوتا ہے۔ اسے بھلائی نہیں ملی ہوتی۔“

1۔ شیطان ہماری نظر سے اوجھل مخلوق ہے۔ اس کے بارے میں جو کچھ قرآن و حدیث سے ثابت ہو اس پر یقین رکھنا چاہیے۔

2۔ رسی، دھاگے یا بالوں میں گرہ لگا کر پھونک مارنا جادوگروں کا طریقہ ہے۔ قرآن مجید میں سورہ فلق ہے۔ ”اور (میں) گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے (اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔) شیطان اس طرح انسان پر نفسیاتی اثر ڈال کر اللہ کی یاد سے غافل کرتا ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ وہ ہر گرہ لگاتے وقت کہتا ہے۔ ”ابھی بہت لمبی رات پڑی ہے، سویا رہ۔“ (صحیح بخاری)

3۔ اللہ کی یاد شیطان کی تدبیروں کا بہترین توڑ ہے۔ جاگ کر اللہ کا نام لینا، یعنی یہ دعا پڑھنا شیطان کی لگائی ہوئی گرہ کھول دیتا ہے۔ ”سب تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے ہمیں موت دینے کے بعد (دوبارہ) زندگی بخشی اور (قیامت کے دن) اٹھ کر اسی کے پاس جانا ہے۔“

4۔ نماز تہجد شیطان کے شر سے محفوظ رکھنے والی ایک اہم چیز ہے۔

5۔ اللہ کی یاد اور نماز کی برکت سے روح کو آسودگی اور دل کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور ان چیزوں سے گریز پریشانی، پژمردگی اور سستی کا باعث ہوتی ہے۔

6۔ اللہ کی یاد سے دنیا کی بھلائی حاصل ہوتی ہے اور اللہ کی رضا بھی نصیب ہوتی ہے۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے تین راتیں باجماعت قیام کیا

سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ (رمضان المبارک کے) روزے رکھے۔ (شروع میں) آپ نے ہمارے ساتھ مہینے میں سے کچھ بھی قیام نہ کیا۔ یہاں تک کہ 23 ویں رات کو آپ نے ہمیں قیام رمضان کرایا۔ پھر آپ نے 24 ویں رات چھوڑ کر 25 ویں رات کو۔ پھر 26 ویں رات کو چھوڑ کر 27 ویں شب کو اپنے اہل خانہ اور اپنی عورتوں کو اور سب لوگوں کو جمع کرکے قیام کیا اور فرمایا۔
"جو شخص امام کے ساتھ نماز عشاء ادا کرتا ہے۔ اس کے لیے پوری رات کا قیام لکھا جاتا ہے۔"

(سنن ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے (تین رات کے بعد) فرمایا۔
"میں نے دیکھا ہے کہ تمہارا معمول برابر قائم ہے تو مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں تم پر (یہ نماز) فرض نہ کردی جائے۔ (اس لیے گھر سے نہیں نکلا۔) چنانچہ تم اپنے اپنے گھروں میں (رمضان کی راتوں کا) قیام کرو۔ آدمی کی نفل نماز گھر میں افضل ہوتی ہے۔"

(صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے تین شب قیام رمضان کراکے لوگوں سے فرمایا۔ "تم اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔" امام زہری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات کے بعد بھی یہی طریقہ جاری رہا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی دور میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ (پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک امام کے پیچھے پڑھنے کا طریقہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے ثابت تھا اور بوجہ خوف فرضیت آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے مکمل رمضان اختیار نہیں فرمایا تھا پھر سے جاری فرمایا۔)

(صحیح بخاری)

## رمضان میں تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے 27 ویں رمضان المبارک کو اتنا لمبا قیام کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں سحری ہی فوت نہ ہو جائے۔

(ترمذی)

معلوم ہوا کہ ماہ رمضان میں تہجد اور قیام رمضان الگ الگ نہیں، بلکہ ایک ہی نماز ہے۔ سرے سے منقول ہی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے رمضان المبارک کی کسی رات کو تہجد اور قیام رمضان کا الگ الگ اہتمام کیا ہو۔

## قیام رمضان

ابو سلمہ رحمتہ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ
"رمضان المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی رات والی نماز کیسی تھی؟ سیدہ صدیقہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔
"رمضان اور غیر رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم رات کی نماز (بالعموم) گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔"

(صحیح بخاری)

## سحری اور فجر کا درمیانی وقفہ

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے "انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر نماز فجر کے لیے کھڑے ہوگئے۔ (اور نماز پڑھی) سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ۔۔۔"



دونوں (سحری اور نماز) میں کتنا وقفہ تھا؟
تو انہوں نے بتایا کہ (سحری سے فراغت اور نماز میں داخل ہونے کا وقفہ) اتنا تھا جتنی دیر میں کوئی شخص قرآن حکیم کی پچاس یا ساٹھ آیتیں پڑھ لیتا ہے۔

(صحیح بخاری)

## شب قدر کا بیان

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ "مجھے شب قدر دکھائی گئی تھی۔ پھر بھلا دی گئی۔ اسے آخری دہائی کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔"

(بخاری)

1۔ شب قدر سال کی سب سے افضل رات ہے۔ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ فضیلت کی حامل ہے۔
2۔ شب قدر کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے اعتکاف کرنا سنت ہے۔ البتہ جو شخص اعتکاف نہ کرسکے۔ اسے بھی راتیں عبادت میں گزارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔
3۔ شب قدر بھلائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو یہ بات یاد نہ رہی کہ اس سال کون سی رات شب قدر ہے۔ ہر سال اسی رات میں ہونا ضروری نہیں۔
4۔ شب قدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ اس لیے جو شخص دس راتیں عبادت نہ کرسکے۔ اسے یہ پانچ راتیں ضرور عبادت اور تلاوت و ذکر میں گزارنی چاہئیں، تاکہ شب قدر کی عظیم نعمت سے محروم نہ رہے۔
اگرچہ علمائے کرام نے شب قدر کی بعض علامتیں بیان کی ہیں۔ لیکن ثواب کا دارومدار اس چیز پر نہیں کہ عبادت کرنے والے کو یہ رات معلوم ہوئی ہے یا نہیں۔ اس لیے اس پریشانی میں مبتلا ہونا چاہیے کہ ہمیں فلاں فلاں علامت کا احساس نہیں ہوا۔

## رمضان کے آخری عشرے کی فضیلت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔
"نبی صلی اللہ علیہ و سلم آخری دس دنوں میں اتنی محنت کرتے تھے جتنی اور دنوں میں نہیں کرتے تھے۔"

## فوائد و مسائل

1۔ افضل ایام میں نیک اعمال کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔
2۔ رمضان کے آخری دس دن سب کے سب فضیلت کے حامل ہیں۔ اسی طرح شب قدر کے علاوہ آخری عشرے کی باقی راتیں بھی رمضان کی دوسری راتوں کی نسبت افضل ہیں۔ اس لیے ان ایام میں ذکر و تلاوت اور صدقات و خیرات جیسی نیکیوں میں پہلے سے اضافہ کردینا چاہیے۔

## راتوں کو جاگنا

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔
"جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ و سلم راتوں کو جاگتے، کمر کس لیتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔"

## فوائد و مسائل

1۔ کمر کسنے سے مراد عبادت اور نیکی میں مزید محنت اور کوشش ہے۔
2۔ آخری عشرے کی اگر سب ہی راتیں عبادت

## دونوں عیدوں کی راتوں کا قیام

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔
"جس نے اللہ سے ثواب حاصل کرنے کی نیت سے عیدین کی دونوں راتوں میں قیام کیا۔ اس کا دل

نہیں مرے گا۔" جس دن (لوگوں کے) دل مرجائیں گے۔

میں گزاری جائیں تو بہت بہتر ہے۔ ورنہ طاق راتوں کو تو اہتمام کرنا ہی چاہیے۔

3۔ نیکی کے کاموں میں اہل و عیال کو بھی شریک کرنا چاہیے' تاکہ وہ بھی عظیم ثواب سے محروم نہ رہیں اور اللہ کے ہاں بلند درجات حاصل کرسکیں۔

4۔ جاگنے کا مقصد عبادت' ذکر اور تلاوت میں مشغول ہونا ہے۔ بعض لوگ یہ فضیلت والی راتیں فضول بات چیت میں گزار دیتے ہیں' یہ انتہائی محرومی اور بدقسمتی کی بات ہے' خاص کر مساجد میں شور و غوغا' عبادت کرنے والوں کے لیے بھی پریشانی کا باعث بنتا ہے۔

5۔ بہت سی مساجد میں طاق راتوں میں اور خاص طور پر ستائیسویں رات کو وعظ و تقریر کا پروگرام ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے رات کا کافی حصہ اسی مصروفیت میں گزر جاتا ہے۔

6۔ اسی طرح ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے بچے اور بڑے سب ہی عبادت و تلاوت کو بھول کر مسجد کے آداب کو نظرانداز کرتے ہوئے شور شرابے میں لگے رہتے ہیں۔ جس سے نہ صرف عبادت کرنے والوں کو پریشانی ہوتی ہے' بلکہ یہ انتہائی قیمتی وقت فضول کاموں میں ضائع ہوجاتا ہے۔ بہتر ہے ان امور سے اجتناب کیا جائے۔

## جان داروں پر رحم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک دفعہ آدمی راستے پر چلا جارہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی۔ اس نے ایک کنواں پایا تو اس میں اتر کر اس نے پانی پیا' پھر باہر نکل آیا۔ وہیں ایک کتا تھا جو پیاس کے مارے زبان باہر نکالے (ہانپتے ہوئے) کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس آدمی نے (دل میں) کہا۔ اس کتے کو بھی اسی طرح پیاس نے ستایا ہے' جس طرح میں اس کی شدت سے بے حال ہوگیا تھا' چنانچہ وہ (دوبارہ) کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھرا اور اسے اپنے منہ سے پکڑے اوپر چڑھ آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس (کے اس عمل اور جذبے) کی قدر کی اور اسے معاف فرما دیا۔"

(یہ سن کر) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہمارے لیے چوپایوں (پر ترس کھانے) میں بھی اجر ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(ہاں) ہر تر جگر والے (جاندار کی دیکھ بھال) میں اجر ہے۔" (بخاری و مسلم)

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے عمل کی قدر کی۔ چنانچہ اسے بخش دیا اور جنت میں داخل کردیا۔"

اور بخاری مسلم کی ایک روایت میں ہے۔

"ایک دفعہ ایک کتا کنویں کے گرد چکر لگا رہا تھا' اسے پیاس مارے دے رہی تھی کہ اچانک اسے بنی اسرائیل کی فاحشہ عورتوں میں سے ایک بدکار عورت نے دیکھا' پس اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس کے ذریعے سے اس نے اس کے لیے (کنویں سے) پانی کھینچا اور اسے پلا دیا' تو اس کے اس عمل کی وجہ سے اسے بخش دیا گیا۔

### فوائد و مسائل :

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ہر مخلوق کے ساتھ حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ بھی احسان کرنا چاہیے۔ اس سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت بڑی وسیع ہے' وہ اگر چاہے تو تھوڑے سے عمل کو بھی قبول فرما کر بندے کی مغفرت فرما دے۔

3۔ قاعدہ یہی ہے کہ کبیرہ گناہوں سے توبہ کی جائے' تاہم بسا اوقات خلوص نیت سے کیا ہوا نیک عمل بھی گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور انسان کے کبیرہ گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں۔



بندھن

# امبر خان ہمراہ ارشد محمود

شاہین رشید

کبھی کبھی زندگی میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنہیں ہم بہت چاہتے ہیں جب وہ ہماری زندگی میں شامل ہوجاتے ہیں پہلے جیسی شدت نظر نہیں آتی۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنہیں ہم چاہتے ہی نہیں ہیں مگر جب وہ ہماری زندگی میں شامل ہوجاتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ یہ شخص ہماری زندگی کے لیے کتنا اہم ہے اسے ہم خوامخواہ نظرانداز کرتے رہے۔ ایسے ہی ملن کی ایک کہانی "امبر خان" کی ہے۔ آئیے جانتے ہیں امبر خان کی شادی کیسے ہوئی اور اب کیسی گزر رہی ہے۔

"کیسی ہو امبر اور کیا مصروفیات ہیں آج کل؟"

"آج کل ماشاء اللہ اپنے "چھوٹے" کے ساتھ مصروف رہتی ہوں۔ کیوں کہ میرے خیال میں یہ بھی ایک فل ٹائم جاب ہے اور یہ جاب ضروری بھی ہے اور مزے دار بھی ہے۔"

"نام کیا ہے اور عمر کتنی ہے؟"

"یہ ابھی سوا سال کا ہے اور اس کا نام "ابوبکر" ہے مجھے یہ نام بے انتہا پسند تھا اور ہم میاں بیوی نے یہ سوچ لیا تھا کہ اگر لڑکا ہوا تو "ابوبکر" رکھیں گے اور اگر لڑکی ہوئی تو "فاطمہ" رکھیں گے۔ ساس سسر چونکہ ذرا مذہبی ٹائپ کے ہیں تو وہ تو بہت ہی خوش ہوئے البتہ میری امی کو تھوڑا سا اعتراض تھا کہ اتنا بڑا نام' پھر لوگ نام بگاڑتے ہیں تو گناہ بھی ملے گا' تو میں نے کہا کہ لوگ جو بھی بولیں مجھے ان کی پروا نہیں ہے اور اللہ اس نام کی اور ہمارے بچے کی خود ہی حفاظت کرے گا۔"

"شادی کو کتنا عرصہ ہوگیا ہے؟"

"شادی کو تقریباً" ساڑھے چھ سال ہوگئے ہیں اور یقیناً" اب آپ پوچھیں گی کہ پہلی اولاد اور اتنی دیر سے تو۔۔۔ شروع میں پلان نہیں تھا پھر ایک آدھ گڑبڑ بھی ہوگئی۔ بس پھر جب اللہ کی مرضی ہوئی تو "ابوبکر" صاحب آگئے۔"

"اپنی شادی کے بارے میں اور میاں صاحب کے بارے میں بتاؤ؟"

"میرے میاں صاحب کا نام ارشد محمود ہے۔ ایم سی اے سے انہوں نے گریجویشن کیا ہے اور گرافک ڈیزائنر ہیں اور ہماری شادی ہوئی ہے 13 مارچ 2009ء کو۔"

"کوئی ملاقات تھی۔۔۔ کوئی ریلیشن تھا فیملی کا؟"

"آپ کو پتا ہی ہے کہ امی کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی ہے تو یہ پہلے امی کے پاس جاب کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ پسند کرتے تھے مجھے پھر انہوں نے امی سے بات کی میں نے کہہ دیا کہ مجھے ان سے شادی نہیں کرنی۔"

"کیوں۔۔۔؟"

قہقہہ۔۔۔ "کیوں کہ یہ مجھے پسند نہیں تھے اور۔۔۔"

"ارے۔۔۔ لکھ دوں اور کیوں پسند نہیں تھے؟"

"ہاں۔۔۔ ہاں بالکل لکھ دیں۔۔۔ میں تو ٹی وی انٹرویوز میں بھی صاف صاف کہہ دیتی ہوں۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور۔۔۔ دراصل ہر انسان کی اپنی ایک چوائس ہوتی ہے۔ بہت چھوٹی تھی کہ شوبز میں آگئی تھی اور شوبز میں اتنے ہینڈسم لڑکے تھے تو ان کو دیکھ کر ذہن میں یہی تھا کہ ایسا ہو' ویسا ہو۔ نویں کلاس میں تھی جب میں اس فیلڈ میں آئی۔۔۔ آپ خود سوچیں کہ عمر تو کچی تھی نا۔۔۔ پھر آہستہ آہستہ ہی میچور ہوتا ہے۔ پھر جب عقل آئی تو میں نے امی سے کہہ دیا کہ ٹھیک ہے مجھے آپ کی پسند سے ہی شادی کرنی ہے تو ارشد امی کی ہی پسند ہیں۔"

"اچھا گڈ۔۔۔ تو پھر ارشد صاحب کب پسند آنا شروع ہوئے؟"

بے ساختہ ہنستے ہوئے۔۔۔ "مت پوچھیں۔۔۔ سب نے مل کر ہاں کروائی مجھ سے۔۔۔"

"اوہو۔۔۔ پھر ہاں کرنے کے بعد کیا ری ایکشن تھا تمہارا؟"

"امی سمجھاتی رہتی تھیں کہ وہ میرا دیکھا بھالا ہے۔ بڑوں کے فیصلے اور تجربے بہتر ہوتے ہیں۔ ابھی تم نادان ہو' میری باتیں سمجھ میں نہیں آرہی ہیں' لیکن ایک وقت آئے گا کہ تمہیں میرا فیصلہ صحیح لگے گا۔ بس اماں کی بھری ہوئی چابی نے مجھے پگھلا دیا اور شادی کے بعد اندازہ ہوا کہ "یہ" واقعی بہت خیال رکھنے والے بہت اچھے انسان ہیں۔"

"منگنی کتنا عرصہ رہی اور اس دوران ملنا جلنا مطلب ڈیٹ وغیرہ۔۔۔؟"

"ہاں ہاں۔۔۔ ملنا جلنا' آنا جانا رہتا تھا اصل میں مجھے بہت ٹائم چاہیے تھا کہ میں ان کو اچھی طرح جانچ لوں اور اس کام میں مجھے آٹھ سال لگائے۔ آٹھ سال کے بعد میں نے شادی کی۔ ان کا میں نے بہت دل توڑا میری' بہن بھی کہتی تھیں کہ تم نے ایک اچھے انسان کو بہت پریشان کیا۔"

"بڑی بات ہے ورنہ تو لڑکے کہتے ہیں کہ اس لڑکی نے ایک بار ریجیکٹ کیا ہے تو میں سو بار کرتا ہوں۔۔۔ پھر شادی کے بعد کوئی بدلہ کوئی انتقام تو نہیں لیا ارشد صاحب نے؟"

"نہیں اللہ کا شکر ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا کیوں کہ یہ بہت اچھے مزاج کے ہیں بلکہ یہ مجھے کہتے ہیں کہ تمہارا مزاج بہت گرم ہے' تھوڑا اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھا کرو۔۔۔ انہیں پتا ہے کہ میرا مزاج کیسا ہے اور میں کسی بھی وقت کچھ کہہ سکتی ہوں؟"

"ارشد محمود صاحب کا تعلق کہاں سے ہے اور کتنے فیملی ممبرز ہیں؟"

"یہ لوگ ایبٹ آباد کے ہیں۔ دو نندیں ہیں میری۔ ایک دیور اور ایک جیٹھ ہیں۔ دیور دبئی میں ہوتے ہیں۔ جیٹھ کرنل ہیں ان کی پوسٹنگ ہوتی رہتی ہے۔ ساس ہیں وہ بھی کبھی کہیں تو کبھی کہیں۔ سالوں بعد ہم لوگ اکٹھے ہوتے ہیں' کبھی کسی تہوار پہ تو کبھی کسی تقریب میں۔۔۔"

"سسرال کو کیسا پایا۔۔۔ رسمیں وغیرہ ہوئیں' آپ کی آؤ بھگت ہوئی؟"

"جیسا کہ میں نے بتایا کہ ایبٹ آباد سے تعلق ہے تو ان لوگوں کے مزاج میں اور کلچر میں بھی کافی فرق ہے۔ میں جب وہاں جاتی ہوں تو بہت آؤ بھگت ہوتی ہے اور بہت عزت بھی دیتے ہیں اور جب ابوبکر کو پہلی بار لے کر گئی تو بہت شاندار استقبال ہوا' پھر ان کے آبائی گاؤں بھی گئی۔ وہاں تو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ہم لوگ منسٹر ہیں ان کے گاؤں والے بہت عزت خاطر کرتے ہیں مجھے وہاں سب "ٹی وی والی" بولتے ہیں۔"

"شادی سے پہلے ارشد مزاج کے کیسے تھے اور شادی کے بعد کوئی تبدیلی آئی مزاج میں؟"

"شادی سے پہلے تو لڑکی کو پٹانا ہوتا ہے نا۔۔۔" قہقہہ "پھر تو جی حضوری ہو رہی ہوتی ہے۔ ساس کی بھی خدمت ہو رہی ہوتی ہے۔ مجھے قابو کرنے کے لیے میری بہنوں سے بہت اچھے تعلقات رکھے ہوئے تھے۔ شادی کے بعد یہ چینج آیا کہ پہلے تو میں منہ سے بولتی تھی اور وہ چیز حاضر ہو جاتی تھی۔ اب اچھا ہاں لے آؤں گا' کر لوں گا۔۔۔ اب یاددہانی کرانی پڑتی ہے۔"

"آپ بتا رہی ہیں کہ رسم و رواج میں فرق ہے اور کھانے وغیرہ میں؟"

"جی ہم اردو اسپیکنگ اور یہ پٹھان ہیں تو بہت زیادہ فرق ہے رسموں و رواج میں بھی اور کھانے وغیرہ میں بھی۔ ہم لوگ ذرا آزاد خیال ہیں جبکہ پٹھان لوگوں کے ہاں بڑے مسائل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جذباتی بھی بہت ہوتے ہیں ان کے یہاں عزت غیرت بہت ۔۔۔ ہوتی ہے۔ سخت پردہ ہوتا ہے کسی غیر مرد کے سامنے جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ سر پر دوپٹہ ہر وقت لینا پڑتا ہے۔

اور جہاں تک رسموں کی بات ہے تو ہماری طرف کی رسمیں زیادہ مزے دار ہوتی ہیں اور ان کے یہاں جو گاؤں میں شادیاں ہوتی ہیں وہ زیادہ اچھی ہوتی ہیں' مگر میری شادی ایبٹ آباد میں نہیں ہوئی تھی ان کے یہاں روایتی ڈانس گانا بہت مزے کا ہوتا ہے اور کھانے کے ٹیسٹ میں بھی فرق ہے۔ ان کے کھانے بہت پھیکے ہوتے ہیں۔ ہمارے کھانے چٹ پٹے ہوتے ہیں۔ اب تو خیر ان کو بھی چٹ پٹے کھانوں کی عادت ہو گئی ہے۔ اب اپنے گاؤں جاتے ہیں تو بالکل بھی نہیں کھا پاتے۔"

"پٹھانوں میں غصہ بہت ہوتا ہے تو یہ کیسے ہیں؟"

"ان کا پورا گھرانہ بہت غصے والا ہے' لیکن یہ خود بہت نرم مزاج ہیں۔ دبا لیتے ہیں۔ اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھتے ہیں اگر کبھی بہت ہی زیادہ غصہ آجائے تو بس یہ ہوتا ہے کہ گھر سے چلے جاتے ہیں کئی گھنٹوں کے لیے اور پھر میں اپنی ساس کو فون کر کے فوراً" ان کی شکایت کر دیتی ہوں۔"

"نکاح اور رخصتی کے وقت کیا احساسات تھے آپ کے؟"

"نکاح کے وقت تو مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ امی میرے پاس بیٹھی تھیں اور میں امی سے کہہ رہی تھی کہ آپ "ہاں" بول دیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دن مجھے بہت شدید بخار تھا اور چونکہ شادی کی

ساری تیاری میں نے خود کی تھی تو میں بے انتہا تھک بھی گئی تھی۔ مہندی کے دن میرا نکاح ہوا تھا مجھے اتنی گھبراہٹ ہو رہی تھی کہ مجھ سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔"

"لباس کے معاملے میں بھی فرق ہے؟"

"پہلے دن کا عروسی جوڑا لال رنگ کا تھا جبکہ مجھے لال رنگ پسند نہیں تھا مگر میں نے اپنی نند کے اصرار پر بنوالیا تھا۔۔۔ لیکن پہلے دن کا جوڑا بہت اچھا تھا۔ باقی جوڑے بھی میں نے اپنی پسند سے بنوائے تھے۔ ولیمہ کا گولڈن تھا۔"

"شادی کے فائدے ہیں یا نقصان؟"

"دونوں ہی ہیں۔ یہ تو وہی بات ہے کہ جو کھائے وہ پچھتائے اور جو نہ کھائے وہ بھی پچھتائے۔ ویسے بیچلر لائف کا اپنا ہی مزا ہے جبکہ میرج لائف میں ذمہ داریوں کا بہت بوجھ ہوتا ہے۔ سب کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے۔ تو میں تو یہی کہوں گی کہ شادی ضرور کریں مگر ذرا لیٹ کریں۔"

"منہ دکھائی میں کیا ملا تھا اور ہنی مون کہاں منایا تھا؟"

"منہ دکھائی میں ڈائمنڈ رنگ ملی تھی اور ہنی مون پورا پاکستان گھوم پھر کر منایا۔۔۔ میرے دو ولیمہ ہوئے تھے ایک کراچی میں اور ایک ایبٹ آباد میں۔۔۔ تو ہمارا ہنی مون بھی دو بار ہوا۔ ایک بار خود گئے اور ایک بار جب ولیمہ کے لیے ایبٹ آباد گئے تھے۔"

"رومانٹک مزاج کون ہے تم یا ارشد صاحب؟"

"یہ تو بالکل بھی رومانٹک مزاج نہیں ہیں۔" قہقہہ۔۔۔ "کوئی خاص اظہار نہیں کرتے جبکہ میں بہت رومانٹک مزاج ہوں۔۔۔ ارشد بہت سادہ مزاج ہیں۔"

"کوئی اچھی اور بری عادت۔۔۔ بچت کی عادت کس کو ہے؟"

"اچھی عادت یہ ہے کہ ماشاء اللہ صابر بہت ہیں۔ میرے ارد گرد کے سب دوست احباب تو یہی کہتے ہیں کہ تمہیں برداشت کر رہے ہیں اور بری عادت یہ کہ لیٹ آتے ہیں تو میں چڑچڑی ہو جاتی ہوں۔۔۔ وہ اور بچت کی عادت تو میری گھٹی میں ہے۔ میرے خیال میں ایک اگر فضول خرچ ہو تو دوسرے کو لازمی سمجھ دار ہونا چاہیے۔"

"گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں؟"

"بالکل۔۔۔ پہلے تو نہیں کرتے تھے یہ، لیکن میں تو ضرور کرواتی ہوں اب۔۔۔ ابو بکر کے وقت مجھے مکمل بیڈ ریسٹ کہا گیا تھا تو سارے کام انہوں نے ہی کیے تھے۔ کیوں کہ ان کا بھی تو بچہ تھا اس لیے انہوں نے تو سارے کام خوشی خوشی کیے۔"

"جب ایبٹ آباد جاتے ہیں آپ دونوں تو یہ تو اپنی زبان میں بات کرتے ہوں گے تو آپ کی سمجھ میں آجاتی ہے؟"

"جی یہ ہندکو زبان میں بات کرتے ہیں۔ سمجھ میں تو آجاتی ہے مگر بولنے میں مجھے دشواری ہوتی ہے۔ ہندکو سے بہتر مجھے پنجابی لگتی ہے اور پنجابی میں بول لیتی ہوں۔"

"شام کو گھر آنے پر ساری دن کی روداد بتاتی ہیں؟"

"SMS زندہ باد۔۔۔ سب کچھ بتا دیتی ہوں۔ شام کا انتظار کون کرے اور میں سمجھتی ہوں کہ جو میں کر رہی ہوں، بالکل صحیح کر رہی ہوں، میں پلکوں پہ بٹھا کر نہیں رکھ سکتی۔ مرد کے بالکل بھی نخرے نہیں اٹھانے چاہئیں پھر یہ خراب ہو جاتے ہیں۔ عورت کو نخرے اٹھوانے چاہئیں۔"

"آپ کہہ رہی تھیں کہ شادی جلد نہیں کرنی چاہیے تو آپ کے خیال میں لڑکے اور لڑکی کو کس عمر میں شادی کرنی چاہیے؟"

"اب تو لوگ ذرا دیر سے شادی کرتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ دیر سے شادی نہیں کرنی چاہیے کہ پھر اولاد میں مسئلہ ہوتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ "ہائے یہ تو بڑھاپے کی اولاد ہے" تو جلدی شادی کر لیں تو بہتر ہے۔"



"اسلام میں۔۔۔؟"

"جی جی مجھے معلوم ہے اور میں انہیں کہہ بھی دیتی ہوں۔ یہ کہتے ہیں، تم کیسے ایسی ایسی باتیں سوچ لیتی ہو۔ کبھی کہتے ہیں۔ آج کون سا اسٹار پلس کا ڈرامہ دیکھ لیا تھا۔"

"ارشد صاحب کا کیا دل چاہتا ہے کہ آپ ہر وقت فٹ فاٹ رہا کریں؟"

"نہیں میں بالکل سیدھی سادھی ماسی بنی اچھی لگتی ہوں۔ اور میں عادی ہو گئی ہوں ان کی باتوں کی۔ وہ کہتے ہیں کہ عورت کا صحیح روپ سادگی میں ہی نظر آتا ہے۔"

"سالگرہ مناتی ہیں؟"

"بالکل۔۔۔ بچپن سے شوق ہے۔ برتھ ڈے بھی اور شادی کی سالگرہ بھی مناتی ہوں۔ شوق سے تحفے تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے۔ شادی سے پہلے خود لا لا کر دیتے تھے، اب زبردستی لینا پڑتا ہے۔ شادی سے پہلے تو یہ جو دیتے تھے، لے لیتی تھی، مگر شادی کے بعد اگر یہ ڈائمنڈ کا تحفہ نہ دیں تو بس پھر میری ان کی خوب لڑائی ہوتی ہے۔" قہقہہ۔۔۔ "اس بار انہوں نے "ایکس فور" لا کر دیا کہ بے شک اس کو بیچ کر ڈائمنڈ خرید لو مگر میں نے کہا کہ "ایکس فور" (موبائل) سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہے۔"

"آپ کے ہاتھ کا کون سا کھانا پسند ہے؟"

"میرے ہاتھ کے پکے ہوئے سارے کھانے پسند ہیں۔ کیوں کہ میرے ہاتھ میں ذائقہ ہے اور وہ عورت ہی کیا کہ جس کے ہاتھ میں ذائقہ نہ ہو۔ میری ماں نے مجھے ہر کھانے میں پرفیکٹ کیا ہوا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ جس لڑکی کو اچھا کھانا پکانا نہ آتا ہو، وہ اپنا گھر اچھے طریقے سے نہیں بسا سکتی۔ میری ساس میرے پکائے ہوئے کھانے بہت پسند کرتی ہیں اور جب میں سسرال جا کر پکاتی ہوں تو میری ساس اپنے آس پاس کے سب لوگوں کو بتاتی ہیں کہ یہ میری بہو نے پکایا ہے۔"

"آٹھ سال کی تگ و دو کے بعد جب شادی ہو گئی تو ارشد صاحب نے کمرے میں آکر پہلا جملہ کیا بولا تھا؟"

"یہ تو اتنے تھکے ہوئے تھے کہ کمرے میں آتے ہی کلاہ اتارا اور لیٹ گئے کہ میں تو بہت تھک گیا ہوں۔ مجھے اتنا عجیب لگا۔ میں نے دل میں کہا "آج تو کوئی اچھی بات کر لیتے، کوئی رومانٹک جملہ بول دیتے" قہقہہ۔۔۔ "اصل میں شادی کی ساری تیاری انہوں نے اکیلے کی۔ اس پہ بہت تھک چکے تھے تو میں نے بھی بے ساختہ کہہ دیا۔ کم سے کم اتنا ہی کہہ دیتے کہ تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔"

"امبر! بہت شکریہ اتنا اچھا انٹرویو دینے کا اور مصروفیات میں سے ٹائم نکالنے کا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم انٹرویو کا اختتام کیا۔

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------- مہ وش
میک اپ ---------- روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافر ---------- موسیٰ رضا

# دستک دستک دستک

شاہین رشید

## مصطفیٰ چوہدری

"کیا حال ہیں۔۔۔ آپ کا پورا نام چوہدری محمد مصطفیٰ ہے' چوہدریوں والا رعب ہے؟"

"نہیں چوہدریوں والا رعب نہیں ہے اور رعب ہونا بری بات ہے۔اس لیے رعب نہیں ڈالتا۔"

"لوگ چوہدریوں کو بہت اونچی سمجھتے ہیں کہ جی ان کی تو زمینیں ہوں گی مزارعے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔"

"زمینیں تو ہماری ہیں اور کام کرنے والے بھی' مگر اللہ کا شکر ہے کہ ان پر رعب نہیں ڈالتے۔ کسی کو کمتر نہیں سمجھتے۔"

"آپ کشمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کی خوب صورتی بڑی مشہور ہے۔ یہاں کراچی کیوں آگئے اور کیا کشمیر آنا جانا لگا رہتا ہے؟"

"یہاں کیا کر رہا ہوں یا کیوں آگیا تو جناب اللہ نے یہاں رزق باندھا ہوا ہے' اس لیے اور کشمیر واقعی بہت خوب صورت ہے۔ آنا جانا رہتا ہے کیوں کہ وہاں ہمارے دادا دادی اور دیگر رشتے دار' کزن وغیرہ ادھر ہی رہتے ہیں۔ سال میں ایک آدھ چکر تو ضرور لگتا ہے۔ میرا اپنا گھر بھی ہے وہاں۔"

"ہوں۔۔۔ گڈ۔۔۔ شوبز میں بھائی کی وجہ سے آئے؟"

"جی بھائی کی وجہ سے۔ مرتضیٰ (بھائی) نے ایک شو ڈیزائن کیا تھا "فور مین شو" اور یہ سیاسی طنز و مزاح کا شو تھا۔اس سے قبل میں نے آرٹ تھیٹر کیا بہروپ تھیٹر کے ساتھ تو جب یہ آئیڈیا مرتضیٰ کے ذہن میں آیا تو پھر سر جوڑ کر بیٹھے' لکھا اور پیش کر دیا تو اور پھر اللہ کا کرم ہو گیا' سب کو بہت پسند آیا اور سلسلہ چل پڑا۔"

"کشمیر اپنا۔۔۔ پاکستان بھی اپنا۔۔۔ کبھی دل چاہا کہ دوسرے ملک جا کر رہوں؟"

"ارے نہیں۔۔۔ دوسرے ملک میں جاتا ضرور ہوں' وہاں کے قوانین سے متاثر بھی ہوتا ہوں' مگر وہاں کبھی رہنا نہیں چاہتا کیوں کہ مجھے اپنا ملک بہت پیارا ہے اور ہم خوامخواہ اپنے ملک کو انڈر اسٹیمیٹ کرتے ہیں اپنے ملک کا سفیر بن کے جاتا ہوں۔ ہمارے ملک کے لوگ گوروں سے زیادہ عقل مند ہیں۔ گزشتہ سال ایک ریسرچ ہوئی تھی امریکا میں امریکا کے بیشتر شہریوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کے جھنڈے میں جو اسٹارز ہیں ان کا کیا مطلب۔ ہمارے لوگ ان کو آئیڈیلائز کرتے ہیں۔ اچھی بات ہے لیکن اپنے آپ کو اور اپنے ملک کو کبھی بھی انڈر اسٹیمیٹ نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں تو یہ کہوں گی کہ سب قوانین ڈنڈے کے زور پر ہوتے ہیں۔ ہمارے لوگ جب ملک سے باہر جاتے ہیں تو قوانین کو فالو کرتے ہیں اور اپنے ملک میں بے لگام ہو جاتے ہیں کہ کوئی پکڑ دھکڑ اور جرمانہ نہیں ہے؟"

"جی یہ تو آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔اپنی شخصیت کو کس طرح ڈیفائن کریں گے؟"

"یہ تو بہت مشکل کام ہے۔۔۔ پھر بھی۔۔۔ بہت اچھا لڑکا ہے یار۔۔۔ اتنا برا نہیں ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔"

"اپنے پروگرام میں بہت سے لوگوں کی آپ نے پیروڈی کی۔ کوئی ناراض ہوا؟"

"دلچسپ بات بتاؤں' ہم نے بہت سے سیاست دانوں کی پیروڈی کی مگر آج تک کوئی ناراض نہیں ہوا۔ اپنی پیروڈی انجوائے کرتے ہیں جبکہ ہمارے ٹی وی کے فنکار برا مان جاتے ہیں اور آپ کو یہ سن کر شاید حیرانی ہوگی کہ اکثر سیاست دان جب ہم سے ملتے ہیں تو بڑے پیار سے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے فین ہیں۔اس وقت واقعی احساس ہوتا ہے کہ واقعی ان کا ظرف بہت بڑا ہے۔"

"کس کی پیروڈی ابھی تک نہیں کی اور کس کی "ہٹ" گئی؟"

"کچھ چہرے ایسے ہیں جو میرے چہرے پر فٹ نہیں آتے یعنی جن کا میں گیٹ اپ نہیں کر سکتا مگر ان کی آوازیں میں بہت اچھی نکال لیتا ہوں۔ ویسے دیکھا جائے تو کافی لوگوں کی پیروڈی کر چکا ہوں۔ اور کون سی ہٹ ہوئی تو یہ نہیں کہا جا سکتا کمی بیشی کے ساتھ سب کو ہی پسند کیا گیا ہے۔"

"آپ نے بتایا تھا کہ آپ کا ایک فون نمبر تو آدھے پاکستان کے پاس ہے تو لوگ تنگ تو پھر کرتے ہوں گے؟"

"جی کافی لوگوں کے فون آتے ہیں' مگر سچی بات ہے کہ میں تنگ بالکل بھی نہیں ہوتا کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی ہمیں کچھ سمجھتا ہے تو ہمیں فون کرتا ہے۔ میں دوسروں سے بھی یہی کہتا ہوں کہ تنگ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

"بالکل۔۔۔ لڑکیوں کے بھی آتے ہوں گے؟ کیسا لگتا ہے؟ اور شادی اپنی پسند سے کریں گے؟"

قہقہہ۔۔۔ "جی بالکل' لڑکیوں کے بھی فون آتے ہیں اور بس صحیح ہی لگتا ہے۔ شادی لو پلس ارینج ہوگی والدین کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔"

"فیوچر کیا ہے؟"

"بہت کچھ سوچا ہوا ہے۔ کچھ چیزیں ہیں دماغ میں جو کرنی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ثنا بچہ کے ساتھ پروڈکشن ہاؤس بنایا ہے تو ان شاء اللہ اس کے تحت کام کریں گے تو وہ "ثنا بچہ پروڈکشن ہاؤس" کہلائے گا۔"

"کون سے چینلز شوق سے دیکھتے ہیں؟"

"مجھے نیوز چینلز بہت پسند ہیں اور انٹرٹینمنٹ چینلز بھی شوق سے دیکھتا ہوں' مگر پسندیدہ ترین چینل نیشنل جیوگرافک ہے' ڈسکوری ٹائپ کے چینلز بہت پسند ہیں۔"

"آج کل لوگوں کا بہترین مشغلہ کیا ہوتا ہے؟"

"ہمارے یہاں کے لوگوں کا بہترین مشغلہ فضول باتوں میں وقت ضائع کرنا ہے۔ ہم پریکٹیکل گراؤنڈ میں کچھ نہیں کرتے اور اپنے آپ کو معتبر بنانے کے چکر میں ہی رہتے ہیں۔ ملک کی ترقی باتوں سے نہیں کچھ کر کے دکھانے سے ہوتی ہے۔"

## شبنم ثانی

"کیسی ہیں آپ فیس بک پہ تو خوب ملاقات رہتی ہے۔ سوچا آج کچھ آپ کے ڈرامے کے حوالے سے بھی بات کر لیں۔ کیا خیال ہے؟"

"جی جی بالکل۔۔۔"

"یہ آپ کا پہلا سیریل ہے۔ کیا رسپانس مل رہا ہے اور سمیع ثانی صاحب تو نوجوانی سے اس فیلڈ میں ہیں۔ آپ کیوں دیر سے آئیں؟"

"جی یہ میرا پہلا سیریل ہے اور رسپانس حیرت انگیز طور پر بہت اچھا آرہا ہے۔ بہت حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ سب سے زیادہ تو میاں صاحب نے کی ہے اور مجھے تو ابھی بھی شاید اس فیلڈ میں آنے کا خیال نہ آتا اور نہ ہی میرا ایسا کچھ ارادہ تھا' لیکن جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ روبینہ اشرف جو اس سیریل کی ڈائریکٹر ہیں۔ ان سے میری بیس سال پرانی دوستی ہے' بالکل بہنوں جیسی۔۔۔ تو اس سیریل میں کام کرنے کا انہوں نے ہی کہا بلکہ آمادہ کیا اور ان کا کہنا کیسے ٹال سکتی تھی۔ انہیں پورا بھروسا تھا کہ میں یہ رول کرلوں گی۔"

"اور آپ نے ان کے بھروسے کو پورا کیا؟"

"بہت شکر گزار ہوں اپنے رب کی کہ اس نے عزت رکھ لی ہے اور میں کسی حد تک ان کے معیار پر پوری اتری ہوں' ورنہ روبینہ اشرف جیسی اچھی ڈائریکٹر کسی بات پر خاص طور پر اداکاری کے معاملے میں کمپرومائز کرنے والی خاتون نہیں ہیں اور مجھ پر یہ بھاری ذمہ داری تھی کہ اپنے نام سے جڑے دو ناموں کو میں شرمندہ نہیں ہونے دوں۔ ان میں ایک نام روبینہ اشرف کا اور دوسرا میرے اپنے میاں صاحب کا تھا دونوں ہی نامور ہیں۔"

"اچھا لگ رہا ہے اور کہیں مشکل ہوئی؟"

"بہت اچھا لگ رہا ہے اور سب تعریف کررہے ہیں اور مشکل بھلا کیسے پیش آسکتی تھی۔ سیٹ پر میرا بہت خیال رکھا جاتا تھا کیوں کہ روبینہ جانتی تھیں کہ میں ان مشکلات کو سہنے کی عادی نہیں ہیں جو ایک ریگولر فنکار کو فیس کرنا پڑتی ہیں اس لیے سب کچھ بہت آرام سے ہوگیا۔"

"بہت بری چچی دکھائی گئی ہیں۔ آپ اصل زندگی میں چچی نہیں ہیں لیکن اگر ہوتیں تو؟"

"اگر اصل میں چچی ہوتی تو ہرگز ایسی نہ ہوتی۔ اصل میں مجھے شروع میں یہ رول کرتے وقت بہت الجھن ہوئی کہ یہ میری نیچر سے الٹ تھا پھر سمیع نے سمجھایا کہ ایکٹنگ اسی کو کہتے ہیں اور آپ کی کامیابی اسی میں ہے کہ لوگ آپ کو اس رول میں قبول کرلیں بس پھر میں نے اور کچھ نہیں سوچا اور اس رول کو اپنے اوپر طاری کرلیا۔ اس لیے سب کو نیچرل لگ رہا ہے۔"

"مزید آفرز آئیں؟"

"آفرز تو پہلی قسط آن ایر ہونے سے پہلے ہی آنا شروع ہوگئی تھیں کیوں کہ کئی لوگوں نے مجھے سیٹ پر کام کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایک سوپ میں کام کرنے کی ہامی بھی بھرلی تھی اور ایک دن ریکارڈنگ بھی شروع کروادی تھی' مگر بہت لمبا کام تھا' اس لیے پھر چھوڑ دیا۔"

"تو بس پھر یہ آخری اور پہلا سیریل ہوگا؟"

"نہیں نہیں ایسا کچھ نہیں ہے' لیکن چونکہ زیادہ ٹائم نہیں دے پاؤں گی تو اس لیے سیریل کروں گی سوپ نہیں۔"

"کیسے رول کریں گی؟"

"رول بہت سوچ سمجھ کرلوں گی۔ ایسے رول نہیں کروں گی کہ گھر والے دیکھ کر شرمندہ ہوجائیں؟"

"بچے ہیں اس فیلڈ میں؟"

"بچوں میں دوسرے نمبر والا بیٹا ایک سوپ میں آرہا ہے' جو سمیع نے ہی ڈائریکٹ کیا ہے۔ باقی اپنی پڑھائیوں میں مصروف ہیں۔ ویسے اس کام میں ٹائم بہت لگتا ہے' اس لیے اگر بچے آئے بھی تو اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہی آئیں گے۔"

"آپ اچھی خاصی اسمارٹ ہوا کرتی تھیں مگر اب۔۔۔؟"

قہقہہ۔۔۔ "بھئی اس کے لیے تو یہی کہہ سکتی ہوں کہ "کبھی ہم بھی خوب صورت تھے" مگر کیا موٹے لوگ انسان نہیں ہوتے؟ ویسے موٹے ہونے سے کچھ نہیں ہوتا بس عقل موٹی نہیں ہونی چاہیے۔"

قہقہہ۔۔۔ "اصل میں لوگ موٹے لوگوں کا اتنا مذاق بناتے ہیں کہ بچارہ موٹا بندہ ڈپریشن کا شکار ہوجاتا ہے اور وہ اس کو اپنا جرم سمجھنا شروع ہوجاتے ہیں۔"

"آج کل کے ڈراموں کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گی؟"



"ضرور۔ ہمارے ڈرامے ریٹنگ کے چکر میں اپنی روایات کو بھول چکے ہیں' ہر آدمی خود کو رائٹر اور ڈائریکٹر سمجھ بیٹھا ہے۔ پروڈیوسر اور چینل کی خواہش پوری کرنے کے لیے اندھی دوڑ کا حصہ بن گیا ہے۔ ڈائریکٹر اور رائٹر پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کو سمجھیں اور اپنے ڈراموں کو ریٹنگ کے چکر میں برباد نہ کریں۔"

## گلزار حسین (شیف)

"کیا حال ہیں جی اور کیسی چل رہی ہے آپ کی کوکنگ' آپ کی جاب؟"

"الحمد اللہ بالکل ٹھیک۔۔۔ اور جاب' کوکنگ دونوں پرفیکٹ چل رہی ہیں۔"

"میری نظر میں تو ہر پروفیشن اہم ہے' مگر میں نے دیکھا ہے کہ دو تین پروفیشن ایسے ہیں جس پر لوگ منہ بناتے ہیں ایک نرسنگ ایک درزی اور ایک شیف کا۔۔۔ ایسا ہے نا؟"

"جی بالکل ایسا ہے۔۔۔ ہمارے ملک میں شیف کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اب لوگ ہر پروفیشن کو اہمیت دینے لگے خواہ نرسنگ ہو' یا ٹیلرنگ اب تو ہم جہاں جاتے ہیں' ہماری بہت عزت ہوتی ہے۔ لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔"

"بعض شوق بچپن سے ہی پروان چڑھتے ہیں تو کیا آپ کا شوق بھی؟"

"کچھ ایسا ہی تھا۔۔۔ یہ شعبہ مجھے اپنی طرف کھینچتا ضرور تھا۔ چنانچہ گریجویشن کے بعد میں شیف کی ٹریننگ لینے کے لیے جاپان چلا گیا۔ مختلف کورسز کیے' ٹریننگ لی اور پھر تھائی لینڈ جاکر بھی ٹریننگ لی تاکہ کانٹی نینٹل کھانے پکانے بھی آجائیں۔"

"پھر پاکستان آئے یا وہیں کے لوگوں کو فیض یاب کیا؟"

"وہیں جاپان میں ہی جاب کرلی اور پھر وہیں ہی ایک لڑکی کو مسلمان کرکے شادی بھی کرلی۔"

"کتنا عرصہ ملک سے باہر رہے۔ پھر پاکستان آنے کا خیال کیسے آیا آپ کو؟"

"1991ء سے 2005ء تک وہاں رہا۔ 2005ء میں پاکستان آیا اور خیال کیسے آیا تو بس اپنا ملک ہے' جب محبت جاگ اٹھے' آجانا چاہیے اور میں پاکستان آکر بہت خوش ہوں۔"

"پیسہ ہے اس فیلڈ میں؟"

"پیسہ۔۔۔؟ اجی پیسہ ہی پیسہ ہے۔ آپ کو یہ سن کر حیرانی ہوگی کہ ہماری تنخواہ کئی پروفیشنل لوگوں سے زیادہ ہے۔ بس اللہ کا ہم پر بڑا کرم ہے۔"

"مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے اس بات پر کہ کھانے پکانے کا شعبہ خواتین کا کہلاتا ہے' مگر میدان مرد حضرات مار لیتے ہیں۔۔۔ کیوں؟"

"اس لیے کہ مرد حضرات اس کام کو باقاعدہ سیکھتے ہیں پروفیشن کے طور پر' اس لیے وہ کامیاب ہیں اور اس لیے وہ بڑے بڑے ہوٹلز اور ریسٹورنٹ میں کام کرتے ہیں۔"

"آپ نے کہا کہ اس فیلڈ میں بہت پیسہ ہے۔ تو کیا نوجوان اس طرف آرہے ہیں یا شرم کا مسئلہ ہے؟"

"نہیں نہیں۔۔۔ کوئی شرم کا مسئلہ نہیں ہے۔ اب تو کافی تعداد میں لوگ بلکہ نوجوان آرہے ہیں اور بہت محنت کے ساتھ کام کرتے ہیں کیوں کہ اب تو یہ باقاعدہ پروفیشن بن گیا ہے۔"

"آپ دنیا کو کوکنگ سکھاتے ہیں' کیا بیگم کو بھی آپ نے ہی سکھائی ہے کوکنگ؟"

"نہیں' انہوں نے بھی وہیں سے ٹریننگ لی جہاں سے میں نے لی ہے۔ جاپان کے جس ٹریننگ سینٹر سے میں نے کورسز کیے' وہیں میری مسز بھی کورس کررہی تھیں۔ مجھے پسند آئیں اور میں نے ان کو مسلمان کرکے شادی کرلی اور اسلامی نام روبینہ رکھا۔ 1994ء میں ہماری شادی ہوئی۔ ہماری ایک بیٹی ہے۔"

"گھر کی ساری ذمہ داری بیگم کے سر ہے۔ کوکنگ بھی بیگم ہی کرتی ہیں اور بہت شان دار کھانا پکاتی ہیں۔"

"ہوں۔۔۔ گڈ۔۔۔"

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع - 37 - اردو بازار، کراچی۔

Email: info@khawateendigest.com
shuaamonthly@yahoo.com

آپ کے خط اور ان کے جوابات لیے حاضر ہیں

اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سب کو اور ہمارے پیارے وطن کو سلامت رکھے۔ آمین

پچھلے ماہ نایاب نے اپنے بھائی کی رہائی کے بارے میں لکھا تھا۔ اس ماہ موصول ہونے والے تمام خطوط میں قارئین نایاب کے بھائی کی رہائی پر خوشی کا اظہار کیا اور ان کے والدین کو بیٹے کے ملن پر مبارک باد دی ہے۔

آپ کی عافیت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعائیں۔

ہم ان سطور کے ذریعے نایاب جیلانی تک آپ کی مبارک باد پہنچا رہے ہیں۔ نایاب جیلانی آپ کی محبتوں کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔

اب آتے ہیں آپ کے خطوط کی طرف۔

پہلا خط جڑانوالہ سے کوثر خالد کا ہے' لکھتی ہیں۔

ایک مسئلہ تو گھر میں ہوا اگر دوسرے کا تعلق تو آپ سے ہے۔ چونکہ پچھلے دو ماہ سے آپ نے تعلق توڑ رکھا ہے۔ تمام رسالہ اس بار بہت اچھا ہے۔ جو کہ میرے ساتھ بنی کو بھی پسند آیا۔ مگر ہم دل سے کیا تعریف کریں "پیارے نبی" میں اس بار کافی موضوع تھے۔ الحمد للہ ہم نے کبھی استخارہ تو کیا کسی سے باقاعدہ دعا بھی نہیں کروائی۔ صرف اس لیے کہ ہم اپنا ہر کام خود ہی کرنا چاہتے ہیں۔

"خط آپ کے" پڑھ کر بہت اداس ہو گئے کہ ہم شامل محفل نہ تھے "اک تھی مثال" کبھی تو اسے بھی اپنے حصے کی خوشیاں ضرور ملیں گی "صنم سے صمد تک" نام ہی سے کہانی کی سمجھ آ گئی۔ مگر کنیز نبوی کا قلم اور پس منظر میں جھلکتی ان کی شخصیت نے ہم بہت مرعوب ہیں۔ ٹک لگا لگا کر تھک گئے۔ "بت شکن" اختتام پذیر ہوئی۔ اچھی اینڈنگ۔ امایہ جذبات کی ملکہ ہیں۔ ایسی مایہ ناز کوشش پر ہاتھ چومنے کو دل چاہا۔ "کمہاری کا گھر" موضوع نہایت اعلا تحریر متاثر کن "عالم لاہوت" سمیرا حمید ہوں یا سائرہ رضا، اللہ کا بڑا کرم ہے ان پر۔ تعریف کے لیے الفاظ میسر نہیں۔

"خود غرض" انتہا ہو گئی خود غرضی کی..... نہلے کو دہلا بھی کہا جا سکتا ہے۔ "من پسند" شکر ہے جلد ہی عقل آ گئی ہیرو صاحب کو۔ "صفائی پسند" ارے آپ نے تو مجھے میرا ماضی یاد دلا دیا۔ بھئی آخر یہاں سے وہاں تک ہماری صفائی

فروا کی طرح مشہور تھی۔ خالہ جیسی تو واقعی توبہ۔ مگر الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والا معاملہ تھا۔ ہم ڈانٹنے میں پہل کسی معاملے میں بھی نہیں کر سکتے۔ مگر ہماری دوج اتنی لمبی ہوتی ہے کہ خدا پناہ' کسی کو بھی ہم غلط بات شروع کرنے کا حق کبھی نہیں دیتے۔ خط لکھنے سے پہلے دوسرا مسئلہ کچھ ایسا ہی تھا۔

"پرندے" اک سادہ سی پُر سبق تحریر تھی۔ خدا گواہ ہم تو اسی آزادی سے رہتے ہیں۔ "شعاع کا ساتھ بڑا مزے کا تھا اور شعر تو ہمارا عزیز از جان۔

"ملنے کی گھڑی" نایاب جیلانی آپ نے تو دھڑکنیں ہی روک دیں۔ معلوم نہ تھا' آپ کے ساتھ ایسا سانحہ ہوا ورنہ ہم بھی شریک دعا رہتے۔

"تاریخ کے جھروکے" انوکھا شہر..... توبہ ہی بھلی.....

اب اجازت۔ توبہ کے ورد کے ساتھ ہم رات کا کھانا گھر والوں کو کھلا لیں۔ ورنہ ہمیں بہت بد دعائیں ملیں گی بھوکے پیٹوں کی۔ آج ہم نے بیسن بھرے کریلے پکائے ہیں۔ کیا آپ کھانا پسند فرمائیں گی؟

پیاری کوثر! آپ کھلائیں گی تو ضرور کھائیں گے۔ قیمہ بھرے کریلے' چنے کی دال بھرے کریلے تو ہم نے بھی کھائے ہیں لیکن بیسن بھرے کریلے اس ڈش کا نام پہلی بار سنا ہے۔ آئندہ خط میں اس ڈش کی ترکیب ضرور لکھیے گا۔

آپ کے پچھلے خط لیٹ موصول ہونے کے باعث شامل نہ ہو سکے۔ کراچی میں کسی بھی وقت ہڑتال ہو سکتی ہے جس کی بنا پر ڈاک کا سلسلہ بھی گڑبڑ ہو جاتا ہے۔ آپ سے کیا ہم اپنے کسی بھی قاری سے تعلق نہیں توڑ سکتے' آپ کو ٹینشن ہوئی' اس کے لیے معذرت۔ دوسرے مسئلہ کے بارے میں تو آپ نے بتایا ہی نہیں ویسے آپ جتنی سمجھ دار ہیں' ہمیں یقین ہے کہ آپ کے گھر میں کوئی مسئلہ ہو بھی تو زیادہ دیر نہیں رہے گا۔ آپ حل کر لیں گی۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

## انیلہ بتول اور الوین فاطمہ نے ملتان کے گاؤں W.B/22 سے لکھا ہے

ماڈل کی بات کی جائے تو مجھے اس کی ڈریسنگ تو بڑی زبردست لگی اور کہانیاں ان کی تو آپ بات ہی نہ کریں' اتنی اچھی ہر دفعہ منفرد اور دلچسپ۔ کنیز نبوی کو دیکھ کر گویا

خوشی سے ناچنے کو جی چاہتا تھا اور نمرہ احمد کو نہ دیکھ کر تھوڑی مایوسی ہوئی۔ "ایک تھی مثال" میرا فیورٹ ناول ہے رخسانہ نگار عدنان بڑی خوب صورتی سے ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں' کمہاری کا گھر بھی اچھا ناولٹ تھا۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ مجھے کھلا کسی کا کیوں بہت اچھا سلسلہ لگتا ہے۔ کنیز نبوی کا انٹرویو تصویر کے ساتھ شائع کریں۔

انیلا اور الوین! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ کنیز نبوی کا انٹرویو تو ضرور دیں گے لیکن تصویر کی فرمائش پوری کرنے سے قاصر ہیں۔ کنیز نبوی سید ہیں اور شرعی پردہ کرتی ہیں۔ اس لیے وہ تصویر شائع نہیں کرائیں گی۔

## ثمینہ اکرم نے بہار کالونی کراچی سے لکھا ہے

ٹائٹل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ لان کا جدید اسٹائل کا کیا زبردست سوٹ پہنا ہے ماڈل نے ــــ ہر چیز بالکل پرفیکٹ..... اس ماہ کا نہ صرف ٹائٹل زبردست لگا بلکہ پورا رسالہ ہی بہترین تحاریر سے آراستہ نظر آیا۔ ناولٹ' افسانے اور مکمل ناول ایک سے بڑھ کر ایک۔

بیسٹ افسانہ سمیرا حمید کا "عالم لاہوت" رہا۔ جو عشق حقیقی اور عشق مجازی کی عملی تفسیر نظر آیا۔

دوسرا افسانہ "پرندے" قرۃ العین کا اچھا لگا۔ یہ افسانہ بھی بہت بامعنی اور پر مقصد لگا۔

شہزادی عباس خلجی کے ناول میں گو کہ اس کی کہانی اتنی نئی نہ تھی۔ پھر بھی جدا انداز بیان نے اسے انفرادیت بخشی۔ "ایک تھی مثال" میں اب دکھ کے سوا کچھ نہیں

ناولٹ "کماری کا گھر" اس مرتبہ بازی لے گیا۔ اس میں ہمدان کا کردار مجھے بہت زہر لگا۔

"شعاع کے ساتھ" میں ثوبیہ نور کا دلچسپ احوال پڑھا۔ "تاریخ کے جھروکوں میں" انوکھا شہر کا عجیب و غریب احوال پڑھ کر عقل دنگ رہ گئی۔ امتل جی آخر میں کتاب کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ناولٹ "بت شکن" پہلی قسط سے آخری قسط تک میری توجہ حاصل کیے رہا۔ ویلڈن..... امایہ خان' نازنین جیسی خود پرست عورت اپنے انجام کو پہنچی۔

نایاب جیلانی آپ کو اپنے بھائی سے ملن کی گھڑی بہت بہت مبارک ہو۔ داد شاہ کی رہائی کے لیے دعا کرنے والوں میں میرے ہاتھ بھی شامل تھے۔

"بندھن" میں شادی کا احوال پڑھ کر یاد آیا کہ میں تو خرابی طبیعت کی وجہ سے فائزہ عباس کی شادی کا احوال لکھ ہی نہیں پائی۔ اب کیا میں لیٹ ہونے کے باوجود یہ احوال بھیج سکتی ہوں۔

پیاری ثمینہ! حسب معمول شعاع پر آپ کا تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ فائزہ کی شادی کا احوال ضرور بھجوائیں

## حرا قریشی ملتان سے تشریف لائی ہیں' لکھا ہے

تصحیح کیجیے حمد' پر نعت اور نعت' پر حمد کا عنوان لکھا دیکھا۔ پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھتے ہیں تو یوں لگتا ہے کچھ دیر کے لیے اسی جگہ' اسی دور میں پہنچ گئے ہوں..... زاد راہ میں کیا خوب صورت دعائیں تھیں بے اختیار سبحان اللہ کہا۔ استخارہ کے بارے تفصیل پڑھ کر دماغ کی کھڑکیاں مثل مشعل تابناک ہو گئیں "کہی نہ جائے" پڑھ کر دبی دبی خواہش پھر سے انگڑائیاں لے کر بیدار ہوگئیں۔ تو جناب عزیز شعاع' ہمیں بھی تبصرہ کرنے کا موقع فراہم کیجیے۔

ایک ہیرا پیکر مصنف کی تحریروں پر عمدہ تبصرہ تھا یہ آمنہ زریں کا۔ "بندھن" میں فائق اور ثانیہ کی گفتگو سے بھی

لطافت کشید کی۔ خطوط میں تفصیلی تبصرے ذوق وشوق سے پڑھے۔ سب سے پہلے سمیرا حمید کا افسانہ پڑھا جو کہ تھا بھی اول نمبر پر "عالم لاہوت" پڑھ کر کسی اور ہی عالم میں پہنچ گئے۔ "خود غرض" "کفایتا" حقیقت بیان کرتی چھوٹی سی تحریر تھی۔ "کمہاری کا گھر" میں پرواسے اس قدر بزدلی کی توقع نہ تھی۔ "من پسند" اگر ہم رب ذوالجلال کی پسند پر قانع ہو جائیں تو ہماری پسند ہمارے تابع فرماں ہو جائے۔ "صفائی پسند" بھی مورل بیسڈ سٹوری تھی۔ "شعاع کے ساتھ" میں تسلسل کے ساتھ مزاح بھی ہلکا پھلکا نمایاں تھا۔ پڑھ کر مزہ آیا۔ "کوئی امید کا ستارہ ہے" ایک ایسی تحریر جسے پڑھ کر ذہن کے دریچے پر کئی سوال براجمان ہو گئے۔ "ثانیہ نے کچھ لمحے زندگی کی نوید دے کر مدثر کو تنہا کیوں کر دیا؟" فہد اگر ثانی کو چاہتا تھا تو شادی ضروری تو نہیں تھی "مائیں تو گھر سنوارتی ہیں پھر ثانیہ کی ماں نے اسے ایسے مشورے کیوں دیے؟" بہت خوب صورت بات "پرندے" میں کی گئی۔ "تیرے سنگ حسین ہے رہ گزر" جسے پڑھ کر من و سلویٰ یاد آ گئی۔ ویل ڈن شہزادی صاحبہ "صنم سے صمد تک" کنیز نبوی کا اسم خاص دیکھ کر دل مسرت سے اچھلنے لگا۔ ہم متجسس ہیں کہ حمیرا کی آگے کیا پلاننگ ہو گی، اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔

پیاری حرا! بہت اچھا تبصرہ کرتی ہیں آپ مگر صفحات کی مجبوری ہوتی ہے اس لیے پورا تبصرہ شائع نہیں کر سکتے کیونکہ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بہنوں کے خطوط شامل کیے جائیں۔ چھوٹے شہروں میں اور دیہات میں خط پوسٹ کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے اور جب ان کے خط شامل نہیں ہوتے تو جتنی تکلیف انہیں ہوتی ہے، اس سے بڑھ کر ہمیں دکھ ہوتا ہے۔ حرا آپ افسانوں پر توجہ دیں۔ کوئی اچھی کہانی اپنے اردگرد تلاش کریں اور اسے الفاظ کا جامہ پہنائیں کیونکہ آپ لفظ پر قادر ہیں۔

## نگہت نورین عطاء اللہ نے محلہ دین پورہ سیالکوٹ سے لکھا ہے

جون کا شمارہ ہاتھ میں آیا.... یہ کیا اتنا برا ٹائٹل ـــ (معذرت کے ساتھ) نبیلہ عزیز نے قسط کیوں نہ لکھی "بت شکن" کا واہ بھئی واہ مزہ آ گیا۔ امایہ جی! اب خاموشی اختیار نہیں کرنی کنیز نبوی ـ "صنم سے صمد" تک "اچھا تھا۔ مطلب بتا دیں؟ باقی اختتام پر! سمیرا جی ویل ڈن، اتنے انوکھے کردار کہاں سے لے آتی ہیں آپ ـــ

"عام زندگی.... عام خوشیاں ـــ عام دکھ.... درد دل زندگی کا مزہ عام ہونے میں ہے۔" یہ تنزیلہ ریاض کے کس ناول کی لائن ہے ضرور بتائیں۔ ابا کافی سخت ہیں۔ مگر پھر بھی پڑھنے دیتے ہیں۔ امام مسجد ہیں میرے ابا! مجھے فخر ہے۔

کنیز نبوی، سائرہ رضا، عنیزہ سید اور تنزیلہ ریاض کا تعلق کہاں سے ہے اور یہ بھی بتائیں کہ سیالکوٹ سے کوئی مصنفہ تعلق رکھتی ہیں کہ نہیں!

نگہت! معذرت خواہ ہیں آپ کو ٹائٹل پسند نہیں آیا، صرف ایک سطر پڑھ کر ناول کے بارے میں بتانا بہت مشکل ہے اگر کسی قاری بہن نے یہ کمال کر دکھایا تو ضرور شائع کریں گے۔ ناولوں کی لسٹ تو پرچے میں کئی بار شائع ہو چکی ہے شاید آپ نے نوٹ نہیں کیا۔ صنم بت کو کہتے ہیں اور صمد اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اس قسط میں وضاحت بھی ہے۔ عنیزہ سید کا تعلق ڈسکہ سیالکوٹ سے ہے۔ کنیز نبوی سندھ سے، سائرہ رضا کراچی سے اور تنزیلہ کا تعلق اوکاڑہ سے تھا۔ اب شادی کے بعد بحرین میں ہوتی ہیں۔

## صائمہ مشتاق احمد حافظ آباد سے شریکِ محفل ہیں، لکھا ہے

سیکنڈ ایر میں تھی جب آخری بار آپ کو لکھا تھا۔ اب ماسٹرز کیے بھی چھ ماہ ہو گئے ہیں۔

سرورق میں ماڈل کے کپڑے تو خوبصورت تھے مگر ماڈل کا انداز بہت نامناسب لگا۔ شمارہ بہت اچھا تھا۔ سائرہ رضا اور سمیرا حمید نئی لکھنے والوں میں سے میری موسٹ فیورٹ رائٹرز ہیں۔ ان کی وجہ سے پرانی رائٹرز کی یاد بھی اب کم آتی ہے۔ "بت شکن" کی تو کیا ہی بات ہے۔ امایہ خان نے بھرپور انصاف کیا۔ امید ہے امایہ یونہی بغیر وقفے کے اچھے اچھے کرداروں اور کہانیوں سے ہمیں محظوظ کرتی رہیں گی۔ سدرۃ المنتہیٰ اور وجیہہ احمد کے ناولٹ بھی بے حد اچھے تھے۔ "صفائی پسند" کے شروع کے دو صفحات پڑھ کے تو مجھے بے ساختہ شازی باجی کی ہی یاد آتی رہی۔

افسانوں میں سمیرا حمید کا "عالم لاہوت" نمبر لے گیا۔ شہزادی عباس کی کہانی کا مرکزی خیال پرانا مگر انداز نیا تھا۔



ہمیشہ ایسا ہی کیوں ہوتا ہے۔ لڑکا بچپن کی محبت کو لمحوں میں بھول کر نئے راستوں کو کھوجنے نکل پڑتا ہے اور لڑکی اس کی مالا جپتی رہتی ہے۔ لڑکی ایسے ہرجائی کو قبول ہی کیوں کرتی ہے؟

پیاری صائمہ! ایک طویل عرصہ کی خاموشی کے بعد آپ نے خط لکھا، بہت خوشی ہوئی، پر آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اتنی طویل خاموشی کیوں؟

اس میں شک نہیں کہ نئی مصنفین بہت اچھا لکھ رہی ہیں لیکن پرانی مصنفین کی اپنی جگہ ہے اور قارئین کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی ان کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے ہیروئن ہرجائی ہیرو کو کیوں قبول کر لیتی ہے تو غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔ صبح کا بھولا شام کو آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ پھر کچھ معاملے دل کے بھی ہوتے ہیں۔ جو دل کو عزیز ہوتے ہیں ـــــــ دل ان کی غلطیاں معاف کر دیتا ہے۔

## گاؤں نروال شریف سرائے عالمگیر سے شازیہ قیصر تشریف لائی ہیں

شادی سے پہلے بھائی، امی رسالہ لا کر دیتے تھے اور اب قیصر کہے بغیر ہی لا دیتے ہیں۔

"رقص بسمل" نہ پا کر بڑی مایوسی ہوئی۔ "ایک تھی مثال" میں مثال پر بڑا ترس آیا۔ حسین رہگزر اچھا ناول تھا۔ "بت شکن" ایک زبردست ناولٹ اپنے اختتام کو پہنچا۔ امایہ خان کو مبارک باد "کمہاری کا گھر" بھی اچھا تھا معذرت کے ساتھ "عالم لاہوت" میری سمجھ میں نہیں آیا۔

"تاریخ کے جھروکے" اپنا پسندیدہ سلسلہ پڑھا تو اس بادشاہ کی قبر پر جوتے مارنے کی خواہش کو بڑی مشکل سے دبایا۔ ثانیہ سعید میری فیورٹ ایکٹرس ان کو پڑھ کر بڑا اچھا لگا۔ شعاع کے سارے ہی سلسلے اچھے ہیں آپ سے ایک ریکویسٹ ہے کہ رسالے میں ایک مزاحیہ تحریر ضرور شامل کیا کریں۔

شازیہ اچھا ہوا آپ نے وضاحت کر دی ورنہ ہم نے بھی آپ کے شوہر کا نام قیصر ہی لکھنا تھا ویسے فیصر نام پہلی بار سنا ہے۔ ہماری اکثر قارئین یہ شکایت کرتی ہیں کہ ان کے والدین یا شوہر انہیں رسالے پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ خوشی کی بات ہے کہ آپ کے ساتھ ایسا نہیں

ہے بلکہ آپ کے شوہر خود لا کر دیتے ہیں۔

مزاحیہ تحریریں ہمیں بھی پسند ہیں اور ہماری بھی خواہش ہوتی ہے کہ ہر ماہ کم از کم ایک مزاحیہ ہلکی پھلکی تحریر ضرور شامل ہو۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

**روما شہزادی ، ثمن وقاص ، قمر قاسم ، دیونہ منڈی گجرات سے لکھتی ہیں**

اس دفعہ ٹائٹل ذرا بھی اچھا نہیں تھا۔ رقص بسمل ناول بہت اچھا جا رہا ہے۔ اس میں ماورا کی ماں اور رضا حیدر کا کیا رشتہ ہے "ایک تھی مثال" بھی بہت اچھا ہے۔ ہمارا دل کرتا ہے کہ بشریٰ اور عدیل جیسے ماں باپ کو گولی مار دیں۔ امایہ خان کا ناول "بت شکن" بھی زبردست تھا ہم تینوں ایک ہی اسکول اور ایک ہی کلاس کی ٹیچرز ہیں۔ اسکول کا نام الفلاح اکیڈمی ہائیر سیکنڈری اسکول دیونہ منڈی گجرات ہے۔

پیاری روما! ثمن ، قمر! شعاع کی بزم میں خوش آمدید آپ تینوں علم کی روشنی پھیلا رہی ہیں' یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ اگر نیک نیتی اور فرض شناسی کے جذبے کے تحت استاد اپنے فرائض انجام دیں تو قوم کا مستقبل سنور سکتا ہے۔ کسی طالب علم کی خفیہ صلاحیتوں کو پہچاننا' انہیں آگے بڑھانے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی' ان کی اخلاقی تربیت اور صحیح سمت کی طرف رہنمائی ایک استاد کے فرائض میں شامل ہے۔ صرف کتابیں رٹوانے سے ایک استاد کا فرض ادا نہیں ہوتا۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ نبیلہ عزیز ناسازی طبع کے باعث قسط نہ لکھ سکیں۔

**کائنات اصغر بوزدار نے ڈہرکی سے لکھا ہے**

ہلکے پھلکے ٹائٹل نے من تک شانت کر دیا۔ لیکن ماڈل کو دوپٹا پھیلا کر لینا چاہیے تھا۔ حمد و نعت کو پڑھنے کے بعد تھوڑا آگے بڑھے تو "بندھن" میں فائق اور ان کی مسز کا دوبارہ انٹرویو دیکھ کر غصہ آیا کیونکہ پہلے انٹرویو کو ابھی اتنا عرصہ تو نہیں گزرا... نایاب آپی! اس خوشی کے موقع پر آپ ہمارے لیے ایک زبردست ناول لکھیں۔ سمیرا حمید آپ کے لیے بس اتنا کہنا چاہوں گی کہ آپ چھوٹی سائرہ رضا ہیں' جو ہر موضوع پر لکھنا جانتی ہیں۔ "لمہاری کا گھر" ویل ڈن وجیہہ احمد آپ نے زبردست اسٹوری لکھی۔ دستک میں ثانیہ سعید سے مل کر اچھا لگا کیونکہ "شی از پریٹی اینڈ گریس فل لیڈی" "امید کا ستارہ" سدرۃ المنتہیٰ نے زبردست لکھا۔ مکمل ناول دونوں نہیں پڑھے کیونکہ کنیز نبوی کو تو فرصت میں پڑھوں گی اور اگلے ماہ اکٹھے دونوں اقساط پر تبصرہ کروں گی۔

دوسرا یہ کہ اریبہ اور اریشہ تو ابھی فقط میٹرک اور آٹھویں جماعت کی اسٹوڈنٹ ہیں پھر بھلا عاصمہ اور واثق کو ان کی شادی کی فکر کیوں ہے۔ "شاعری سچ بولتی ہے" سلسلہ ختم ہو گیا کیا؟ اور ہاں آپ سے پوچھنا ہے کہ دستک وغیرہ میں آپ صرف چینلز کے ایکٹرز سے انٹرویو لیتی ہیں "تاریخ کے جھروکے" میں محمود غزنوی اور بہادر شاہ ظفر کو بھی سامنے لائیں۔ "شادی مبارک" بشریٰ گوندل کے احوال نے عجیب حالت کر دی کیونکہ اس گرمی میں تو مجھے ہیوی لباس' جیولری' میک اپ' کھانے اور زیادہ رش کا سوچ کر ہی الجھن ہونے لگی۔ جون اور جولائی میں شادیوں کا احوال بالکل بھی نہ دیا کریں۔

پیاری کائنات! آپ تو شادی کا احوال پڑھ کر ہی گھبرا گئیں۔ ذرا سوچیں جن کی شادی ہوتی ہے اور جو شادیوں میں شرکت کرتے ہیں' ان پر کیا گزرتی ہوگی۔ پھر یہ بھی ہے کہ شادی کب اور کس کے ساتھ لکھی ہے تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' اب اگر مئی جون میں ہی شادی لکھی ہو تو کیا کیا جائے۔

رخسانہ نگار کے ناول میں اریبہ' اریشہ چھوٹی ہیں لیکن لڑکیوں کو بڑے ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔ اس لیے فکر تو ہونا ہی چاہیے۔ شاعری سچ بولتی ہے کا سلسلہ بند نہیں کیا گیا ہے۔ صفحات کی کمی آڑے آجاتی ہے۔ راحت جبیں اور فائزہ افتخار دونوں ـ چینلز پر مصروف ہیں اس لیے آپ کی فرمائش پوری کرنے کے لیے قاصر ہیں اس ماہ کنیز نبوی کے ناول کی دوسری اور آخری قسط شائع کی جا رہی ہے' پڑھ کر اپنی رائے ضرور لکھیے گا۔

**سمیعہ سحر قریشی ضلع بہاول نگر سے لکھتی ہیں**

اس بار سارا شعاع لاجواب سب ناول اور ناولٹ ایک سے بڑھ کر ایک۔ افسانے ابھی پڑھے نہیں لیکن ایک

پڑھا' صفائی پسند اچھا لگا۔ اور ہاں ایک تھی مثال میں بھول گئی' پڑھتے وقت جس چویشن سے میں گزری۔ بس نہ ہی پوچھیں۔

صمیعہ سحر! شعاع پسند آیا بہت شکریہ۔ ٹائٹل کے بارے میں آپ کی شکایت نوٹ کرلی گئی ہے آئندہ خیال رکھیں گے۔

کراچی سے عائشہ جمیل نے لکھا ہے

"صنم سے صمد تک" کنیز نبوی کا مکمل ناول بہت زبردست ہے۔ خصوصاً "ماہم" کا کردار مجھے بہت پسند آیا۔ حمیر اور حسین رضا! اف اس قدر خود غرض اور بے ضمیر کہ اپنی محبت کو پانے کے لیے اپنے ہی بھائی کے لہو سے اپنے ہاتھ رنگ لیے۔ دیکھیں منتظر حسین' حیا حسین کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ شہزادی عباس خلجی کا ناول بس صحیح لگا۔ "بت شکن" امایہ خان نے بے انتہا خوبصورت ناولٹ تحریر کیا۔ آخری قسط میں ہر ایک کردار کے ساتھ رائٹر نے خوب خوب انصاف کیا۔ ویل ڈن امایہ جی۔ "امید کا ستارہ" سدرۃ المنتہیٰ اور "کمہاری کا گھر" وجیہہ احمد دونوں کے ناولٹ اچھے لگے۔ سدرہ اینڈ وجیہہ جی ویری گڈ۔ افسانے سب ہی اچھے تھے مگر "پرندے" قرۃ العین کی ہلکی پھلکی تحریر افسانوں پہ چھا گئی اور لاسٹ میں سمیرا حمید صاحبہ بلاشبہ ادب کے افق پہ چمکتا ہوا وہ ستارہ جس نے بہت کم وقت میں اپنے اچھے کام سے نام کمایا۔

مگر پھر بھی سمیرا جی! مجھے آپ سے ایک شکایت ہے۔ پلیز مائنڈ مت کیجئے گا آپ کی اکثر کہانیوں کے اینڈ بہت ہی عجیب سے ہوتے ہیں سمجھ میں نہ آنے والے۔ آپ کی تحریروں کا اینڈ پڑھ کر ایک تشنگی سی رہ جاتی ہے۔

پیاری عائشہ! آپ نے شعاع کی تحریروں کے ساتھ ساتھ تمام سلسلوں پر بھی تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ اس کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

سمیرا حمید کی سب کہانیوں میں نہیں البتہ کچھ کہانیوں میں یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ کہانی جلد ختم کردی گئی۔ لاہوت' بہرحال اپنی جگہ مکمل کہانی تھی۔ اور اس کا اختتام بھی واضح تھا۔ سمیرا حمید تک ہم آپ کی رائے پہنچا رہے ہیں۔

نوابشاہ سے حنا پارو خان نے لکھا ہے

مئی کا پورا رسالہ اچھا تھا۔ میں نے کہانی بھجوائی تھی۔ اس کا بتادیں۔

پیاری حنا! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کی کہانی قابل اشاعت نہیں۔ آپ مزید محنت کریں۔

عائشہ خان ٹنڈو محمد خان سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

ٹائٹل بہت پیارا لگا۔ ماڈل کا سوٹ بہت پیارا لگا۔ بت شکن' جیسا آغاز تھا اختتام ویسا نہ ہوا' دل سیراب نہیں ہوا معلوم نہیں کیوں۔ کمہاری کا گھر۔ منفرد سے عنوان کا ناولٹ بہت پسند آیا۔ صنم سے صمد تک۔ پڑھنا شروع کردیا تھا مگر سوچا کہ دیکھوں قسط وار تو نہیں۔ مگر دیکھا تو قسط وار تھا اس لیے اگلے ماہ پر چھوڑ دیا۔ حسین راہ گزر' واہ زبردست شہزادی عباس' بہت پیارا ناول لکھا۔ افسانہ خود غرض' زبردست ہے۔ ماہم پر حیرت ہوئی۔ ہم بھی پانچ بہنیں ہیں مگر ایک دوسرے سے بہت محبت کرتی ہیں۔ بلکہ میں اگر اپنی بہنوں کی کسی چیز کو پسند کرتی ہوں تو وہ جھٹ مجھے دے دیتی ہیں۔ اور میں بھی ایسی ہوں۔ سمیرا گل کا من پسند بھی اچھا لگا۔

شعاع کے ساتھ میں ثوبیہ نور کے شاعرانہ اسٹائل میں تعارف بہت پیارا لگا۔ ملنے کی گھڑی... "ایک تھی مثال" رخسانہ نگار ہمیں رلا رلا کر جان لیں گی کیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ میں نے ناول پڑھنا بند کردیا۔ کیونکہ میرا دل بیٹھنے لگا۔ کیوں کیا اتنی سی بچی پر اتنا بڑا ظلم۔ کیسے ماں باپ ہیں۔

عفت جیسے کردار زہر لگتے ہیں۔ "خط آپ کے" میں مسز جبین روہڑی کی انٹری اچھی لگی۔ اور حنا سلیم اعوان اور رضوانہ شکیل کے خط پسند آئے۔

پیاری عائشہ! جس طرح پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں اس طرح سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کچھ بہنیں مختلف بھی ہوتی ہیں بہرحال یہ اچھی بات ہے کہ آپ بہنیں آپس میں محبت کرتی ہیں تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔

رخسانہ رخشی اور السہ ملک نے ملتان سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں



تمام سلسلہ وار ناول اچھے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ رنگا رنگ سلسلے بھی بہت دلچسپ ہیں۔ میں ایک رائٹر ہوں۔ بچوں کے صفحات کے لیے ہفت روزہ رسائل میں کہانیاں لکھتی ہوں۔ حال ہی میں' میں نے رائٹر ایوارڈ بھی وصول کیا ہے۔

رخسانہ! شعاع کی محفل میں خوش آمدید اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے تو شعاع کے لیے بھی لکھیں۔ اچھی تحریروں کا ہم ہمیشہ خیر مقدم کرتے ہیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

صبا عنایت بھریا روڈ سے لکھتی ہیں

نبیلہ عزیز بہت اچھی رائٹر ہیں۔ (رقص بسمل) پڑھ کر بہت اچھا لگا اور یہ کہانی بہت اچھی جا رہی ہے اور باقی سب ناولٹ بہت شوق سے پڑھے۔

پیاری صبا! ہمیں افسوس ہے کہ آپ نے پہلی بار ہمت کرکے خط لکھا اور وہ شائع نہ ہوسکا۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

کائنات جہاں نے راولپنڈی سے لکھا ہے

میں کائنات جہاں' عمر سترہ سال' سات سالوں سے شعاع پڑھ رہی ہوں۔ اب ایف ایس سی کی اسٹوڈنٹ ہوں' بیچ میں انگریزی ملے اور بچوں کی کہانیاں بھی لکھیں۔ میرا لکھا ایک انگلش پلے ایک اسٹیج پر بھی چلا اور مجھے انعام بھی دیا گیا۔ شعاع میں میں نے ہر قسم کے رائٹرز اور کردار پڑھے جن میں نمرہ احمد کی تحریر مجھے سب سے زیادہ متاثر کن لگی۔

کائنات! دس سال کی عمر سے شعاع پڑھ رہی ہیں' اتنی چھوٹی عمر میں آپ نے اردو' انگریزی ڈرامے لکھے اور انعام بھی حاصل کیا۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں۔

لاریب' ماہ زیب چونیاں سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

جون کے شمارے کا ٹائٹل کچھ خاص پسند نہیں آیا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں لاجواب تھیں اور ایک بہت پرانی الجھن بھی دور ہوگئی کہ اگر دعائے استخارہ میں اپنی حاجت کا نام عربی میں نہ لے سکیں تو...؟ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ استخارہ دن یا رات میں کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔

احادیث کے نیچے فوائد و مسائل کا جو کالم دیا جاتا ہے وہ بھی بہت مفید ہے۔ بہت شکریہ جزاک اللہ۔ آپ نے اس موضوع کا انتخاب کیا۔

سمیرا حمید بہتر سے بہترین اور مشکل سے مشکل تر لکھنے کی طرف جارہی ہیں۔ وجیہہ احمد اور شہزادی عباس کی ہلکی پھلکی تحریریں پسند آئیں۔

کنیز نبوی بہت عرصہ بعد آئیں پر چھائیں نہیں۔ کیونکہ ان کی کہانی اچھی تو تھی پر عشق آتش اور ماردی سیریز والا مزہ بالکل نہیں تھا۔ (ناول کا اگلا حصہ پڑھ کر یہ رائے تبدیل بھی ہوسکتی ہے)

سدرۃ المنتہیٰ کی کہانی اعلا تھی۔

لاریب اور ماہ زیب! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ خلاصہ مصنفہ نہیں۔ یہ کام ہم لوگوں کا ہے۔ کنیز نبوی کے ناول کا دوسرا حصہ پڑھ کر آپ کی رائے یقیناً تبدیل ہوجائے گی۔

سمیرا انجم نے ضلع چنیوٹ سے لکھا ہے

خوبصورت ٹائٹل۔ واہ دل خوش ہوگیا۔ کمہاری کا گھر (معذرت) کہانی فلمی سی لگی جبکہ پرچے کی جان سدرۃ المنتہیٰ کا ناولٹ امید کا ستارہ رہا۔ تاریخ کے جھروکے میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔

آپی آج سے تقریباً" 20 سال پہلے خواتین رسالے میں پل بیتے کا سایہ ناول آیا تھا پلیز پلیز باجی اگر آپ کے پاس وہ ناول ہے تو اسے دوبارہ شائع کریں۔ بت شکن جتنی شان دار کہانی شروع ہوئی' اینڈ اتنا ہی اچھا لگا۔

تیرے سنگ میں شہزادی عباس خلجی نے کیسا الجھا دیا ہے ہم تو مرتضیٰ کا قصہ ہی ڈھونڈتے رہ گئے۔

سمیعہ! شہزادی عباس خلجی کی کہانی مکمل تھی۔ آپ اپنے بک اسٹال والے کو پرچا دے کر اسے تبدیل کرالیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ اریدہ آصف اور عابدہ راؤ نے کبیروالا سے لکھا ہے

اس دفعہ کا شعاع بہت پسند آیا۔ ماڈل اس دفعہ بہت ہی پیاری تھی۔ سب سے پہلے جو ناول پڑھا وہ ہے "ایک تھی مثال" مثال کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا "بت

شکن" کی آخری قسط پڑھ کر دل بہت خوش ہوا کہ مہرزاور رامین ایک ہوگئے۔ اس کے بعد شہزادی عباس خلجی کا مکمل ناول "حسین رہگزر" نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا۔ بیسٹ آف لک شہزادی جی۔ ناولٹ میں وجیہہ احمد کا "کمہاری کا گھر" بہت زبردست تھا۔ میرے بھتیجوں آریان حیدر اور آیان حیدر کی سالگرہ 27 جون کو ہے۔ شعاع کے ذریعے انہیں وش کرنا چاہتی ہوں۔

پیاری عابدہ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ ہم آپ کا خط شامل کررہے ہیں اور آپ کے بھتیجوں کے لیے دعائیں بھی۔ لیکن یہ سلسلہ مبارک بادی کے پیغامات کے لیے نہیں ہے۔ آپ خود سوچیں اگر تمام قارئین اپنے عزیز و اقارب کو مبارک باد دینے کے لیے یہ ذریعہ اختیار کریں تو پھر اس سلسلے میں صرف مبارکبادی کے پیغامات ہی شامل ہوں گے۔ تبصرے کے لیے تو جگہ ہی نہیں بچے گی۔

## کراچی سے یاسمین حنفی نے لکھا ہے

"بت شکن" کی آخری قسط بہت شاندار رہی' مہرزاور رامین مل ہی گئے بہت بہت مبارکباد ہو آپ کو امایہ خان "ایک تھی مثال" اب بور کررہا ہے۔ ہر قسط میں یہی بڑھ رہے ہیں۔ "کنیز نبوی" مکمل ناول میں سب واضح ہوگیا ہے اب بس یہ دیکھنا ہے کہ ختظر حسین کیا فیصلہ کرتا ہے آئی تھنک معاف کردے گا۔ "حسین رہگزر" اچھا ناول تھا۔ "کمہاری کا گھر" سب سے زیادہ پسند آیا۔ اگرچہ کہانی اتنی زیادہ اچھی نہیں تھی۔ پر موضوع بہت اچھا تھا۔ "امید" بھی اچھی تحریر تھی۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے "صفائی پسند" زبردست تھا۔

یاسمین! آپ کی ایک کہانی تو لگ چکی ہے بقیہ کے بارے میں معذرت۔ ویسے آپ میں صلاحیت ہے مزید لکھیں۔

## افق آتش نے چیچہ وطنی سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

"امید کا ستارہ" بہت خوبصورت' بہت اعلا۔ سدرہ جزاک اللہ اس محبت کے لیے۔ کمہاری کا گھر کے لیے میں بھی فقط اتنا ہی کہوں گی وجیہہ احمد مجھے یہ پسند آیا۔

پیاری افق! آپ نے خط لکھا' بہت شکریہ۔ آپ کی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں۔ غزل کے لیے معذرت۔

### قارئین متوجہ ہوں!

1 شعاع ڈائجسٹ کے لیے تمام سلسلے ایک ہی لفافے میں بھجوائے جاسکتے ہیں۔ تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ کاغذ استعمال کریں۔
2 افسانے یا ناول لکھنے کے لیے کوئی بھی کاغذ استعمال کرسکتے ہیں۔
3 ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت یعنی صفحے کی دوسری طرف ہرگز نہ لکھیں۔
4 کہانی کے شروع میں اپنا نام اور کہانی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔
5 مسودے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں۔ ناقابل اشاعت صورت میں تحریر کی واپسی ممکن نہیں ہوگی۔
6 تحریر روانہ کرنے کے دو ماہ بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کہانی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔
7 شعاع ڈائجسٹ کے لیے افسانے' خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب' اشعار وغیرہ درج ذیل پتے پر رجسٹری کروائیں۔

ماہنامہ شعاع۔ 37 اردو بازار کراچی۔

رخسانہ نگار عدنان

# ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصطفیٰ" بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ، عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

وہ آج کل صرف ایک ہی بات سوچ رہی تھی کہ ۔۔۔ جلد سے جلد گریجویشن کرتے ہی اپنے لیے کوئی جاب تلاش کرنا ہے اور اپنے پیروں پہ خود کھڑے ہونا ہے۔

احسن کمال اور بشریٰ کے درمیان روز ہونے والی بحث بھی اسے چوکنا کر گئی تھی۔ وہ جانتی تھی جلد یا بدیر احسن کمال کی جیت ہوگی اور بشریٰ کو سب کچھ سمیٹ کر اس کے ساتھ آسٹریلیا جانا ہی پڑے گا۔

اور اس سب کچھ میں مثال تو کہیں بھی نہیں ہوگی اور عفت اسے مستقل اپنے گھر میں ٹھہرانے پہ کبھی بھی راضی نہیں ہوگی۔

تو ایسے میں اسے ۔۔۔ خود کو مضبوط کرنا تھا۔ وہ ہمدردی اور بے چارگی کا نشان بن کر لوگوں کے لیے مثال نہیں بننا چاہتی تھی۔

نسیم کا پانچ سال پہلے انتقال ہو گیا تھا اور ذکیہ تو وہ جب آخری باران کی خدمت کرکے آئی تھی۔ اس کے ایک ماہ بعد ہی زندگی کے آزار سے رہائی پا گئیں۔ عدیل کو دوبارہ کبھی اسے ٹوکنا نہیں پڑا تھا کہ وہ ذکیہ اور عمران سے کبھی نہیں ملے گی۔

پریشے بہت خوب صورت نکلی تھی۔ قد کاٹھ میں بھی تیرہ چودہ سال کی عمر میں وہ مثال کے برابر آ گئی تھی جو دیکھتا وہی اس کے حسن کا مداح ہو جاتا عفت کا سر فخر سے اٹھ جاتا۔

پریشے کا اصل حسن اس کی معصومیت تھی۔ وہ اس حسن پر مغرور نہیں تھی لیکن اس معصومیت میں بھی بہت بے نیازی تھی وہ جب موڈ ہوتا مثال سے ٹھیک طرح بات کرتی موڈ نہ ہوتا تو مثال کے بلانے پر اس کی طرف دیکھتی بھی نہیں تھی۔

وانی ایک لاپرواہ سا لڑکا تھا جسے مثال میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ شروع سے عفت کی یہ بات سمجھ گیا تھا کہ یہ تمہاری سوتیلی بہن ہے۔ تم اس سے جتنا بھی لگاوٹ کا مظاہرہ کرو گے یہ ٹھیک پندرہ دن بعد یہاں سے چلی جائے گی۔

وانی نے کبھی اسے دل سے بہن نہیں سمجھا تھا۔

ان لوگوں کی ایک مکمل فیملی تھی جس میں مثال کی جگہ نہیں تھی۔ نسیم بیگم کی وفات کے بعد اس کا کمرہ پریشے کے حصے میں آ گیا تھا۔ اوپر والا پورشن کرائے پر تھا۔ صرف چھت ان کے پاس تھی جس پر مثال کبھی کبھی تنہائی کی تلاش میں جا کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔

اور آج بھی وہیں بیٹھی بشریٰ کی بات کو نئے سرے سے سوچ رہی تھی۔

"مثال تم کسی کو پسند کرتی ہو؟" اس نے ماں کی بات کو کس طرح سختی سے رد کیا تھا مگر اب چھم سے وہ چہرہ اس کے سامنے آ گیا تھا جو اس کے اچانک بہت قریب تھا۔

"نہیں مجھے اس کے بارے میں نہیں سوچنا۔" وہ سر جھٹک کر اٹھی اور یونہی چھت پہ ٹہلنے لگی۔

اور دوسرے لمحے وہ ساکت سی رہ گئی۔

وہی لڑکا یک ٹک اس کو دیکھے جا رہا تھا مثال کے قدم جیسے وہیں جکڑے رہ گئے۔

دونوں بہت دور سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے جیسے بہت قریب محسوس کر رہے تھے۔

واثق نے دور سے ہاتھ ہلا کر اسے وش کیا تھا۔

وہ جھینپ کر بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی رات تک اس کے دل کی دھڑکنیں اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر اتھل پتھل ہوتی رہی تھیں۔

"کدھر دھیان ہے تمہارا؟ کھانے میں نمک کی جگہ چینی ڈالنے لگی تھیں مثال! تم جب بھی اپنی ماں کے گھر سے ہو کر آتی ہو' مجھے زچ کر کے رکھ دیتی ہو۔ کیا پٹیاں پڑھا کر بھیجتی ہے وہ عورت تمہیں؟" عفت کو جی بھر کر اس پر غصہ آرہا تھا۔ زور زور سے بولتی چلی گئی۔

"ماما کہتی ہیں' جب آپ بابا کی ساری تنخواہ۔ ان کی ہر چیز پر قابض ہیں۔ ان کی سیلری میں سے ایک جوڑا کپڑوں کا تمہیں نہیں بنا کر دیتیں تو پھر تم بھی مثال اس گھر کا کوئی کام نہیں کیا کرو۔ تم نوکرانی نہیں ہو عفت بیگم کی۔"

وہ باقاعدہ کمر پر ہاتھ رکھے نڈر لہجے میں بول رہی تھی۔ عفت کی آنکھیں تو جیسے پھٹنے کو تھیں۔

"یہ۔۔۔ یہ تمہاری ماں نے بکواس کی؟" وہ شاکڈ زدہ سی تھی۔

"بالکل سچ کہا ماما نے' لیکن میں نے ان سے کہا چونکہ میں بابا سے بہت محبت کرتی ہوں تو صرف اس لیے کہ عفت ماما' بابا کو میرے خلاف اکساتی نہیں۔ میں ان کے گھر کا کام کر دیتی ہوں ورنہ کوئی میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔" وہ ٹونٹی سے ہاتھ دھو کر کھانا ادھورا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ پتا نہیں کیوں آج اس کا جی ہر کام کو الٹا کرنے کو چاہ رہا تھا اور اب عفت کچن میں کس طرح جل بھن رہی ہوگی۔ سوچ کر ہی مثال کو ہنسی آرہی تھی۔

"مگر وہ لڑکا!" اس نے بے اختیار آنکھیں رگڑیں' وہ تو اس کے دھیان کی کنکنی سنبھال کر بیٹھ گیا تھا۔

"مجھے بھولتا کیوں نہیں؟" وہ بے بسی سے سیڑھیوں میں بیٹھ کر پھر اسی کو سوچنے لگی۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ پر تو جیسے شادیٔ مرگ طاری ہو گیا تھا۔

ہاشم بھائی' ان کی بیوی صاعقہ اپنے دونوں بیٹوں وقار اور وقاص کے ساتھ اتنے سالوں بعد پاکستان آئے تھے۔ اور دونوں میاں بیوی نے آتے ہی اریبہ اور اریشہ کا ہاتھ مانگ لیا تھا۔

"اور ہم پندرہ دن میں نکاح' رخصتی کروا کے اپنی بیٹیوں کو ساتھ لے کر جائیں گے۔" صاعقہ بھابھی کی بات پر عاصمہ کو لگا' ابھی خوشی سے اس کا دل بند ہو جائے گا۔

"بھابھی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ! میں تو ابھی۔۔۔ میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں سوچا۔"

وہ کانپتی آواز میں بول رہی تھی۔

"واثق! تم بھی تو بولو ناں کچھ؟" ہر ایسے مشکل وقت میں وہ واثق کو پکارا کرتی تھی' سو اب بھی یہی کیا۔

"میرے خیال میں امی! اس میں کچھ ایسا حرج بھی نہیں' صرف ایک بار اریشہ اور اریبہ سے پوچھ لیتے ہیں۔ انہیں اگر کوئی اعتراض نہیں ہو تو۔۔۔ کیوں ماموں؟" واثق ہاشم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"تمہاری ماں شروع ہی سے ایسی ہے واثق! اچانک اس کے سر پہ خدانخواستہ غم کی خبر ہو یا خوشی کی بات پڑ جائے تو یہ ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتی ہے۔ بہت ننھا دل ہے اس کا۔ اماں کہا کرتی تھیں۔ میری بیٹی کا دل تو چڑیا جیسا ہے۔" ہاشم بہت پرانی بات یاد کرتے ہوئے بولے تو عاصمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"سچی بات تو یہ ہے عاصمہ باجی! کہ مجھے گٹھیا کے اس مرض نے کہیں کا بھی نہیں چھوڑا' یوں سمجھیں جیسے تیسے زندگی کی گاڑی کو کھینچ رہی ہوں۔ پہلے ہاشم کی صرف جاب تھی سعودی عرب میں تو ارادہ تھا' کبھی نہ کبھی یہاں آجائیں گے مگر اب تو ان کا اور دونوں بیٹوں کا بزنس اللہ کے فضل سے جم گیا ہے وہاں تو واپسی تو مشکل ہے اور گھر چلانے کے لیے تو ہمیں صرف آپ کی بیٹیوں کا خیال آیا کہ جس طرح کی سلجھی ہوئی' سمجھ دار آپ ہیں ویسی ہی اریبہ اور اریشہ ہوں گی۔ بس آپ ہمیں انہیں دے دیں۔ ہم سمجھیں گے آپ نے ہمارا مان رکھ لیا۔" صاعقہ کم گو عورت تھی پھر عمر بھر اپنی بیماری کے ہاتھوں عاجز رہی۔



اور آج وہ جس طرح عاجزی سے بات کر رہی تھی۔ عاصمہ کو لگا' اللہ نے اس کی عمر بھر کی ریاضتوں کا حساب یک مشت چکا دیا ہو' وہ بھابھی کے گلے لگ کر روتے ہوئے مسکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ لائبریری سے باہر نکل رہی تھی۔

پیلے رنگ کے کھلے ہوئے کاٹن کے سوٹ میں دوپٹہ اچھی طرح لپیٹے پسینے کے قطرے اس کی پیشانی پہ چمک رہے تھے جب بے دھیانی میں تیزی سے سیڑھیاں اترتے وہ اوپر آتے واثق سے ٹکرا گئی۔

دونوں کے ہاتھوں میں موجود کتابیں گر گئیں۔ واثق نے دونوں کتابیں اٹھالیں۔

وہ سیدھی ہو کر پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"پلیز' میری کتابیں واپس کریں۔" وہ اس کی نظروں کے ارتکاز سے گھبرا کر بولی۔

"آپ مان کیوں نہیں لیتیں کہ قدرت واقعی ہم دونوں کو بار بار ملانے سے یوں سر راہ ٹکرانے سے کوئی خاص بات بتانا چاہتی ہے۔" وہ شوخی سے بولا۔

"لگتا ہے' آپ کو وہ تھپڑ بھول گیا ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں جتا کر بولی۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"مجھے لگتا ہے' آپ بہت ہتھ چھٹ ہیں۔ یونہی ہر راہ چلتے کو تھپڑ جڑ دیتی ہیں۔" وہ بھی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"آپ نے کیا مجھے ایسی ویسی لڑکی سمجھ رکھا ہے۔"

"جو سمجھ رکھا ہے' وہ تو آپ مجھے سمجھنے نہیں دے رہیں اور میں آپ کو کیا سمجھوں گا۔" وہ معنی خیزی سے بولا۔

"پلیز میری کتاب واپس کریں۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"انٹرویو میں کامیاب ہونے کے سو گُر۔" وہ کتاب کا ٹائٹل پڑھنے لگا مثال چڑ کر اسے کہنے لگی۔

"ویسے ایک مشورہ دوں، آپ یہ کتاب واپس کر آئیں۔ اس کتاب میں بے کار قسم کے سوگر ہوں گے۔ میں آپ کو پریکٹیکلی ہزار ٹپس دے سکتا ہوں انٹرویو میں کامیاب ہونے کے لیے۔ آخر تجربہ بھی کوئی چیز ہے۔" وہ سینہ پھلا کر بولا۔

مثال نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کتاب جھپٹ لی اور جانے کے لیے مڑی۔

"تو آپ کو جاب کی تلاش ہے۔ کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں اس سلسلے میں؟" وہ پیچھے سے سنجیدگی سے بولا تو مثال ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

واثق نے آہستگی سے کارڈ نکال کر اس کے سامنے کیا۔

"اگر میری مدد کی ضرورت ہو تو اس نمبر پر کال کر لیجیے گا، جاب خود چل کر آپ کے پاس آجائے گی۔"

وہ کارڈ کتاب کے کونے میں رکھ کر تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔

مثال کچھ دیر یونہی کھڑی رہی، پھر کونے سے وہ کارڈ نکال کر پڑھنے لگی اور کچھ سوچتے ہوئے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی۔

اتنی گہری کہ وہ یہ بھی بھول گئی کہ وہ کس گھر میں سو رہی ہے، بشریٰ کے یا عدیل کے۔

اس کے چہرے پر کوئی سرسراہٹ ہو رہی تھی۔

اور پھر وہ سرسراہٹ اس کی گردن تک آگئی۔ اس کا دم جیسے گھٹنے لگا تھا۔

اس نے گہری نیند میں خود کو جیسے آزاد کرانے کے لیے ادھر ادھر سر مارا مگر اس کا وجود جیسے کسی شکنجے میں کستا چلا جا رہا تھا۔

وہ بے بس سی ہو گئی مگر نیند کا غلبہ اس مزاحمت میں کچھ کم ہو گیا۔ کوئی اسے کھینچ رہا تھا۔ گھسیٹ رہا تھا۔

اس نے ایک زوردار چیخ ماری۔

کسی نے اس کے منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر اس کی آواز بند کرنے کی کوشش کی اس کا دوپٹہ اس کے کپڑے۔

دوسرے لمحے ایک قیامت ٹوٹ پڑنے کا احساس تھا جو وہ چیختی چلی گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

قانتہ رابعہ

# لیلۃ القدر

اِدھر فلزہ آخری پیپر دے کر آئی اُدھر امی نے اپنی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا۔ ایک مہینہ ۔۔۔ سترہ دنوں کے امتحانات نے فلزہ کو اپنی سدھ بدھ بھلادی تھی نہ کھانے پینے کا ہوش نہ تھا نہ نیند کا ۔ اس لیے آج آخری پرچہ دے کر آئی تو بے سدھ ہو کر جو لیٹی تو آپا کی دو سالہ شہزادی خنساء کے شور پر آنکھ کھلی ۔۔۔ خوابوں کی دنیا سے حقیقی دنیا تک آنے میں فلزہ کو کئی منٹ لگے پھر اسے یاد آگیا وہ خوش ہوگئی۔

"شکر الحمد للہ آج پیپرز ختم ہوگئے ہیں۔"

باہر آئی تو بڑی آپا بھیا ثمرین بھابھی اور منصورہ خالہ کے چہرے نظر آئے۔ اسے بہت حیرت ہوئی۔ بڑی آپا اپنے گھر میں بہت مصروف رہتی تھیں اور مہینوں بعد ہی چکر لگا پاتی تھیں۔

"السلام علیکم ۔۔۔ آپ سب اکٹھے ہی آئے ہیں میرا مطلب ہے حسن اتفاق ہے یا باقاعدہ بلائی گئی ہیں؟" فلزہ نے خالہ سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

"آپا نے بلایا تھا۔" منصورہ خالہ ذو معنی لہجے میں بولیں۔

"مجلس شوریٰ" کا اجلاس تھا۔ مجلس شوریٰ کی اصطلاح ان کے تمام گھرانوں میں عام تھی جب کوئی خاص مسئلہ ہوتا تو خاندان کے چیدہ افراد کو بلایا جاتا اور باہمی مشاورت سے مسئلہ حل کرلیا جاتا حیرانی اسے مجلس شوریٰ کے اجلاس پر نہیں ایجنڈے پر تھی۔

"ایجنڈہ کیا تھا؟" فلزہ نے دلچسپی سے پوچھا۔ اس وقت اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ ایجنڈہ بذات خود فلزہ ہوگی۔

"بی بنو اتنی معصوم نہ بنو تمہاری شادی اور رخصتی کی پلاننگ ہی ایجنڈہ تھی۔" اب کے بھابھی نے بھی گفتگو میں لقمہ دیا۔

"میں؟ میری شادی؟" حیرانی سے اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ پیپرز کے دوران اڑتی اڑتی سی خبر سنی تھی کہ جو لوگ اسے دیکھنے آئے تھے ادھر سے گرین سگنل مل گیا ہے۔

"ہائے مجھے نہیں ابھی شادی کرنی۔" فلزہ پریشانی سے بولی۔

امی قریب سے گزریں تو اسے اپنے کمرے میں آنے کا اشارہ کیا۔ فلزہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ امی کے کمرہ میں داخل ہوئی۔

"جی امی ۔۔۔" وہ امی کے بیڈ کے پاس کھڑی ہوئی۔

"بیٹھو ۔۔۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔ کچھ تو تمہیں پتا چل ہی گیا ہے فرحان کے جس دوست کے بھائی کا رشتہ آیا تھا انہوں نے تمہارے پیپرز کے شروع میں ہاں کردی تھی۔ میں نے سوچا کہ تمہیں امتحانات کے دوران بتایا تو تم ذہنی طور پر پریشان ہو جاؤ گی اس لیے میں انتظار میں رہی کہ تم فارغ ہو جاؤ۔ آج منصورہ اور صائمہ وغیرہ کو اسی سلسلہ میں مشورہ کے لیے بلایا تھا۔ ہم سب نے یہی سوچا ہے کہ اگلے مہینہ کی کسی تاریخ کو تمہارے نکاح کی تاریخ رکھ دی جائے۔"

فلزہ کا سانس رُک گیا۔ امی شروع سے ہی ایسی

اشتیاق یزدانی' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کردیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت' تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر' تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا' عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کردیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر' ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کردیتا۔ تیمور' ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کہ وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق آدھی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور' فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

## — ۱۲ —
## بارہویں قسط

کراچی ریلوے اسٹیشن پہ بے حد رش تھا۔
طرح طرح کی آوازیں اور طرح طرح کی بولیاں سنائی دے رہی تھیں۔
لیکن اس بہت زیادہ رش اور افراتفری کے باوجود عافیہ بیگم پچیس سال پیچھے چلی گئی تھیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے پچیس سال پہلے کا وہ کرب ناک منظر تازہ ہو گیا تھا جب بی گل نے گھٹ گھٹ کے روتی عافیہ بیگم کو بڑی مشکلوں سے سہارا دے کر ٹرین میں سوار کیا تھا اور عافیہ بیگم کراچی شہر کی سرزمین سے جدا ہوتے ہوئے تڑپ گئی تھیں۔ اور وہ یونہی روتے ہوئے ٹرین کی چھک چھک کی آواز کے ساتھ اس شہر سے چلی گئی تھیں اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس شہر سے دور ہوتی گئیں۔
اور آج ایک طویل عرصے بعد عافیہ بیگم کراچی شہر کی سرزمین پہ پاؤں ٹکاتے ہوئے حوصلہ مجتمع نہیں کر پا رہی تھی۔
"بہن جی...! راستہ دیجئے۔" ٹرین کے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی عافیہ بیگم کو ایک آدمی نے متوجہ کیا تھا۔ وہ چونک کر ایک طرف ہو گئیں۔
"امی پلیز... کب تک کھڑی رہیں گی۔ لوگ ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔ پلیز نیچے آیئے۔" ماورا نے ذرا خفگی سے کہتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑا۔ انہوں نے آہستگی سے گردن موڑ کر بی گل کی سمت دیکھا۔ اس وقت بی گل کے علاوہ کوئی ان کے جذبات نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان کی سگی بیٹی بھی نہیں۔
اسی لیے بی گل نے اس بار بھی ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں اسی پرانے مضبوط سہارے کا سا احساس دلایا تو اور عافیہ بیگم قدرے سنبھل گئیں۔



"امی...!" ان کا دوسرا مضبوط سہارا ابھی ان کے ساتھ ہی تھا جب ہی انہوں نے اپنی آنکھوں کے نم گوشے پونچھتے ہوئے اپنے پاؤں ٹرین سے نیچے اتارے۔
"وصی مرتضیٰ...!" ان کے دل سے اک ہوک سی اٹھی تھی اور یوں لگا جیسے پورے شہر میں پھیل گئی ہو۔
"ماورا...!" اک بہت ہی پرجوش سی پکار تھی' جو اتنے زیادہ شور کو چیرتی ہوئی ان تک پہنچی تھی۔ ان تینوں نے بیک وقت چونک کر اس جانب دیکھا۔
فارہ اور آفاق اتنے ہجوم میں رستہ بناتے ہوئے ان ہی کی طرف آرہے تھے۔
"ماورا...!" فارہ قریب آتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ ماورا نے بھی اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔
"کیسی ہو...؟" ماورا نے بہت اپنائیت سے پوچھا اور فارہ کا چہرہ کھل اٹھا۔
"میں جیسی بھی تھی' مگر اب بالکل ٹھیک ہوں اور بہت خوش بھی ہوں کیوں کہ تم یہاں آگئی ہو' آج تمہارا نہیں' میرا خواب پورا ہو گیا ہے۔" فارہ چہکتے ہوئے بولی۔
"سیم ہیئر ڈیئر...! میری فیلنگز بھی کچھ ایسی ہی ہیں۔ اینی وے... السلام علیکم آفاق بھائی...!" ماورا ذرا ہٹ کے کھڑے آفاق کی طرف متوجہ ہوئی۔
"وعلیکم السلام... کیسی ہیں آپ؟" آفاق بھی فارہ کی خوشی میں خوش تھا۔
"السلام علیکم آنٹی...! السلام علیکم بی گل...! کیسے ہیں آپ لوگ۔ سفر کیسا رہا؟" فارہ عافیہ بیگم کے مزاج کے پیش نظر ذرا جھجکتے ہوئے ہی ان سے مخاطب ہوئی تھی۔
"وعلیکم السلام...!" عافیہ بیگم مختصر سا جواب دے کر چپ ہو گئیں۔
"وعلیکم السلام... جیتی رہو' خوش رہو' اللہ سدا سہاگن رکھے...! ہم بھی اللہ کے فضل سے ٹھیک ٹھاک ہیں اور سفر بھی الحمدللہ بہت اچھا گزرا ہے۔" دعا سلام کی باقی کسر بی گل نے پوری کردی تھی اور فارہ سر جھکا کے رہ گئی۔
"لائیے آنٹی...! سامان مجھے دیجئے' میں گاڑی میں رکھواتا ہوں' آپ لوگ چلیے گاڑی میں بیٹھئے۔" آفاق نے آگے بڑھ کر عافیہ بیگم کے ہاتھ میں پکڑا بیگ تھاما۔
"آیئے بی گل...!" فارہ انہیں ساتھ لے کر ریلوے اسٹیشن کے خارجی دروازے کی طرف بڑھی۔ ان کا باقی سامان آفاق نے ڈرائیور اور قلی سے گاڑی میں رکھوایا۔
فارہ انہیں اپنے ساتھ لے کر پہلے آگئی تھی اور آفاق ان کے پیچھے ان کا سامان دوسری گاڑی میں لے کر آیا تھا۔
فلیٹ کی چابی فارہ کے پاس تھی۔
فلیٹ کے اندر قدم رکھتے ہی بی گل اور عافیہ بیگم کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

انتہائی وسیع و عریض اور لگژری فلیٹ ماورا مرتضیٰ کی توقع کے عین مطابق تھا۔ البتہ بی گل اور عافیہ بیگم کی توقعات سے بہت بڑھ کے تھا' جس کی وجہ سے عافیہ بیگم کے دل میں اعتراض کا ابال اٹھا تھا' مگر وقتی طور پر اس ابال کو دل میں ہی دبا گئی تھیں۔ کیوں کہ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا' اب اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اعتراض کرنے اور نکتے اٹھانے سے کیا حاصل تھا۔ سو انہوں نے خاموشی بہتر جانی۔
"ٹھیک ہے فارہ...! میں چلتا ہوں' تم ڈرائیور کے ساتھ آجانا۔" آفاق دس پندرہ منٹ بیٹھنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا کیونکہ اسے پتا تھا کہ وہ دونوں سہیلیاں بہت عرصے بعد ملی ہیں اس لیے ان کی باتوں کو ابھی کچھ وقت لگے گا۔

"او کے تھینک یو۔۔۔ میں آجاؤں گی۔" فارہ حقیقتاً" آفاق کے اتنا ٹائم دینے پہ اندر سے بہت خوش ہوئی تھی۔
"تھینک یو آفاق صاحب۔۔۔! آپ نے ہمارے لیے اتنا ٹائم نکالا' اتنی مدد کی خوشی ہوئی کہ آپ اپنی بیوی کی فرینڈ کا اتنا خیال کرسکتے ہیں تو آپ اپنی بیوی کا بھی اسی طرح خیال رکھتے ہوں گے۔"
ماورا اسے دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئی تھی اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے کرید بھی گئی تھی۔ آفاق جاتے جاتے ٹھہر گیا تھا۔
"ابھی تو مجھے اس کا خیال رکھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ ہروقت اسی کے خیال میں رہتا ہوں۔" آفاق کے لہجے میں محبت تھی۔
"اچھا۔۔۔ تو وقت کب ملے گا؟" وہ آفاق کا چہرہ کھوج رہی تھی۔
"وقت ملا تو بتاؤں گا آپ کو۔۔۔ فی الحال اجازت چاہتا ہوں۔" آفاق آہستگی سے مسکرایا اور ماورا خدا حافظ کہہ کر اسے رخصت کرکے اندر آگئی۔
تھوڑی دیر بعد ان لوگوں نے مل کر کھانا کھایا تھا اور کھانے کے آخری مرحلے پہ ماورا نے عافیہ بیگم کے کلیجے پہ ہاتھ ڈال دیا۔
"میں قبرستان جارہی ہوں۔۔۔ بابا کی قبر پہ۔۔۔" وہ پانی کا گلاس ٹیبل پہ رکھتے ہوئے بولی بڑے اطمینان سے لیکن عافیہ بیگم کے حلق میں پانی اٹک گیا۔ بی گل نے بھی بری طرح چونک کر اس سمت دیکھا تھا۔ وہ کرسی دھکیل کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوچکی تھی۔
"ماورا۔۔۔!" بی گل کے ہونٹ کپکپائے تھے۔
"بی گل۔۔۔! میں اس شہر میں پہلی بار آئی ہوں اور اپنے بابا سے بھی پہلی بار ہی ملوں گی۔۔۔ مجھے ان سے ملے بغیر رات کو نیند نہیں آئے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ میں فارہ کے ساتھ ہی چلی جاؤں۔ بعد میں کس کے ساتھ جاؤں گی۔۔۔؟" اس کی لاپروائی اور اطمینان ہنوز تھا۔
"لیکن تمہیں قبر کا کیسے پتا؟"
"میرے پاس آپ کی ڈائری محفوظ ہے' ساری معلومات مل جائیں گی۔" وہ سکون سے کہتی پلٹ گئی۔
"لیکن ماورا۔۔۔!" عافیہ بیگم کے آنسو چھلک پڑے۔۔۔ وہ ٹھہر گئی۔
"امی۔۔۔! مجھے جانے دیں پلیز۔۔۔ میرا نہیں تو ان کا ہی کچھ خیال کرلیں۔ اتنے سال بیت گئے ہیں کوئی ان کی قبر پر نہیں گیا ہوگا۔ اور اب آپ۔۔۔ آپ مجھے بھی روک رہی ہیں۔ پلیز۔۔۔! ایسا مت کریں۔۔۔ مجھے جانے دیں۔ کل میں آپ کو اور بی گل کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔"
ماورا کا لہجہ روہانسا سا ہوگیا تھا اور فارہ کے ساتھ ساتھ بی گل اور عافیہ بیگم نے بھی اسے اس روپ اور اس کیفیت میں پہلی بار دیکھا تھا' ورنہ انہوں نے آج تک اس کی آنکھ نم نہیں دیکھی تھی اور نہ ہی اس کی آواز بھی بھیگی ہوئی محسوس کی تھی۔
شاید یہی وجہ تھی کہ عافیہ بیگم نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور ماورا ان کی تسلی کے لیے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر فارہ کے ساتھ فلیٹ سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

کراچی کی سڑکوں پہ بھاگتی دوڑتی گاڑی اور پیچھے کی طرف رواں مناظر ماورا مرتضیٰ کے لیے بے شک نئے تھے' لیکن اجنبی پھر بھی نہیں تھے۔



یہ سڑکیں' یہ گاڑیاں' یہاں کے لوگ اور یہاں کی طرز زندگی سب کچھ اسے بہت جانا پہچانا اور اپنا اپنا سا لگ رہا تھا اور اک عجیب سا سکون تھا جو اس کی رگ و پے میں اترتا محسوس ہورہا تھا' یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی ادھوری زندگی آج مکمل ہوگئی ہو۔
آج وہ پرائے شہر سے اپنے شہر میں آبسی تھی' آج اس کا اعتماد اور زیادہ بڑھ گیا تھا اور اس کے ارادے اور بھی پختہ ہوگئے تھے۔ کیوں کہ آج وہ اپنی منزل کے راستے پہ پہلا قدم رکھ چکی تھی۔
"کیسا فیل کررہی ہو۔۔۔؟" ماورا کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی' جب فارہ کے سوال پہ اسے فارہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔
"آج میری کچھ ایسی فیلنگز ہیں جنہیں میں شاید کبھی بھی لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی۔" ماورا کی کیفیت آج واقعی بہت عجیب سی ہورہی تھی اور آج واقعی اس سے کچھ بولا نہیں جارہا تھا۔
"ہوں۔۔۔! آئی کین انڈر اسٹینڈ۔۔۔!" فارہ نے آہستگی سے سر ہلایا۔
"تیمور بھائی کا کوئی فون وغیرہ آیا تمہارے پاس۔۔۔؟" فارہ نے موضوع بدلا۔
"نہیں۔۔۔!" اس کا ایک لفظی جواب اس کے موڈ کی عکاسی کررہا تھا۔
"تو کیا تم نے بھی نہیں بتایا کہ تم کراچی پہنچ گئی ہو؟" فارہ جان بوجھ کر اس موضوع پہ بات کرنا چاہتی تھی۔
"تم جو کچھ پوچھنا چاہتی ہو' سیدھے طریقے سے پوچھ لو تو زیادہ بہتر رہے گا۔ اس طرح پہیلیاں بجھوانے کی اور بات کو گھمانے پھرانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔؟" ماورا بہت نپے تلے سے لہجے میں بولی تھی کیوں کہ وہ فارہ کی بات کا مقصد سمجھ چکی تھی۔
"نہیں' ایسی بات نہیں۔ بس بات کرنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کررہی ہوں جو کہ مجھے مل ہی نہیں رہے۔" فارہ بھی لائن پہ آہی گئی تھی۔
"میں سوچتی ہوں لوگ پتا نہیں کیوں مناسب وقت اور مناسب الفاظ کی تلاش میں رہتے ہیں؟ جو وقت ان کے پاس موجود ہوتا ہے اور جو الفاظ انہیں میسر ہوتے ہیں وہ انہیں مناسب کیوں نہیں بناتے۔" ماورا تلخ ہوئی تھی۔
"تم اس چیز کو نہیں سمجھ سکتیں کیوں کہ تم اپنا ایک الگ مزاج اور الگ نظریہ رکھتی ہو جبکہ ہم اس دنیا میں رہ کر اس دنیا کے ساتھ چلنے والے لوگ ہیں' ہمیں مناسب اور غیر مناسب کا فرق دیکھنا ہی پڑتا ہے۔" فارہ نے اپنی سوچ بیان کی۔
"پھر بھی مجھ سے زیادہ آپ لوگ پریشان رہتے ہو۔ مناسب اور غیر مناسب کا فرق دیکھنے کے باوجود بھی۔۔۔" اس نے طنز کیا۔
"بس یہی تو زندگی ہے۔" فارہ نے کندھے اچکائے۔
لیکن میری نظر میں یہ زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔ انسان کو اپنی ذات اور اپنی سوچ کے ساتھ چلنا چاہیے۔ دنیا تو دودھاری تلوار ہے۔ نجانے کب کس طرف سے وار کرجائے' دنیا کو رنگ بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنی ذات کا رنگ اپناؤ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا تمہاری پہچان بن کر۔۔۔"
ماورا کا فلسفہ اور دلیلیں ہمیشہ ہی ایسی ہوتی تھیں کہ فارہ کو چپ ہونا ہی پڑتا تھا یا پھر یہ کہنا بھی ٹھیک رہے گا کہ فارہ کو قائل ہونا ہی پڑتا تھا۔
"خیر چھوڑو۔۔۔! تم اپنی بات مکمل کرو۔۔۔" ماورا نے بات کرنے کے لیے اس کا حوصلہ بڑھایا اور فارہ اپنے آپ کو کمپوز کرنے لگی۔
"میں تیمور بھائی کے متعلق بات کرنا چاہ رہی تھی۔" اس نے الفاظ مناسب کرہی لیے تھے۔

"ہوں... اکرو بات... سن رہی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے متوجہ ہوئی۔

"تمہیں پتا تو ہو گا کہ تیمور بھائی تمہارے لیے کیا فیلنگز رکھتے ہیں اور یہ سب وہ کیوں کر رہے ہیں؟"

فارہ پہلے ہی سب کچھ واضح کر دینا چاہتی تھی کیوں کہ اسے ماورا کے مزاج کا بخوبی علم تھا' اسی لیے اس کے ذہن میں کھٹکا سا تھا کہ ماورا تیمور حیدر کے لیے وہ جذبات ہرگز نہیں رکھتی جو وہ اس کے لیے رکھ رہا ہے۔

"ہاں...!" پتا ہے کہ وہ کیا فیلنگز رکھتا ہے اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔" اس نے ڈنکے کی چوٹ پہ اعتراف کیا تھا۔

"پھر...؟" فارہ تذبذب کا شکار ہونے لگی۔

"پھر کیا... جو کہنا ہے' کھل کے کہو۔" ماورا بہت پرسکون تھی۔

"پھر یہ کہ تمہاری کیا فیلنگز ہیں ان کی فیلنگز کے متعلق؟" اس نے پوچھ ہی ڈالا تھا۔

"سچ سننا چاہتی ہو؟" ماورا کا لہجہ دوٹوک اور بے دھڑک تھا۔

"ظاہر ہے... جھوٹ سننے کا خواہش مند تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔" فارہ نے کندھے اچکائے۔

"ہوتے ہیں تیمور حیدر جیسے کچھ لوگ... وقتی خوشی کے لیے جھوٹ سننے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔" ماورا نے تلخی سے سر جھکا۔

"کیا مطلب...؟" وہ ہر سوال اور ہر جواب کے بعد الجھتی ہی جا رہی تھی۔

"فارہ...! تیمور حیدر مجھ میں انٹرسٹڈ ہے لیکن میرا سچ یہ ہے کہ میں تیمور حیدر میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہوں۔" ماورا نے اپنے ازلی' دوٹوک انداز میں جواب دے کر فارہ کو تڑپا دیا تھا۔

"کیوں... تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟" فارہ کی تڑپ اس کے لہجے سے ہی محسوس ہو رہی تھی۔

"کیوں کہ مجھے معلوم ہے۔ میرے اندر کبھی بھی تیمور حیدر کے لیے کوئی جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔" اس کا لہجہ اور انداز ہنوز تھے' دوٹوک' مضبوط اور بے لچک...

"دیکھو ماورا...! تم بہت ہوشیار سہی' لیکن تھوڑی بہت عقل تو اللہ نے ہمیں بھی دے ہی رکھی ہے اور ہماری عقل اور ہمارا مشاہدہ تو یہی کہتا ہے کہ کبھی بھی کسی چیز کا اور کسی بات کا دعوا عمر بھر کے لیے نہیں کرنا چاہیے' تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تمہارے اندر کبھی بھی تیمور بھائی کے لیے کوئی جذبات پیدا نہیں ہو سکتے؟ زندگی میں انسان پتا نہیں کیا کیا دعوے کرتا ہے' لیکن جب اللہ انہیں پورا نہیں کرنا چاہتا تو سب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں... تم کہاں تھیں... فیصل آباد میں اور تیمور بھائی کہاں تھے۔ کراچی میں... کیسے تم لوگوں کی ملاقات ہوئی... کیسے رابطہ بڑھا اور تم آج اسی تیمور حیدر کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچی ہو۔ اگر سوچو تو یہ سب بھی تو اللہ کی ہی کرم نوازیاں ہیں نا؟ ورنہ تم وہی لڑکی ہو جس نے آج تک کسی لڑکے سے بات تک نہیں کی' کسی سے مراسم نہیں رکھے' کسی کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا' لیکن تیمور حیدر کو نمبر بھی دے دیا' بات بھی کر لی اور مراسم بھی بڑھا لیے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ سب کچھ بدل جاتا ہے' جذبات پیدا ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اس کی مثال بھی ہمارے سامنے ہی ہے۔ تیمور بھائی کو آج تک لڑکیوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں رہا' لیکن جب انٹرسٹ ہوا ہے تو اپنی زندگی کے ہر مقام' ہر معیار اور ہر اصول کو ہی بھول گئے ہیں' لگتا ہی نہیں کہ وہ وہی تیمور حیدر ہیں' جو اپنے کام سے کام رکھتے تھے' جن کے لیے ان کا بزنس ہی سب کچھ تھا اور آج..."

فارہ کہتے کہتے چپ ہو گئی تھی۔ اور چپ تو ماورا بھی تھی' لیکن اس کی چپ کے پیچھے بہت سے جواب مچل رہے تھے' جن کو وہ بڑی مشکل سے قابو کیے ہوئے تھی۔

"اس لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ اپنے پہلو میں دھڑکتے پتھر کو ذرا نرم رکھو' تاکہ اس کے چاہنے والوں کو اس کے ساتھ ٹکرا ٹکرا کر سر نہ پھوڑنا پڑے۔" آج فارہ اسے مشورہ دے رہی تھی۔



"فارہ...! مجھے افسوس ہے کہ میں تیمور حیدر کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتی۔" ماورا کے اس قدر بے مہر جواب پہ فارہ ایک بار پھر تڑپی تھی اور اس نے چونک کر ماورا کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

"میری تیمور حیدر سے ملاقات ہوئی' یہ ایک اتفاق تھا۔ میری اس سے بات ہوئی' وجہ تم تھیں' کیوں کہ وہ تمہارا کزن تھا۔ رابطہ کیوں بڑھا... اس کے پیچھے میری ایک سوچ تھی اس نے مراسم بڑھائے' اور میں نے اپنا مقصد بڑھا لیا' اس نے میرے قریب رہنے کے لیے مجھے جاب آفر کی' میں نے اس سے دور رہنے کے لیے سرسری سا انکار کر دیا' اس نے مجھے فورس کیا' میں مان گئی' وہ مجھے یہاں دیکھنا چاہتا تھا' میں آگئی' وہ مجھے نہیں جانتا' لیکن تم تو مجھے جانتی ہو نا...؟ اور جب تم مجھے جانتی ہی ہو تو یہ بات تمہاری عقل میں کیوں نہیں آ رہی کہ تمہاری دوست ماورا مرتضیٰ جو کبھی کسی کے ساتھ فری نہیں ہوئی' جس نے کبھی کسی کے ساتھ بات تک نہیں کی' جس نے کبھی کسی کو نمبر نہیں دیا' جس نے کبھی کسی کے ساتھ مراسم نہیں بڑھائے اور جو کبھی اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹی' وہ اگر ایسا کر رہی ہے تو کیوں کر رہی ہے؟ محبت میں کر رہی ہے یا اپنے مفاد میں کر رہی ہے؟"

ماورا کہتے کہتے حد سے زیادہ تلخ ہو گئی تھی جبکہ فارہ اس کی بات کے آخری جملے پہ گنگ سی رہ گئی تھی۔

"ہونہہ...! تمہیں تیمور حیدر کی محبت تو نظر آ گئی' لیکن میرا مفاد نظر نہیں آیا۔" ماورا نے سر جھٹکا۔

"بی گل کہتی ہیں کہ جب ایک انسان کے ذہن میں محبت سما جاتی ہے یا مفاد سما جاتا ہے تو وہ کچھ بھی کر گزرتا ہے اور یہ بات جب میں نے تیمور حیدر اور ماورا مرتضیٰ کو سامنے رکھ کے سوچی ہے تو مجھے سو فیصد سچ لگی ہے' میں واقعی تیمور حیدر کے اصرار یا اس کی محبت سے مجبور ہو کر یہاں نہیں آئی' میں اپنے مقصد' اپنے مطلب اور اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر یہاں آئی ہوں۔"

ماورا نے کوئی بھی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف صاف کہہ دیا تھا جس کو سمجھنا فارہ کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا' وہ الجھی ہوئی اور ناسمجھ سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی' اسے آج اپنے سامنے وہی ماورا نظر آ رہی تھی' ضدی' اٹل اور پتھریلی چٹان سی مضبوط...!

"مفاد... کیسا مفاد ماورا...؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا...؟" فارہ کا سوال بھی الجھا ہوا سا تھا۔

"تیمور حیدر بہت اچھا آدمی ہے' صاف سادہ اور سچا کھرا' کردار بھی مضبوط ہے اور پرسنالٹی بھی ایک آئیڈیل پرسنالٹی ہے۔ ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے کوئی بھی لڑکی اس پہ بڑی آسانی سے فدا ہو سکتی ہے' کیوں کہ وہ ہے ہی ایسا... لیکن معذرت کے ساتھ کہ وہ لڑکی ماورا مرتضیٰ نہیں ہو سکتی۔" اس نے بہت آہستگی اور بہت تحمل سے کہتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"لیکن ماورا...!" فارہ ہکا بکا سی ہو چکی تھی اسی لیے اس کے کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور وہ کیا سن رہی ہے؟

"دیکھو فارہ...! میں نے کہا نا' تیمور حیدر بہت اچھا آدمی ہے' میں اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے اسے سیڑھی نہیں بنانا چاہتی تھی' میں اپنے بل بوتے پہ سب کچھ کرنا... چاہتی تھی' اپنے پیروں پہ خود کھڑا ہونا چاہتی تھی' مگر میرے لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی وہ باز نہیں آیا' وہ پیچھے نہیں ہٹا' وہ خود میرے لیے سیڑھی بن گیا۔ یہ صحیح ہے کہ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا' آسانیاں کس کو اچھی نہیں لگتیں سو میرا اور اس کا ساتھ جڑ گیا ہے اس سفر میں... البتہ سفر ختم ہونے کے بعد اور منزل تک پہنچنے کے بعد اس سیڑھی' اس پاؤں اور اس منزل کا کیا انجام ہو گا' یہ تو اب وقت آنے پہ ہی پتا چلے گا۔ ہاں تم چاہو تو اس سیڑھی کو کھینچ بھی سکتی ہو۔" ماورا کی مبہم سی باتیں فارہ کو پاگل

کیے دے رہی تھیں۔

"میں۔۔۔؟" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں تم۔۔۔! کیوں کہ تمہارا اور اس سیڑھی کا تعلق بھی تو بہت گہرا ہے۔۔۔"

"ماورا پلیز۔۔۔! خدا کے لیے۔۔۔ مجھے صاف صاف بتاؤ۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ اصل وجہ کیا ہے اس قصے کی؟" فارہ بے چاری جھنجلائی۔

"بتا دوں۔۔۔؟" اس نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔۔۔!" اس نے فوراً اثبات میں جواب دیا۔

"چلو آؤ۔۔۔ بتاتی ہوں تمہیں اور دیکھتی ہوں کہ تمہارا تعلق کس کے ساتھ زیادہ گہرا ہے؟ سیڑھی کے ساتھ؟ یاؤں کے ساتھ؟ یا منزل کے ساتھ۔۔۔؟ اور ہاں یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ سب میں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ میں تمہیں اپنی بہت اچھی اور بہت گہری دوست سمجھتی ہوں اور دوستی میں میں اپنی دوست کو دھوکا نہیں دینا چاہتی اور نہ ہی آئندہ کبھی دوں گی۔"

ماورا انتہائی سخت لہجے میں کہتی ہوئی فارہ کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے اتر آئی تھی کیوں کہ ڈرائیور قبرستان کے باہر گاڑی پارک کر چکا تھا۔

اور ماورا قبرستان کے پہرے دار سے کچھ بات چیت ۔۔۔ کرنے کے بعد اور تھوڑی بہت انفارمیشن لینے کے بعد فارہ کو ساتھ لیے اندر آ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے بہت دنوں سے اپنے لیے بوتیک پہ کچھ شرٹس اور کچھ کرتوں کا آرڈر دے رکھا تھا۔ اور آج وہ آرڈر تیار ہو چکا تھا اسی لیے وہ ڈزائنر کی کال پہ یونیورسٹی سے فری ہوتے ہی بوتیک چلی آئی تھی۔ وہ اپنے تمام ڈریسز ٹرائی کر کے دیکھ ہی رہی تھی جب اچانک ایک لڑکی کے ساتھ مونس مرزا بوتیک کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

اور جہاں وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی' وہیں وہ بھی اسے دیکھ کر چونک گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے مخاطب کرنے کی کوشش کرتا' عزت فوراً "رخ موڑ کر ڈزائنر کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"یہ سارے پیک کر دیں۔۔۔ مجھے ذرا جلدی ہے۔" اس نے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا تھا اور اپنے بیگ سے بل نکال کر ادائیگی کرنے لگی۔

"ایکسکیوزمی مس عزت۔۔۔!" وہ بیگ لے کر بوتیک سے نکلی ہی تھی کہ مونس مرزا بھی اس کے پیچھے لپکا۔

"سوری۔۔۔! میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔۔۔ مجھے جلدی ہے۔" وہ رکی نہیں تھی۔

"یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں' میرے پاس بھی زیادہ ٹائم نہیں ہے۔ مجھے بھی جلدی ہے۔" وہ کہتے ہوئے یک دم اس کے سامنے ۔۔۔ آ گیا تھا اور عزت کو ایک دم رک جانا پڑا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"مطلب کہ میں اپنے پیرنٹس کو آپ کے گھر بھیج رہا ہوں۔" مونس مرزا نے مارکیٹ میں کھڑے کھڑے اس کے سر پہ بم پھوڑ دیا تھا۔ وہ اچھل کے رہ گئی تھی۔

"کیا۔۔۔؟" عزت کی آواز خاصی بلند تھی۔

"یس۔۔۔! ان فیکٹ میں کسی بھی معاملے کو یا کسی بھی سلسلے کو زیادہ طول دینے والا آدمی نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں ہر کام بس منٹوں میں ہو جائے اور اس معاملے میں تو مجھ سے ویسے ہی صبر نہیں ہو رہا۔" وہ ہمیشہ کی طرح آخر



میں ذو معنی بات کہہ گیا تھا۔

"دیکھیے مسٹر مونس مرزا۔۔۔! معاملے کو طول دینے کی عادت تو مجھے بھی نہیں ہے' اس لیے آپ کو پہلے سے ہی سمجھا رہی ہوں کہ اپنے پیرنٹس کو میرے گھر بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' ورنہ ان کو جو جواب میں دوں گی' وہ آپ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔"

عزت نے اسے اپنے ازلی منہ پھٹ طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"کیوں۔۔۔ جواب کیوں دیں گی آپ؟ کوئی خاص ریزن؟" اس نے عزت کو سرتاپا بڑے غور سے دیکھا اور کھوجنا چاہا تھا۔

"یہی سمجھ لیں۔۔۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ہوں۔۔۔ لیکن میں ریزن ختم کرنا بھی جانتا ہوں۔" مونس مرزا نے دھمکی دینے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور عزت کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔

"جسٹ اسٹاپ اٹ۔۔۔! میں اس طرح کی بکواس سننے کی عادی نہیں ہوں بہتر ہے آپ اپنی لمٹ میں ہی رہیں اور آئندہ میرے بارے میں سوچیں بھی مت۔۔۔ کیوں کہ میں آل ریڈی کسی اور کے بارے میں سوچتی ہوں۔۔۔ مجھے آپ۔۔۔؟" وہ غصے سے ۔ پاؤں پٹخ کر کہتی وہاں سے ہوا ہو گئی تھی اور مونس مرزا وہیں کھڑا اس کی پشت گھورتا رہ گیا تھا۔

"کون تھی یہ لڑکی؟" مونس مرزا کی گرل فرینڈ بوتیک سے نکل کر اس کے قریب آ گئی۔

"عزت حیدر۔۔۔!" مونس مرزا نے اپنی سوچ کی گہرائی سے واپس آتے ہوئے بتایا۔

"اوہ۔۔۔! تو یہ ہے تمہاری عزت حیدر۔۔۔؟" اس کی گرل فرینڈ اس کا غائبانہ تعارف سن چکی تھی۔

"ہاں۔۔۔! یہ ہے میری عزت حیدر۔۔۔ میرے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا اور پلٹ کر اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ شاپنگ مال کی سیڑھیاں چڑھ گیا تھا' لیکن دھیان ابھی بھی عزت کی طرف ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

"ماورا۔۔۔!" فارہ کے ہونٹ کپکپائے تھے۔

"تمہارا جو بھی فیصلہ ہو مجھے بتا دینا۔۔۔ میں تمہاری دوستی کو کسی آزمائش کے ترازو میں نہیں تولنا چاہتی۔ باقی جو ہو گا۔ دیکھا جائے گا کیوں کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے میں ہمت نہیں ہاروں گی۔"

قبرستان سے واپسی پہ ماورا اپنا فیصلہ اسے سناتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر گئی تھی اور فارہ اس کے پیچھے کچھ کہنے کی ہمت کرتی رہ گئی۔

جبکہ ماورا اس کی آنکھوں کے سامنے ہی مضبوط اور متوازن قدم اٹھاتی بلڈنگ کے اندرونی حصے کی طرف غائب ہو گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد ڈرائیور نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی تھی اور پھر گھر آ کر ہی بریک لگائے تھے۔

"بی بی جی۔۔۔ ہم گھر آ گئے ہیں۔" ڈرائیور نے اسے ذہنی طور پہ غیر حاضر دیکھ کر خود ہی دروازہ کھولتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔

"ہوں۔۔۔" وہ الجھی ہوئی سی گاڑی سے اتر آئی تھی۔

"ارے فارہ۔۔۔ آ گئی ہو بیٹا۔ ملاقات ہو گئی اپنی فرینڈ سے۔" ثمینہ یزدانی کہیں جانے کے لیے گھر سے نکل رہی تھیں۔ فارہ کو دیکھ کر وہیں گاڑی کے پاس ہی رک گئیں۔

"جی۔۔۔ ہو گئی ملاقات۔" وہ آہستگی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ ثمینہ یزدانی اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر

ٹھٹک گئیں کیونکہ صبح گھر سے جاتے ہوئے تو وہ بے حد خوش تھی۔

"اسے کیا ہوا ہے غفور؟" انہوں نے اپنے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"مجھے کچھ خاص پتا تو نہیں ہے بیگم صاحبہ۔ بس اتنا علم ہے کہ بی بی جی اپنی دوست کے ساتھ قبرستان گئی تھیں' ان کے والد صاحب کی قبر پہ۔" ڈرائیور بے چارے کو جتنا علم تھا اس نے بتا دیا تھا اور ثمینہ یزدانی سر ہلا کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

آفاق ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ جب اس کی نظر تیسری مرتبہ بھی فارہ کی سمت اٹھی تو اسے تیسری مرتبہ بھی ایک ہی پوزیشن میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گم صم سے انداز میں بیٹھے ہوئے دیکھا اب کی بار وہ رہ نہیں سکا تھا اور اپنی آستین کے بٹن بند کرتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ کے اس کے قریب آگیا تھا اور اپنی پینٹ کو گھٹنوں سے پکڑ کے ذرا سا اوپر کھینچتے ہوئے اس کے پاس بیڈ پہ بیٹھ گیا۔

"ہیلو۔" اس نے فارہ کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ وہ ابھی ابھی سو کر اٹھی تھی۔ ابھی بستر پہ ہی تھی مگر سوچوں کا گھوڑا نہ جانے کہاں سے کہاں دوڑ رہا تھا۔

"ہوں۔؟" وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

"کیا بات ہے۔ تم جب سے ماورا سے مل کر آئی ہو بہت چپ چپ اور گم صم سی ہو؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟ اگر کوئی مسئلہ ہے' کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے شیئر بھی کر سکتی ہو۔" آفاق اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کے نرم سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اور فارہ اس کے ایسے استفسار پہ بے ساختہ سر جھٹک کر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"نہیں۔ ایسی پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے' سب ٹھیک ہے' ان فیکٹ کل ہم لوگ ماورا کے بابا کی قبر پہ چلے گئے تھے۔ ماورا بہت اداس تھی اور رو بھی رہی تھی۔ اس لیے میں بھی اس کے دکھ پہ بہت دکھی ہو گئی تھی۔

کیونکہ میں نے زندگی میں پہلی بار ماورا کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ ورنہ وہ ایسی اسٹرانگ لڑکی ہے کہ چھوٹی موٹی بات کا تو نوٹس ہی نہیں لیتی۔"

فارہ نے رسانیت سے آفاق کی تسلی کروا دی تھی اور وہ واقعی کسی نہ کسی حد تک مطمئن ہو ہی گیا تھا۔

"کیا واقعی یہی بات ہے؟" اس نے دہرا کے استفسار کیا۔

"جی۔ یہی بات ہے۔" فارہ اور بھلا کیا کہتی۔

"اوکے۔ تو پھر جلدی سے اٹھو اور فریش ہو جاؤ۔ میں آفس جاتے ہوئے تمہیں ماورا کی طرف ڈراپ کر دیتا ہوں۔ آج کا دن اس کے ساتھ رہو اور اس کو بھی فریش کرنے کی کوشش کرو۔ آج اس شہر میں اس کا پہلا دن ہے۔" آفاق اس کا ہاتھ تھپکتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔

"نہیں۔ میں اس کی طرف نہیں جا سکتی۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کیوں۔؟" آفاق پھر ٹھٹکا۔

"کیونکہ ماورا گھر پہ نہیں ہو گی۔ اس نے آج آفس جوائن کرنا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ارے۔ اتنی جلدی۔ تیمور اسے تھوڑا ٹائم تو دیتا۔" آفاق کو عجیب لگا تھا۔

"وہ تو ٹائم دینے کو تیار تھے لیکن ماورا ہی ٹائم نہیں لینا چاہتی تھی۔" فارہ بھی عجیب سے لہجے میں کہتی ہوئی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پھر آفاق کے جانے کے فوراً بعد اس نے فون اٹھا کر ماورا کا نمبر ڈائل کیا اور اپنا فیصلہ اس کے حق میں سنا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کا تعلق پاؤں کے ساتھ زیادہ گہرا ہے۔



☆ ☆ ☆

فارہ کی فون کال سننے کے بعد نجانے کیوں ماورا ایک دم سے جیسے پرسکون سی ہو گئی تھی اور اپنا سیل فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کے تیار ہونے کے لیے چلی گئی کیونکہ اس نے آفس جانا تھا۔

اور جیسے ہی وہ تیار ہو کر باہر نکلی' بی گل اور عافیہ بیگم اندر ہی اندر ہول کے رہ گئی تھیں۔

"اللہ نظر بد سے بچائے۔" بی گل نے بے ساختہ اس کی بلائیں لے ڈالی تھیں۔

"آج میرا پہلا دن ہے بی گل۔ میرے لیے دعا کیجیے گا۔" وہ بی گل سے کہتی ہوئی عافیہ بیگم کی سمت پلٹی۔ وہ اس کے سامنے سے ہٹنے ہی والی تھیں کہ ماورا نے یک دم ان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"میری کامیابی کی طرف آج میرا پہلا قدم اٹھ رہا ہے اور آپ مجھ سے رخ موڑ رہی ہیں۔ کیا مائیں ایسا کرتی ہیں؟ آپ اس طرح کریں گی تو مجھے ناکامی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اس لیے پلیز۔ میرے لیے دعا کیجیے۔ میں ہمیشہ کہتی ہوں مجھے آپ کی دعا کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔ آپ کی دعا میرے ساتھ ہو گی تو میں زندگی کے کسی بھی مقام پہ کسی سے بھی شکست نہیں کھاؤں گی۔"

ماورا کا لہجہ ہی کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ عافیہ بیگم نے اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا اور پھر وہ دھاڑیں مار مار کر روئیں کہ بی گل اور ماورا سے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ کل سے کراچی آئی ہوئی تھیں اور کل سے ہی ان کے اندر آنسوؤں کا اک غبار سا جمع تھا۔

"امی پلیز۔ سنبھالیں اپنے آپ کو۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ بالکل بھی فکر مت کریں۔ آپ کو فخر ہو گا اک دن۔ دیکھ لیجیے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔"

وہ انہیں اپنے ساتھ بھینچے ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر تسلی دے رہی تھی اور وہ بھی بے تحاشا رونے دھونے کے بعد ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر سنبھل گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"آیئے میڈم۔" وہ تھرڈ فلور سے اتر کر نیچے آئی ہی تھی کہ ایک باوردی ڈرائیور بڑی مستعدی سے اس کی طرف بڑھا اور گاڑی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"آپ۔؟" ماورا ٹھٹکی۔

"مجھے سر تیمور حیدر نے بھیجا ہے۔ حیدر گروپ آف انڈسٹریز کی طرف سے۔ جب تک آپ ڈرائیونگ نہیں سیکھ لیتیں۔ آپ کو پک اینڈ ڈراپ دینے کی ڈیوٹی میری ہے۔"

ڈرائیور نے آگے بڑھ کے اپنا تعارف کروایا تھا اور ماورا سر ہلاتی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی گاڑی کے قریب آگئی۔ ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور پھر اپنے گھر سے آفس تک وہ تیمور حیدر کے متعلق ہی سوچتی ہوئی آئی تھی اور آفس آکر اس کی سنجیدگی دس گنا بڑھ گئی تھی۔

آفس کی بلڈنگ دیکھ کر ہی دنگ رہ گئی تھی اور اس پہ یہ قیامت کہ بلڈنگ کے ماتھے پہ "حیدر" لکھا ہوا تھا۔

"آیئے میڈم۔ آپ رک کیوں گئیں؟" شوفر نے قریب آکر متوجہ کیا تھا اور ماورا بڑی ہمت اور بڑے حوصلے سے ایک گہری سانس خارج کرتی بلڈنگ سے نظریں ہٹا کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس حسن زادی سے کہو نا تم
اس خاک زادے کو ہم سفر کرلے

"ویلکم ٹو کراچی۔۔۔" وہ اپنے کیبن میں کھڑی اک سرسری سا جائزہ لے رہی تھی۔ جب اچانک اس کے عقب سے اک بہت ہی پرسکون اور گمبھیر آواز ابھری تھی۔ وہ اک سیکنڈ میں پہچان گئی تھی کہ یہ آواز تیمور حیدر کی ہے لیکن پھر بھی اس کی سمت بڑے سکون سے پلٹی تھی۔

"تھینک یو۔۔۔" اس نے کہتے ہوئے تیمور حیدر کے ہاتھ میں تھاما ہوا بکے تھام لیا تھا۔ بہت ہی خوب صورت پھولوں سے سجا یہ بکے تیمور حیدر کے جذبات کی تازگی اور سرشاری کا اظہار کررہا تھا۔ ماورا نے بھی یہ اظہار قبول کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی تھی۔

"کیسی ہیں؟" تیمور کی نظریں بے اختیار اس کے چہرے کی سمت اٹھی تھیں اور اک نظر دیکھ کر ہی دل پہ قرار کی پھوار برسی تھی۔

"اچھی ہوں۔۔۔" ماورا آہستگی سے کہتی پھولوں کا بکے ٹیبل پہ رکھ کر اس میں سے چند کلیاں نکالنے لگی۔

"سفر کیسا رہا؟" وہ اس کے خوب صورت مخروطی ہاتھوں میں پکڑی پھولوں کی کلیوں کو دیکھنے لگا۔

"کامیاب۔۔۔" اس کا جواب خاصا عجیب تھا۔

"کامیاب یا اچھا۔۔۔؟" تیمور کو اس کے جواب پر حیرت ہوئی تھی۔

"کامیاب۔۔۔ کیونکہ مجھے سفر کے اچھے یا برے ہونے سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔۔۔ میں بخیریت کراچی پہنچ گئی۔ میرے لیے یہی میری کامیابی تھی۔ اس لیے یہی کہنا ٹھیک رہے گا کہ سفر کامیاب رہا۔"

ماورا نے ذرا تفصیلی جواب دیا تو تیمور حیدر بھی سرہلانے پہ مجبور ہوگیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ ویسے کراچی کیسا لگا؟" اس نے اگلا سوال پوچھا اور ماورا ہاتھ میں پکڑی پھولوں کی کلیوں کو ٹیبل کی سائیڈ پہ رکھے لمبے سے نازک کرسٹل کے گلدان میں سجانے لگی تھی۔ وہ خالی گلدان تین، چار کلیوں سے ہی سج گیا۔

"ابھی تو میں نے یہاں صرف قدم نکالے ہیں۔۔۔ ابھی میں نے کراچی دیکھا ہی کب ہے؟" اس نے پلٹ کر تیمور کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دکھاؤں کراچی، چلیں گی میرے ساتھ؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"نو تھینکس۔۔۔ میں کراچی خود دیکھوں گی۔۔۔ اپنی نظر اور اپنے نظریے سے۔"

"اوہ۔۔۔ یعنی میرے ساتھ نہیں دیکھیں گی؟" وہ اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ یہی سمجھ لیں۔" وہ ہنوز لاپروا تھی۔

"اوکے۔۔۔ اچھی بات ہے، مگر پھر بھی کسی راستے یا کسی موڑ پہ میری ضرورت پڑے تو میں حاضر ہوں۔" وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہر بار سر تسلیم خم کردیتا تھا۔

"اب آپ کا اگلا سوال یقیناً" یہی ہوگا کہ کراچی کو میں کیسی لگی؟" ماورا نے جان بوجھ کر اسے چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔ اور تیمور اس کی اس کوشش پہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"نہیں۔۔۔ یہ سوال تو اب میں کراچی والوں سے ہی کروں گا۔۔۔ آپ سے نہیں۔" تیمور نے مسکرا کر کہتے ہوئے نفی میں سرہلایا۔

"اوکے۔۔۔ مجھے بھی بتادیجئے گا کہ کراچی والوں نے میرے بارے میں کیا جواب دیا آپ کو۔۔۔"

"شیور۔۔۔ ضرور بتاؤں گا۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"بائی دے وے۔۔۔ فی الحال آپ مجھے یہ بتادیں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میرا کام وغیرہ۔۔۔" ماورا اب اپنے مقصد کی طرف آگئی تھی۔



"آپ نے کیا کرنا ہے، ہوں۔۔۔ آئیے میرے ساتھ۔۔۔ اور اپنی فائل بھی لے لیجئے۔" تیمور چند سیکنڈز سوچتے ہوئے بولا اور اسے اپنے ساتھ آنے کا کہہ کر اس کے کیبن سے نکل گیا، ماورا اپنا بیگ اور اپنی فائل لے کر اس کے پیچھے اس کے کمرے میں ہی آگئی تھی۔

اس کی پی اے اور اس کے منیجر صاحب بھی وہیں تھے۔ تعارف کے بعد اس کی ان لوگوں کے ساتھ تقریباً" ایک گھنٹہ میٹنگ ہوئی تھی۔ تیمور نے ماورا کے تیار کردہ کئی ڈیزائن دیکھے اور سلیکٹ کیے تھے۔ اس کا کام ایسا تھا کہ تیمور کئی بار متاثر ہوا اور کئی بار اس نے اس کے کام کو سراہا تھا۔

تین سال کے ایگری منٹ کے بعد ماورا کی جاب اوکے ہوگئی تھی اور ماورا نے اگلے آدھے گھنٹے میں اپنا کام شروع کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ولید اپنے ایک پروگرام کی ریکارڈنگ میں مصروف تھا۔

ایک آخری نیوز چل رہی تھی، جب اس کی نظر شیشے کے دروازے کے پار گئی جہاں ملازم کے پاس کھڑی عزت حیدر یقیناً" اسی کے متعلق کچھ پوچھ گچھ کررہی تھی۔ اسے اس طرح نیوز چینل کے آفس میں یوں اس کے متعلق پوچھتے دیکھ کر ولید کا دماغ گھوم گیا۔

"ولید۔۔۔ ولید۔۔۔ کہاں دیکھ رہے ہو؟ ادھر دیکھو سامنے۔" کیمرامین نے اسے متوجہ کیا مگر ولید سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جسٹ فائیو منٹس یار۔۔۔ میں ابھی آیا۔" اس نے بڑے التجائیہ سے انداز میں کہا تھا۔

"لیکن یہ کام۔۔۔" کیمرامین نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر ولید دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا۔

تیز تیز قدم اٹھاتا ہال کمرے کے احاطے سے باہر آگیا جہاں عزت حیدر ابھی بھی ملازم کے ساتھ الجھ رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔ میں یہاں ہوں۔۔۔" ولید نے بڑی سنجیدگی اور بڑی عجلت کے ساتھ اسے متوجہ کیا تھا۔

عزت ولید رحمٰن کی آواز سن کر یک دم اس کی سمت پلٹی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" عزت نے بھی بڑے سنجیدہ موڈ میں اسے ہیلو کہا تھا۔ جس پہ ولید ایک لمحے کے لیے چونکا بھی۔ کیونکہ عزت حیدر آج تک اسے اس موڈ میں ذرا کم ہی نظر آئی تھی۔

"خیریت۔۔۔؟" اس کے موڈ کے پیش نظر ہی ولید اس سے خیریت پوچھنے پہ مجبور ہوگیا تھا۔ ورنہ وہ اس پہ غصہ کرنے والا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس نے سیدھی سیدھی بات کہی۔

"بات فون پہ بھی ہوسکتی تھی۔" ولید نے نارمل انداز اپنایا۔

"تمہارا فون آف جارہا تھا۔" عزت نے اس کا یہ اعتراض بھی دور کردیا۔

"میں بزی تھا۔" ولید نے بے ساختہ اپنے موبائل کی تسلی کرنے کے لیے اپنی پینٹ کی جیبوں کو ٹٹولا۔

"اور اب۔۔۔؟" عزت نے ابھی کا پوچھا۔

"اب بھی بزی ہوں۔۔۔ کام ادھورا چھوڑ کر آیا ہوں۔۔۔" اس نے شیشے کے پار اندر کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن اس وقت میری بات آپ کے کام سے زیادہ اہم ہے۔۔۔ اسی لیے پلیز پہلے میری بات سن لیں۔" عزت اسے مخاطب کرنے کے حوالے سے کبھی بھی توازن نہیں رکھ پائی تھی۔ کبھی آپ کہہ لیتی تھی اور کبھی تم تک پہنچ جاتی تھی۔

"بس چند منٹ۔۔۔" اس نے وقت مانگا۔

"چند منٹ۔۔۔ مطلب چند منٹ۔" عزت نے زور دے کر کہا۔

"او کے۔۔۔ آپ انتظار کریں۔۔۔ میں ابھی آیا۔" ولید عجلت میں کہہ کر واپس بھاگا۔ جہاں سب اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"ولید۔۔۔ یہ کیا سلسلہ ہے یار۔۔۔؟" وہاں کام پہ موجود سب ہی لوگوں نے اعتراض کیا تھا۔ لیکن ولید سنی ان سنی کر کے اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

میں نعرۂ مستانہ
میں شوخیٔ رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں
پی کر بھی کہاں جانا۔۔۔
میں شمع فروزاں ہوں
میں آتش لرزاں ہوں
میں سوزش ہجراں ہوں
میں منزل پروانہ
میں نعرۂ مستانہ۔۔۔

وہ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے ہمیشہ کی طرح عابدہ پروین کا نعرۂ مستانہ اونچی آواز میں سن رہی تھی۔ جب ولید اپنا کام ختم کر کے تقریباً" پون گھنٹے میں واپس آیا تھا اور اسے باہر پارکنگ میں ہنوز اپنے انتظار میں موجود دیکھ کر ولید کے قدموں میں اور زیادہ تیزی آگئی تھی۔ اس نے قریب آکر گاڑی کی کھڑکی پہ دستک دی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" اتنی تیز آواز کے باوجود اس نے دستک سن لی اور گاڑی کا دروازہ بھی کھول دیا۔ مگر ولید نے اس کی پیشکش قبول نہ کی۔

وہ اس سے بات کرنے کی غرض سے ڈرائیونگ سائیڈ پہ۔۔۔ ہی کھڑا رہا تھا۔ جس پہ مجبوراً" عزت کو گاڑی کا شیشہ نیچے کرنا پڑا تھا۔

"میری بات اتنی غیر اہم نہیں ہے کہ یوں سڑک پہ کھڑے کھڑے سنا دوں۔" عزت کا لہجہ غصے اور خفگی سے بھر گیا تھا۔

ولید کو مجبوراً" کھلے دروازے کی طرف قدم بڑھانے پڑ گئے اور پھر جیسے ہی وہ گاڑی میں بیٹھا عزت نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

ولید کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر پھر کچھ سوچ کر چپ ہو گیا تھا۔

عابدہ پروین کا نعرۂ مستانہ اب بھی گونج رہا تھا۔ جس کو ولید نے ہاتھ بڑھا کر اپنی طرح خاموش کرا دیا تھا۔

اور یہ خاموشی تب تک قائم رہی جب تک وہ لوگ شہر کے ایک مہنگے ریسٹورنٹ میں نہ پہنچ گئے تھے۔

وہ گاڑی مقفل کر کے ریسٹورنٹ کی طرف بڑھی ولید کسی سدھائے ہوئے بیل کی طرح چلتا اس کے پیچھے پیچھے اندر گیا تھا۔



ایک الگ کیبن کی ٹیبل اور کرسیوں پہ بیٹھتے ہوئے۔

ولید نے اپنی نظریں عزت حیدر کے چہرے پہ جما دیں۔ جو عین اس کے سامنے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

"مجھے پتا ہے تم منتظر ہو۔۔۔" اس نے بہت دیر بعد لب کشائی کی۔

"میں پریشان بھی ہوں۔" ولید نے انتظار کے علاوہ بھی اپنی کیفیت بیان کی۔

"تو پھر اندازہ کرو۔۔۔ جس بات کو سننے سے پہلے ہی تم اتنے پریشان ہو رہے ہو۔ اس بات کو سن کر میری پریشانی کا عالم بھلا کیا ہو گا۔" اس نے استہزائیہ سے انداز میں کہا۔

"لیکن کچھ پتا بھی تو چلے۔" ولید واقعی اچھا خاصا پریشان اور متجسس ہو گیا تھا۔

"مونس مرزا کو جانتے ہو؟" اس نے بات شروع کی۔

"دیکھا ہے۔۔۔ جانتا نہیں ہوں۔" ولید نے مونس مرزا کو آفاق کی شادی میں دیکھا تھا۔ تیمور نے اس کے بارے میں بتایا تھا۔

"میرے بابا کے ایک بیسٹ فرینڈ کا بیٹا ہے۔" وہ مزید گویا ہوئی۔

"پھر۔۔۔؟" وہ کھٹک گیا۔

"بابا ان لوگوں کے ساتھ بہت کلوز ہیں بہت پسند کرتے ہیں ان کو۔"

"ہوں۔۔۔ مگر اس بات سے میرا کیا تعلق ہے؟" وہ جان بوجھ کر انجان بنا۔

"تمہارا تعلق یہ ہے کہ تم تیمور حیدر کے بیسٹ فرینڈ ہو۔۔۔ اور میں اپنے بابا کے دوست کی فیملی کے بجائے اپنے بھائی کے دوست کی فیملی میں انٹرسٹڈ ہوں۔ مجھے مونس مرزا کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ میری تمام دلچسپیوں کا مرکز ولید رحمن ہے۔۔۔ وہ ولید رحمن جو میرے سائے سے بھی بھاگتا پھرتا ہے۔۔۔ جس کے لیے میرے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھنا بھی محال ہے۔۔۔ جو دنیا سے بھی ڈر رہا ہے اور مجھ سے بھی۔۔۔ جو نہ اپنا بن رہا ہے اور نہ میرا۔" عزت کہتے کہتے روہانسی سی ہو گئی تھی اور ولید یک دم غصے سے پھٹ پڑا تھا۔

"تو کیا چاہتی ہو تم۔ سارے ڈر۔۔۔ سارے خوف پھینک دوں۔۔۔ جینا دشوار کر لوں اپنا بھی اور تمہارا بھی۔۔۔ میری نظر میں تم ابھی بچی ہو۔۔۔ تمہیں ابھی اپنے سینے کے اندر دھڑکتا خون کا سرخ لوتھڑا نظر آ رہا ہے۔ اس دنیا کی سیاہی کا تو تمہیں علم ہی نہیں ہے۔ جہاں خون کے سرخ لوتھڑے دھڑکنا شروع کرتے ہیں۔ وہیں اس دنیا کے ستم ٹوٹنے لگتے ہیں۔۔۔ اور میں ڈرتا ہوں تمہاری معصومیت سے۔۔۔ تمہارے جذبات سے۔۔۔ تمہاری محبت سے اور محبت کی شدت سے۔۔۔ کیونکہ جہاں یہ معصومیت، جذبات، محبت اور شدت زیادہ ہوتی ہے وہیں آزمائش زیادہ ہوتی ہے اور وہیں شکار بھی زیادہ ہوتے ہیں۔۔۔ تمہارے اور میرے جیسے کئی لیلیٰ مجنوں یہ دنیا بہت پہلے ہی نگل چکی ہے۔۔۔ ہم کوئی نئے نہیں ہیں اور میں اسی واسطے چپ ہوں کہ شاید تم بھی چپ ہو جاؤ۔۔۔ اور دنیا کا یہ وار خالی چلا جائے۔۔۔ مگر تم ہو کہ۔۔۔"

ولید نے کہتے ہوئے خفگی سے سر جھٹکا تھا۔

"میں کیسے چپ ہو جاؤں۔ کیسے؟ مونس مرزا میرے گھر پروپوزل بھیج رہا ہے۔" عزت بے بسی سے چیخ اٹھی اور ولید پروپوزل کا سن کر یک دم چونک گیا تھا۔

اور پھر اگلے چند سیکنڈ وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

"میں تمہاری طرح چپ نہیں سادھ سکتی۔۔۔ یہ دنیا مجھے نگلتی ہے تو نگل جائے۔۔۔ میری محبت اور میری شدت بس وہی رہے گی۔۔۔ ولید رحمن۔۔۔ اور صرف ولید رحمن۔۔۔"

عزت نے با آواز بلند اپنا فیصلہ سنایا تھا اور ولید اس کے فیصلے پہ چکرا گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سمیرا حمید

# سراب

"امرِ یم کا اگر کوئی لاڈ کا نام ہوتا تو وہ "سرما کی دھوپ" ہوتا۔" چمکیلی، روشن، مسحور کر کے، باندھ کے، سر اٹھوا کر، بازو پھیلوا کر آسمان کی اور اڑا لے جانے والی یہ سرما کی دھوپ۔۔۔

باہر کو اندر سے پر سکون کر دینے والی۔۔۔ اندر کو باہر سے لاتعلق کر دینے والی۔۔۔

سونا سونا ہوتی۔۔۔ سونا سونا پھیلتی۔۔۔ گگن ست بھاراں کر دینے والی سرما کی دھوپ۔

سُر سرگم کے سارے گاماسی۔۔۔ ابتدا کی طرف۔۔۔ انتہا کی جانب جیسے راج ہنسوں کے غول کے غول جھوم جھوم جاتے ہوں۔۔۔ اور اسی غول میں یک رنگ اور ہزار رنگی سارے جہاں کی تتلیاں آن شامل ہوئی ہوں

"سرما کی دھوپ" اگر محبوب کا کوئی لاڈ کا نام ہوتا تو وہ بس یہی ہوتا۔۔۔ اور خوب ہوتا۔

اسی دھوپ میں وہ لان کے ایک کونے میں بیٹھی ہے۔ وہ کونوں میں ہی بیٹھتی ہے۔۔۔ کیونکہ اسے منظر عام پر آنے سے ڈر لگتا ہے۔۔۔

کیوں ڈر لگتا ہے۔۔۔؟

کیونکہ اسے ڈرایا جاتا رہا ہے اور پھر اس کی حیثیت اپنے ہی گھر میں کچھ ایسی ہے۔ جو جھاڑو کی ہوتی ہے۔۔۔ ضروری بھی اور۔۔۔ چھپی۔ گندی بھی۔ ایک طرف

مکمل ناول

بیٹھی دادی زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اپنے بالوں کا خود ہی مساج کر رہی ہیں۔ انہوں نے دانیہ سے کہا تھا لیکن اس نے ایسے ظاہر کیا جیسے اس نے تو کچھ سنا ہی نہیں ـــــ اور وہ کامل توجہ سے "نان بائی کی بیٹی" پڑھتی رہی ساتھ مالٹے کی پھانکیں بھی منہ میں ڈالتی رہی۔

اماں فون پر بات کر رہی ہیں ـــــ اور حماد کانوں میں ایر فون لگائے میوزک سے لطف اندوز ہو رہا ہے ـــــ کیونکہ اسے چلنے میں خاصی دشواری ہو رہی ہے اور اس کے دونوں ہاتھ ہوا میں ایسے مڑ مڑ کر لہرا رہے ہیں جیسے خدانخواستہ اسے ٹہلتے ٹہلتے مرگی کا دورہ پڑ رہا ہو۔

اور وہ کونوں میں خود کو چھپانے والی موبائل انٹرنیٹ پر مصروف ہے ـــــ نہیں نہیں وہ کسی سوشل نیٹ ورکنگ سائٹ پر نہیں ہے ـــــ وہ کسی سے چیٹ بھی نہیں کر رہی ـــــ ارے نہیں وہ گوگل امیجز پر مشہور ڈیزائنرز کے کپڑوں کے ڈیزائن بھی نہیں نوٹ کر رہی ـــــ وہ تو ـــــ وہ تو مانچسٹر یونیورسٹی کے پاکستانی اسٹوڈنٹ سوسائٹی کے گروپ لیڈر کی ای میل پڑھ رہی ہے۔ اور اس کے ہاتھ پیر ایسے کانپ رہے ہیں جیسے ابھی ابھی اسے فریزر سے نکال کر دھوپ میں رکھا گیا ہو ـــــ یا جیسے اس کے کان میں کہا گیا ہو کہ جہاں تم بیٹھی ہو ٹھیک وہیں خزانہ دفن ہے ـــــ چپکے سے نکال لو۔ اب وہ یہ خزانہ چپکے سے ہی نکالے گی ـــــ اس سے اپنی چیخ دبائے نہیں دب رہی ـــــ اور اس نے ہلکی سی چیخ مار ہی دی۔

سب سے پہلے تو دادی نے ہی اپنا ہاتھ روک کر اسے ناگواری سے دیکھا پھر سوائے دادا کے سب نے اس پر ایک ہلکی سی ناگوار سی نظر ڈالی مگر کسی نے اس سے پوچھا نہیں کہ کیا ہوا؟ کیوں چلائی ہو؟

دادا جو توبتہ النصوح پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اس کے پاس آ گئے

"امرحہ ـــــ کیا ہوا؟" پیارے دادا صرف وہی پوچھتے تھے وہ دادا کے کان میں گھسر پھسر کرنے لگی ـــــ تھوڑی دیر بعد دادا توبتہ النصوح کو سینے سے لگا کر کھڑے ہو گئے۔

"اولے لینے ہیں منڈی سے ـــــ مجھ سے کہاں اٹھائے جائیں گے اتنے ـــــ امرحہ! تم آجاؤ ساتھ۔"

"اسے لیے جا رہے ہو ـــــ مل گئے پھر ـــــ منڈی بند ہو جائے گی یا آگ لگی ہو گی منڈی میں۔" دادی کی باریک آواز وزنی ہتھوڑے کی طرح برسی۔

"ہم دوسرے شہر کی منڈی میں چلے جائیں گے ـــــ اگر وہاں بھی آگ لگی ہوئی تو ہمارا انتظار نہ کرنا۔ ہم شہر شہر منڈی منڈی آگ لگا کر آئیں گے۔"

"شہر شہر کیوں ـــــ ملکوں ملکوں کیوں نہیں ـــــ؟"

"ہاں بھئی اب تیار رہنا سب ـــــ دنیا میں آگ بھڑکنے والی ہے ـــــ"

"اب کی ـــــ کب کی بھڑک چکی۔" دادی نے فوراً ٹوکا۔

"بالکل ـــــ وہ ناگاساکی۔"

"جاؤ جاؤ میرا دماغ نہ کھاؤ۔"

"بی بی!" امرحہ نے ذرا گھور کر دادی کو دیکھا اور دادی نے اپنا رخ بدل لیا۔

"لو اب یہ مجھے بھسم کرے گی۔" انہوں نے خود پر آیات مبارکہ پڑھ کر پھونکیں۔

امرحہ وہیں کھڑی انہیں گھور رہی تھی اور وہ مزید رخ موڑ کر زیر لب دعائیں پڑھ پڑھ خود پر پھونکنے لگیں ـــــ بہت خوفزدہ رہتی تھیں اس کی نظروں سے ـــــ سب ہی رہتے تھے۔ تباہی اور بربادی تھی وہ ـــــ

عین اس کی پیدائش کے دن بڑے تایا چل بسے ـــــ پھوپھی پھوپھا کا کار ایکسیڈنٹ ہو گیا ـــــ چھوٹی پھپھو کے گھر شارٹ سرکٹ سے آگ لگی اور سارے ساز و سامان کو نگل گئی ـــــ چچا کی بیٹی کی منگنی اس دن ہونا تھی "تایا کی وفات سے وہ ملتوی ہوئی۔ بعد ازاں رشتہ ہی ختم ہو گیا ـــــ اور تو اور ماموں کی الیکٹرونکس کی دکان میں پورے چار لاکھ کی چوری ہوئی ماموں صدمے سے چار دن ہسپتال رہے۔ امرحہ سے بڑے علی کی چھت سے گر کر بائیں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے وہ پورے دو سال لنگڑا کر چلتا رہا ـــــ ساتھ کے گھر کی ملائکہ آنٹی بیوہ ہو گئیں۔ ان کے شوہر کا فرانس میں ہارٹ اٹیک سے انتقال ہو گیا ادھر دوسری لین والوں کی بہو کے مردہ بچے کی پیدائش ہوئی۔

یہ سب تو اوپر اوپر کے واقعات تھے ـــــ فہرست کافی لمبی تھی اور دن بہ دن لمبی ہی ہوتی جا رہی تھی ـــــ مثلاً "اگر کوئی کہتا۔

"بس اماں جی! اپنے دھیان میں تھی۔ پتا ہی نہ چلا کب منا ہاتھ جلا بیٹھا ـــــ"

دادی پوچھتیں کیا دن تھا ـــــ؟

"یہی منگل ـــــ آج ہی کے دن ـــــ بلک بلک کر رویا میرا حاشر ـــــ میں بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔"

"اچھا منگل ـــــ اور تاریخ کیا تھی ـــــ"

"تاریخ یہی دو ـــــ"

"اچھا ـــــ دو اور اوپر سے منگل ـــــ مدیحہ بی بی! منگل کی دو کو ہمیں یہ وبال نصیب ہوا تھا ـــــ اس دنیا پر یہ امرحہ عذاب بن کر آئی تھی ـــــ ہمارے خاندان میں تو ہر تاریخ دو "ہر دن منگل ـــــ کیا کریں گناہوں کے عذاب بھی تو بھگتنے ہی پڑتے ہیں نا۔"

اگلی بار منے کے ہاتھ جلنے کا قصہ بھی اس "منحوس جنم پتری" میں شامل کر دیا جاتا۔

اماں بھی چڑی رہتیں اس سے ـــــ اتفاق سے ہر سال لگ بھگ اسی دن ماموں کی دکان پر تین بار چوری ہو چکی تھی۔ تنگ آ کر ماموں نے دکان ہی بیچ دی اور دوسرا کاروبار کرنے لگے۔ اماں کو بھولتا ہی نہیں تھا کہ کیسے ان کے بھائی کی چمکتی دمکتی شاندار دکان بک گئی اور بھائی کنگلا سا ہو گیا۔

ایک دادا تھے جو پانچ وقت نماز پڑھتے اور صرف اللہ سے ڈرتے ـــــ احادیث پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ـــــ جاہلانہ باتوں اور خیالات کو اپنے اندر چھنگلی برابر جگہ نہ دیتے ـــــ ورنہ جمعرات کے جمعرات ان کے گھر چراغ جلتے ـــــ تین یا پانچ ـــــ بس طاق ـــــ جفت نہیں ـــــ دادی مرنے والوں کے نام سے چھت کے کونے والے کمرے میں چراغ روشن کرواتیں۔

"لامذہب ہو سب کے سب ـــــ کیا کبھی روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چراغ جلتے دیکھے ہیں ـــــ کیوں خلاف مذہب ایسے کام کرتے ہو؟"

دادی ہاتھ سے اشارہ کرتیں کہ جاؤ اپنا کام کرو۔

بابا نے اعظم مارکیٹ میں دکان کی نئے سرے سے آرائش کروائی تو افتتاح کے وقت ناریل پھوڑا ـــــ اعظم مارکیٹ کے دوسرے دکان دار ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوتے رہے ـــــ ابا صرف اتنا ہی کہتے رہے کہ وہ فلموں میں دیکھتے تھے تو انہیں بڑا اچھا لگتا تھا ـــــ

"کیا ہوا جو کر لیا تو ـــــ تم سب تو کسی کو خوش بھی نہیں دیکھ سکتے۔ جمعرات کے جمعرات بابا چار دیگیں دیتے تھے۔" دادا نے کہا۔

"کام والی ماسی کی بچی کے کان کا آپریشن ہونا ہے۔ پیپ رستی ہے اس کے کان سے۔ رات دن کی جان لیوا تکلیف الگ سے ۔۔۔ اور نہیں تو دو تین جمعراتوں کے پیسے دے دو ۔۔۔ کچھ میں ڈال دوں گا۔ اس کا آپریشن ہو جائے گا۔"

بہت بحث ہوئی ۔۔۔ بابا نے دادا کو لادین قرار دے دیا اور دادا نے بابا کو بے حس ۔۔۔ خیر دیکھیں تو پکتی رہیں کام والی کی بیٹی کا جیسے تیسے دادا نے آپریشن کروا دیا۔

تو بس یہ ماحول تھا گھر کا اور یہ حال تھا گھر والوں کا ۔۔۔ غلط باتوں کو پکڑ کر بیٹھے رہتے ۔۔۔ بحث بھی کرتے اور اسی پر لڑ مرتے ۔۔۔ دادا تو بہت بے زار اکتائے اکتائے رہتے ۔۔۔ لیکن کسی پر بس ہی نہیں تھا۔

"نہیں ملے نا اولے ۔" جب دونوں خالی ہاتھ گھر آئے تو دادی چہک کر بولیں۔ "تم تو کہہ کر گئے تھے دنیا میں آگ بھڑکا کر ہی واپس پلٹیں گے ۔ اب ایسے کیسے واپس آگئے ۔۔۔ اور امرحہ اتم اتنا بن سنور کر دلوا کے ساتھ منڈی گئی تھیں۔" دادا پوتی دونوں خاموشی سے کھسک گئے۔

ایسا نہیں تھا کہ ایک دادی ہی اسے منحوس مانتی تھیں۔ دادی اور اماں کی دیکھا دیکھی باقی تینوں بہن بھائی بھی دادی کے کہے پر یقین رکھتے تھے اور کچھ سے زیادہ بابا بھی ۔۔۔

علی کی پتنگ کٹ جاتی تو چلاتا۔

"کس منحوس نے کہا تھا اوپر آنے کو ۔۔۔ کٹ گئی نا میری پتنگ۔" وہ علی کو دو سنا کر چھپ کر رونے لگتی اور خود کو کوستی جاتی۔

"میں منحوس ماری ۔۔۔ میں منحوس ماری۔"

دانیہ چپکے سے اماں سے کہا کرتی۔

"میرے کپڑے لایا کریں تو امرحہ کو نہ دکھایا کریں۔ پتا نہیں کیوں پر میرے پہننے سے پہلے وہ دیکھ لیتی ہے تو مجھے زہر لگنے لگتے ہیں۔"

امرحہ غصے میں کپڑوں پر سیاہی ' چکنائی کا داغ لگا دیتی اور وہاں لگاتی جہاں سے صاف ہو کر بھی صاف نہ ہوتا ۔۔۔ اور پھر رات کو کہیں چھپی بیٹھی روتی جاتی۔

"میں منحوس ماری ۔۔۔ میں منحوس ماری ۔۔۔"

اس منحوس ماری کو دادا نے ذرا سنبھالا ۔۔۔ ان ہی کے کمرے میں ایک طرف اس کا بیڈ رکھا تھا ۔۔۔ ان ہی کے ساتھ بازار جاتی ' سہیلی کے گھر جاتی ۔۔۔ ان ہی سے پیسے لیتی ۔۔۔ دادا ہی اس کے اماں بابا ' بہن بھائی بن گئے۔ ایک رات اس نے بابا کو اماں سے کہتے سن لیا۔

"دکان پر چار لاکھ کا لکڑی کا کام کروانے جا رہا ہوں ۔۔۔ کسی کو بتانا نہیں۔ نظر لگ جاتی ہے ۔۔۔ خاص کر اپنی امرحہ کو۔"

وہ رات بھر روتی رہی ۔۔۔ ہچکیاں لیتی گئی۔ بد دعائیں دیتی گئی کہ وہ مر جائے یا لکڑی کے ساز و سامان کو آگ لگ جائے ۔۔۔ لیکن نہ وہ مری نہ سامان کو آگ لگی مگر ۔۔۔ بابا کے چار لاکھ روپوں میں سے پورے ڈیڑھ لاکھ کم ہو گئے ۔۔۔ چھوٹی پھپھو آئیں اور اپنی کوئی ضرورت بتا کر پیسے لے گئیں ۔۔۔ بابا اماں سے چڑ گئے۔

"کہا تھا نا ' کسی کو مت بتانا ۔۔۔ لو کروا لو دوکان کا کام۔"

سارا عذاب امرحہ پہ نہ آجائے ' دادا نے اپنے دوست سے لے کر دیے پیسے اور پھر کہیں جا کر نارمل پھوٹا دکان کے آگے۔

تو یہ حیثیت ہے ہماری ہیروئن کی کہ پیدائش سے لے کر بڑے ہونے تک ایسا ہزاروں بار ہوا ۔۔۔ وہ جل لیتی ۔۔۔ بہن بھائیوں کو مار بھی لیتی لیکن رات رات بھر روتی بھی رہتی ۔۔۔ اس کا جی چاہتا کہیں بھاگ جائے چھپ جائے ۔۔۔ گم ہو جائے کہ کسی کو یاد نہ رہے کہ اس کی پیدائش کی خبر سنتے ہی دادی کے دائیں پیر میں موچ آگئی تھی ۔۔۔ بعد ازاں اماں کے کمر درد نے بھی اماں کو سکون کا سانس نہ لینے دیا۔

دانیہ ' حماد ' علی کبھی جل کر کبھی مذاقاً" اور کبھی صرف اسے روتے دیکھنے کے لیے اسے اس کی نحوست کے قصے سناتے رہتے کہ وہ بھول نہ جائے کہ وہ کون ہے۔ اسکول میں ایک بار ٹیچر کی کرسی کا پایہ جو عرصے سے ٹوٹ جانے کے قریب تھا ٹوٹ گیا اور ٹیچر جی دھڑام سے نیچے آگریں تو وہ فوراً" کھڑے ہو کر



رونے لگی اور اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ٹیچر ۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا ۔۔۔ یہ کرسی خود بخود ٹوٹی ہے ۔۔۔ میں سچ بول رہی ہوں۔"

ٹیچر کبھی سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیتیں کہ سر میں درد ہے تو وہ سہم جاتی۔ "میں نے آپ کے سر کو نہیں دیکھا ۔۔۔ سچ بالکل نہیں دیکھا۔"

خاندان کی تقریبات میں وہ انہی کارناموں کی وجہ سے جاتی نہیں تھی جو سارے خاندان میں ایسے مشہور تھے جیسے شالوں میں کشمیری شال اور میووں میں چلغوزہ۔

ایک بار وہ گئی تو بارات جسے دن دو بجے دوسرے شہر سے آنا تھا ' آئی ہی نہیں ۔۔۔ شام سے رات ہو گئی۔ ان کی گاڑیاں موٹر وے پر خراب کھڑی تھیں ۔۔۔ دولہا باراتیوں کے بغیر آنے کے لیے تیار نہیں تھا ۔۔۔ جب تک لاہور سے نئی کاریں بھیجی اور وہ سب اس میں بیٹھ کر آئے ' رات کے بارہ بج چکے تھے ۔۔۔ سب مہمان جا چکے تھے اور صرف قریبی عزیز ہی موجود تھے ۔۔۔ وہ بھی دادا کے ساتھ چپکے سے گھر واپس آگئی اور اپنے نئے ڈزائنر ڈریس کو آگ لگا دی ۔۔۔ اس کے سب کزنز اس کے گرد گھیرا بنائے اس کا ریکارڈ لگانے میں مصروف تھے۔

"نانا! ذرا پوچھے کھانا جل گیا یا بچ گیا ۔۔۔ امرحہ آئی ہیں نا آج ۔۔۔ بجلی کے کنکشن بھی چیک کروا لیجیے گا ۔۔۔ شارٹ سرکٹ سے آگ نہ بھڑک اٹھے۔"

"میں تو دعا کرتی ہوں کہ دولہا بھائی خیریت سے آجائیں۔"

"مجھے تو دلہن کی فکر ستائے جا رہی ہے ۔۔۔ سنا ہے دو لاکھ کا لہنگا جلتے جلتے بچا ہے۔"

"لہنگا تو بچ گیا لیکن اس کے بال جل گئے ۔۔۔ ویسے آئرن مشین بال جلاتی تو نہیں ۔۔۔ مگر خیر ۔۔۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے آج تو ۔۔۔"

"ہم سب تو مذاق کر رہے تھے امرحہ تو سنجیدہ ہی ہو گئی۔" وہ رونے جیسی ہو جاتی تو کوئی کہہ دیتا۔

تین گھنٹے بعد اس کا خالہ زاد جلا بھنا آیا۔

"چار پانچ گھنٹے سے پہلے بارات نہیں آئے گی ۔۔۔ سب امرحہ سے سوری کہو ۔۔۔ اس نے ہمارا سوری قبول کر لیا تو شاید بارات جلدی آجائے۔"

"شٹ اپ۔" وہ اتنی زور سے چلائی کہ دس بارہ کا گروپ سن سا ہو گیا۔

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی حسان ۔۔۔"

"منہ تو تمہارا توڑا جانا چاہیے جو اپنی ساری نحوست لے کر میری بہن کی شادی خراب کرنے آگئیں ۔۔۔"

امرحہ کا جی چاہا ' وہ سارے پنڈال میں آگ بھڑکا دے ۔۔۔ کاش واقعی شارٹ سرکٹ ہو جائے اور سارے روشن قمقمے بجھ جائیں ۔۔۔ تاکہ اس کے دھاڑیں مار مار کر روتے تاریک چہرے اور کپکپاتے وجود کو کوئی نہ دیکھ سکے۔ وہ کب سے سب کے مذاق میں چھپے طنزوں کو جھیل رہی تھی ۔۔۔ لیکن حسان تو دندناتا ہوا اس پر الزام لگانے ہی آگیا تھا۔

"وضو کرنے کے بعد مسجد جانے سے پہلے خود کو آئینے کے سامنے کھڑا کر کے ضرور دیکھنا ۔۔۔ شاید دوبارہ کبھی مجھے یہ سب کہتے تمہاری زبان لڑکھڑا جائے ۔۔۔ اور تمہیں یہ بات سمجھ میں آجائے کہ کچھ بھی برباد اور آباد کرنے کی طاقت انسان کے ہاتھ میں ہے نہ اختیار میں ۔۔۔ "حکم کن اور عمل فیکون" رب کی خوبی ہے اس کے بندوں کی نہیں۔" بمشکل خود کو رونے سے بچاتے اس نے کہا۔

دادا کو لے کر وہ چپکے سے گھر آگئی ۔۔۔ اس کی سگی خالہ زاد کی شادی تھی اس کے دل میں بھی ارمان تھے شادی کو لے کر ۔۔۔ اس نے خاص اس شادی کے لیے بہت تیاریاں کی تھیں ۔۔۔ لیکن سب نہ صرف بے کار گیا بلکہ اسے دکھ دے کر گیا ۔۔۔ اس نے ایک سفید کاغذ پر "میں کبھی کسی تقریب میں نہیں جاؤں گی ۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔ وعدہ" لکھ کر اپنی الماری کے اندرونی شیلف پر چپکا دیا۔ جب بھی اس کا کہیں جانے کو دل چاہتا ' وہ الماری کھول کر اپنے وعدے کو یاد کر لیتی ۔۔۔ یہ سب وہ کرتی تو گئی لیکن بہت اکیلی بھی ہوتی گئی۔

وہ آسانی سے رو پڑتی ۔۔۔ اسے آسانی سے رلایا جا سکتا۔

جیسے کہ کوئٹہ والے ماموں سال میں کبھی ایک بار آجاتے تو لحاف میں دبک کر کافی کا بڑا مگ پیتے ہوئے کہتے۔

"بلاؤ ذرا امرحہ کو۔۔۔ اسے رلائیں۔"

وہ نہ جاتی تو ماموں کھینچ کھانچ کر لے جاتے ۔۔۔ ہنس ہنس کر سب لوٹ پوٹ ہوتے ۔۔۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی ہوتی اور ماموں اس کی نحوست کا ایک ایک قصہ حوالہ جات کے ساتھ سنائے جاتے۔ اماں اسے ڈانٹتی۔

"مذاق کر رہے ہیں ماموں امرحہ ۔۔۔ کیوں ایسے دھاڑیں مار رہی ہو۔" دادا آتے' سب کو ڈانٹ کر اسے لے جاتے۔

"جاہل لوگ ہیں امرحہ! یہ' ان پر توجہ نہ دیا کرو۔"

وہ کون سی عالم تھی جو خود کو اچھی طرح سے سمجھا لیتی ۔۔۔ نو عمر ۔۔۔ نازک دل کی ۔۔۔ بس رو دینے والی لڑکی ہی تو تھی اور پھر ہر بار تو خود کو فلسفوں سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"سب جاہل ہیں۔" پرسکون ہو جاؤ۔

"سب پاگل ہیں۔" ہاں یہ ٹھیک ہے۔

ایسا سوچا جا سکتا ہے ۔۔۔ کہا جا سکتا تھا ۔۔۔ لیکن ایسا ٹھیک ٹھیک ہو نہیں پاتا ۔۔۔ رزلٹ اگر سو فیصد ہوتا بھی تو اگلی بار "صفر" ضرور ہو جاتا ہے۔ وہ جتنا خود کو "یہ سب جاہل ہیں" کہہ کر بہلاتی' اتنا ہی اگلی بار ان سب جاہلوں کی باتوں پر ہچکیوں سے روتی۔ دادا کی باتیں اسے تھپک تھپک کر سلاتی تھیں تو اسی نیند میں وہ ان سب کی باتوں پر کراہی تھی۔

☼ ☼ ☼

دادا گورنمنٹ پنجاب پبلک لائبریری میں لائبریرین تھے۔ اسکول کی چھٹیوں میں وہ سارا دن پنجاب لائبریری میں گھومتی پھرتی رہتی۔ ویسے بھی اسے کم سے کم گھر میں رہنے دیتے تھے وہ اسکول سے پیدل چل کر لائبریری آجاتی دونوں دوپہر کا کھانا وہیں کھاتے' اسی ملازمت سے دادا حضور نے ہزاروں کتابیں پڑھی تھیں اور اسی لیے وہ جمعرات کو مرنے والوں کے نام کے دیے نہیں جلاتے تھے۔ شام کو دونوں چہل قدمی کرتے۔ مال کی لمبی سڑکوں سے ہوتے سردی گرمی بھنے چنے اور راکھ پکی چھلی کھاتے رات گئے گھر آتے۔ امرحہ کا تو دل چاہتا کہ رات کو بھی گھر نہ جائے اور بھلے سے مال کے فٹ پاتھ پر سو جائے۔

گھر پر نظر پڑتے ہی دادا کہتے۔

"لو آگئی جیل۔"

"پاگل ہو گئے ہو تم تو کتابیں پڑھ پڑھ کر ۔۔۔ ڈھنگ کی نوکری مل جاتی تو عقل تو نہ جاتی۔"

لیکن دادا کو ڈھنگ کی نوکری تو نہ ملی لیکن ڈھنگ سے عقل ضرور مل گئی۔ بابا نے اپنے زمانے کی آٹھ کو بھی جیسے اپنی دوکان پر رکھ کر سیل کر دیا ۔۔۔ پتا ہی نہ چلا کہ آٹھ جماعتیں پڑھے ہیں یا آٹھ تک گنتی ۔۔۔ علی بڑا تھا اور کمال کا بڑا تھا۔ ہر جماعت میں سینئر ہی رہتا دو سال ضرور ہی لگاتا ۔۔۔ پھر حماد تھا ۔۔۔ اسے دنیا بھر کے گانے والوں' ناچنے والوں' انہیں نچانے والوں کے نام' گھر' شہر' قومیت' مذہب' شادی' بچوں' افیئرز کے بارے میں تو معلوم تھا لیکن یہ نہیں کہ ایف اے کے بعد کی ڈگری کو کیا کہتے ہیں اور اسے پاس کیسے کرتے ہیں ۔۔۔ کتنا چاہا دادا نے کہ ایک انجینئر بن جائے' ایک کم سے کم دیال سنگھ کالج میں لیکچرار ۔۔۔ ورنہ ایک کسی ہسپتال میں ڈاکٹر اور ایک پاک آرمی میں کپتان ۔۔۔ لیکن دادا کے سوچنے سے تو کچھ نہیں ہوتا نا ۔۔۔ ویسے ان کے کہنے سے بھی کچھ نہیں ہوا ۔۔۔

پھر امرحہ کا نمبر تھا" کم وہ بھی نہیں تھی اور کیونکہ منحوس ماری' تھی تو ہر وقت روتی رہتی ۔۔۔ بڑی مشکل سے دادا نے اسے آٹھ جماعتیں پاس کروائیں اپنے رونے کے دوران ایک بار تو اس نے پڑھائی چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا اور عمل بھی۔ سارا سارا دن دادا کے ساتھ لائبریری رہتی۔

دادا نے منت کی "امرحہ میٹرک کر لو۔"



ٹینشن امرحہ کے کانوں پر جوں نہ رینگتی۔ بس ہر ایک ہی رٹ "بھاگ جاتے ہیں گھر سے ..."

دادا کے پاس تھوڑے سے جو پیسے تھے ان سے اسے اپنے دوست کے گھر بلوچستان لے گئے ہفتہ رہ کر آئے۔ خاندان میں تو کہیں وہ جاتی نہیں تھی۔ وہاں بہت خوش رہی ۔۔۔ پھر دادا سے کہنے لگی۔

"دادا آپ دبئی چلے جائیں پھر مجھے بھی وہیں بلا لینا ۔۔۔ بڑے خوش رہیں گے ہم دونوں۔"

دادا اس عمر میں کیا دبئی جاتے' ہاں پھر بھی اس سے وعدہ کر لیا۔

"میٹرک کر لو پھر چلا جاؤں گا ۔۔۔"

اس نے دبئی کے لیے ۔۔۔ میٹرک کر لیا ۔۔۔ خوب ہی جان لگا کر کیا مگر اتنی جی جان لگانے پر بھی سیکنڈ ڈویژن میں ۔۔۔ جو ہر کس و ناکس کے ہاتھ آ ہی جاتی ہے۔

☼ ☼ ☼

انہی دنوں نیا نیا واقعہ ہوا تھا کہ بابا کا ہاتھ جل گیا ۔۔۔ دادی بولنے لگیں اس نے آگے سے جواب دیے تو بابا نے غصے سے جلا ہوا ہاتھ ہی اس کے گال پر ٹھونک دیا ۔۔۔ اور مزید غصے سے اس نے اپنا سر دیوار میں زور سے دے مارا ۔۔۔ اس کے خون نکلا ۔۔۔ سر میں بہت درد ہوا اور اس درد اور خون کو بھلا کر وہ بابا کے تھپڑ کو لے کر روتی رہی ۔۔۔ رات کے پہلے پہرے آخری پہر تک ۔۔۔ پھر اپنے اسکول بیگ میں اپنے چند کپڑے رکھ کر گھر سے نکل گئی ۔۔۔ چلتی گئی ۔۔۔ چلتی گئی ۔۔۔ گھر کی سڑک کو پار کیا۔ بڑی سڑک تک آئی۔ اسے بھی پار کر گئی' چلتی گئی ۔۔۔ چلتی گئی ۔۔۔ حد تو یہ کہ پہلی بار سڑک پر یہاں وہاں پھرتے آوارہ گندے سندے کتوں سے بالکل نہیں ڈری ۔۔۔ وہ آنکھوں میں اشک لیے ۔۔۔ کندھے پر اسکول بیگ لٹکائے ایسے چلتی جا رہی تھی جیسے خدانخواستہ دنیا میں اکیلی ہو۔

کچھ دور آگے جا کر سمجھ میں نہ آیا کہ اب کہاں جائے ۔۔۔ تو سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

"تھکا ڈالا تم نے مجھے امرحہ!" دادا اسی فٹ پاتھ پر اس کے ساتھ بیٹھ گئے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی۔ پہلے خود پانی پیا پھر اسے پلایا۔

"میں نے گھر چھوڑ دیا ہے۔" پانی پی کر وہ چلائی۔

"ایک دن تو تمہیں وہ گھر چھوڑنا ہی ہے ۔۔۔ وہ تمہارا گھر ہے بھی نہیں میرے بچے۔"

"جاتے کیوں نہیں ہیں آپ دبئی ۔۔۔ کر لیا ہے نا میں نے میٹرک ۔۔۔"

دادا گڑبڑا گئے۔ "میں بوڑھا' کمزور' بیمار شیمار رہنے والا بندہ اب کہاں جاؤں گا ملک سے باہر وہ بھی کمانے ۔۔۔ خود سوچ بچے ۔۔۔ کتنا بوڑھا ہو گیا ہوں میں ۔۔۔ اور بہرا بھی تو ہو گیا ہوں۔"

"تو وعدہ کیوں کیا تھا؟"

دادا بہت دیر چپ ہی رہے ۔۔۔ نو عمری پھر امرحہ جیسا دکھی دل ۔۔۔ اب کوئی جھوٹی تسلی اسے نہیں دی جا سکتی تھی۔

"تم کیوں نہیں چلی جاتیں امرحہ؟"

"کہاں۔" اس نے کندھے سے اسکول بیگ اتارا۔

"دبئی' امریکا' آسٹریلیا' کینیڈا' فرانس۔"

"میں امریکا' فرانس۔" وہ اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی کہ دادا کو کیسے کیسے لطیفے یاد آرہے ہیں۔ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

"ہاں نا ۔۔۔ مرزا کمال کی نواسی نے ایف ایس سی میں ٹاپ کیا ہے اس سال۔ اسے اسکالرشپ ملا ہے۔ دو دن ہوئے وہ کینیڈا چلی بھی گئی ۔۔۔ امرحہ! تو بھی ایف ایس سی میں ٹاپ کر لے۔"

"میں ۔۔۔؟"

"ہاں امرحہ بچے ۔۔۔ ٹاپ کر اور چلی جا ۔۔۔ مرزا کمال کی نواسی سات سال بعد آئے گی بلکہ سمجھ آئے گی ہی نہیں ۔۔۔ پڑھائی ختم ہونے کے بعد اسے کینیڈا میں ہی تین سال لازمی سروس کرنی ہو گی ۔۔۔ یوں ہو

گئے دس سال۔۔۔ دس سال وہ بھی کینیڈا میں۔۔۔ جہاں بیس پچیس لاکھ لگا کر جایا جاتا ہے' وہ مفت چلی گئی۔ دیکھ لو امرحہ! پڑھائی کے کتنے فائدے ہیں آپ خود کو منوالو تو دنیا آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیتی ہے۔" رات کے آخری پہر سڑک کے کنارے بیٹھے دادا اسے فلسفہ کے معلم اول ارسطو سے کم نہیں لگ رہے تھے جو سکندر اعظم کو تاریخی فاتحوں کی فتوحات بڑے سلیقے سے سمجھا رہا تھا۔

اور پھر سکندر اعظم بھی تو فاتح رہا تھا۔

اور یوں اس نے بہت دل سے دادا کے ساتھ جا کر کالج میں داخلہ لیا۔۔۔ رات دن پڑھائی۔۔۔ بس پڑھائی۔۔۔ ٹاپ کرنا ہے اس نے خود پر لازم کر لیا۔ اسے اتنا یقین تھا خود پر کہ وہ خود ہی سب فرینڈز' کلاس فیلوز کو بتاتی پھرتی۔

"مجھے تو کینیڈا جانا ہے۔۔۔ پورے دس سال رہوں گی وہاں۔"

"ڈاکٹر بن جاؤں گی۔۔۔ مزے سے اپنی زندگی گزاروں گی۔"

"ہاں' ہاں میرے پلان میں ہمیشہ سے یہی شامل تھا مجھے اپنی زندگی کسی یورپین کنٹری میں ہی گزارنی تھی۔"

"بس کسی طرح سے یہ دو سال گزر جائیں۔۔۔ امتحانات ہوں اور میں جاؤں۔۔۔"

ان دو سالوں میں وہ بہت خوش رہی۔ اس نے کینیڈا کی اتنی معلومات اکٹھی کر لیں کہ خود کینیڈین بھی وہ سب نہیں جانتے ہوں گے جو وہ جاننے لگ گئی تھی۔ دادا نے اسے وہ ساری کتابیں لا دیں جن میں لفظ کینیڈا شامل تھا۔

اور پھر رزلٹ آگیا۔۔۔ لیکن افسوس۔۔۔ وہ اے پلس بھی نہ لے سکی۔۔۔ رو رو کر اس نے اپنا حشر کر لیا۔ دادا نظریں چرائے چرائے پھرتے۔ چپکے چپکے دو تین جگہ اپلائی کیا اسکالرشپ کے لیے' لیکن جہاں ڈبل پلس والوں کی بھرمار ہو وہاں خالی خولی "اے گریڈ" کو کون پوچھتا ہے۔ دادا کو ان دنوں معلوم ہوا کہ ملک میں کتنی بڑی تعداد لائق فائق لوگوں کی ہے۔ جہاں جہاں وہ اس کا فارم جمع کروانے گئے تھے وہاں جم غفیر دیکھ کر انہیں خوشی تو ہوئی لیکن اپنی امرحہ کے لیے افسوس بھی ہوا۔ وہ اسی وقت سمجھ گئے کہ اسے مشکل سے ہی کوئی اسکالرشپ ملے گا۔۔۔ اور وہی ہوا۔ اسے معذرت کے تین آفیشل لیٹر آگئے اداروں کی طرف سے' ایڈمیشن فارم نہ آئے۔

گھر والوں کو خبر بھی نہ ہوئی کہ دادا پوتی کے درمیان کیا چل رہا ہے۔ امرحہ کا بخار اترنے کا نام کیوں نہیں لے رہا۔۔۔ امرحہ اور دادا میں بات چیت کیوں بند ہے۔۔۔ امرحہ اب دادا جی دادا جی کیوں نہیں کہتی پھرتی۔۔۔ اوپر سے کلاس فیلوز اور فرینڈز کے فون آتے رہے۔

"کب جا رہی ہو کینیڈا۔۔۔ دیکھو مل کر جانا۔"

"ہمت ہے تمہاری جو اتنی دور جا رہی ہو۔۔۔ میں تو سوچ کر ہی مرنے لگتی ہوں۔"

اس نے دو سالوں میں اتنے یقین سے اپنے جانے کے بارے میں کہا تھا کہ سب کو کامل یقین تھا کہ اب بس وہ گئی۔۔۔ وہ سب طنز نہیں کرتی تھیں' پر امرحہ کو تو طنز ہی لگ رہے تھے نا۔۔۔

☼ ☼ ☼

بابا نے اس کی منگنی کر دی۔۔۔ اس نے بھی کروالی کہ کینیڈا تو گئے نہیں دوسرے گھر ہی چلو۔۔۔ لیکن دوسرے گھر بھی نہ جا سکی۔۔۔ چھ ماہ بعد ہی منگنی ٹوٹ گئی۔ ظاہر ہے انہیں بھی خبر ہو گئی کہ اس لڑکی کی پیدائش اور بعد از پیدائش سے کیسے کیسے واقعات جڑے ہیں۔۔۔ بابا کو غصہ تو بہت آیا لیکن کیا کر سکتے تھے۔۔۔ اماں اور دادی پر ناراض ہوئے کہ کیوں ایسی ایسی باتیں کر کے اسے اتنا مشہور کر دیا ہے کہ اس کا رشتہ ہی ختم ہو گیا۔ اماں اور دادی پچھتائیں پر اب تو دیر ہو چکی تھی۔۔۔

پھر دوسرا رشتہ ہوا۔ بابا نے فوراً" شادی کی تاریخ دے دی لڑکے والوں کو۔ نہ منگنی نہ نکاح فوراً" شادی اور عین شادی سے پندرہ دن پہلے جس دن وہ اپنا شرارہ



پہن کر دیکھ رہی تھی' اسے لڑکے کی جوان بہن کے بیوہ ہونے کی خبر ملی۔۔۔ قصہ ہی ختم۔

اور اس بار اسے خاندان سے وہ وہ کچھ سننے کو ملا کہ اس نے دادی کی نیند کی گولیاں کھالیں۔

ہفتے بعد جب وہ ٹھیک ہو کر گھر آئی تو اس کا جی چاہا کہ پھر سے گولیاں کھالے اور فوراً" مر جائے۔۔۔ اماں بابا کونوں کھدروں میں چھپ چھپ کر روتے ہوں۔۔۔ دادی "ہائے میری جوان بچی ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔" کہہ کہہ ہچکیاں لیتی ہوں۔۔۔ اور دادا ہمیشہ کے لیے اس گھر کو چھوڑ دیں اور بابا' دادی دیوانوں کی طرح دادا کو ڈھونڈتے ہوں اور دادا رات کو چھپ کر اس کی قبر پر آتے ہوں۔ اسے اپنی موت کے تصور سے ایسے راحت ملی کہ سب روتے پھریں گے جنہوں نے اسے رلایا ہے مگر وہ صرف یہ تصور ہی کرتی رہی' دوبارہ ہمت نہ ہوئی موت کو گلے سے لگا لے۔ دادا اس سے بات کرنے کی اسے منانے کی کوشش ہی کرتے رہتے۔

جوان لڑکی نے خود کو ختم کر لینے کی کوشش کی اور یہ سب ان جاہلانہ باتوں کی وجہ سے ہوا تھا جو وہ بچپن سے اپنے لیے سن رہی تھی۔ اگر وہ نیند کی گولیوں سے نہ مرتی تو ذہنی دباؤ سے مر جاتی۔

"میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں امرحہ! کہ میں تمہیں پڑھنے کے لیے باہر ملک بھیج سکوں۔۔۔ شادی بھی تمہاری نہیں ہو رہی۔۔۔ میں نے تمہارے بابا سے بات کی تو وہ الٹا مجھ پر ہنسنے لگا کہ وہ تم پر اتنے لاکھوں روپے لگا کر تمہیں پڑھنے کے لیے بھیجے' اس سے اچھا ہے وہ تمہارے لیے سونے کے زیورات بنوا کر رکھ لے یا تمہارے نام کے پیسے بینک میں رکھوا دے تاکہ تمہاری شادی میں کام آسکیں۔

امرحہ! میں بے زار ہوں ایسے لوگوں سے' جو مقدس راتوں کو لمبی لمبی عبادتیں کرتے ہیں اور سال کے بارہ مہینے گناہ کی مختلف حالتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔۔۔ جھوٹ' حسد' بے ایمانی' غیبت سے خود کو بچانے کی رائی برابر جدوجہد نہیں کرتے اور وضو کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تمہاری سابقہ ساس جنہوں نے شادی کو ختم کیا' وہ مذہبی جلسوں میں احادیث کا حوالہ دے کر مذہبی تقاریر کرتی ہیں۔۔۔ میں اسی لیے بہت مطمئن تھا کہ تمہاری شادی وہاں ہو جائے۔۔۔ پر وہ بھی وہی خوش رنگ پھل نکلیں جو اندر سے گلا سڑا اور بدبودار ہوتا ہے۔۔۔ ہماری یہ منافقت معاشرے کے سکون کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔۔۔ ہم جو خود کو سیدھے راستے کی طرف سمجھتے ہیں ہم الٹی طرف جا رہے ہیں۔۔۔ الٹے پیروں جا رہے ہیں۔

امرحہ! میرے دل کے ٹکڑے! دوبارہ مرنے کی کوشش نہ کرنا' ورنہ میں بھی خود کو مار ڈالوں گا۔۔۔ اپنی تعلیم کو محنت سے ذمہ داری سے حاصل کرو۔۔۔ کوئی نہ کوئی رستہ ضرور بن جائے گا۔"

دادا نے اسے بلوچستان کا ایک اور پندرہ روزہ ٹور کروا دیا اور جیسے تیسے اسے منا کر کالج میں داخلہ دلا دیا۔ لیکن اب اس کی زندگی تھوڑی سے زیادہ تلخ ہو چکی تھی کہ اب اس کی دو منگنیاں ٹوٹ چکی تھیں۔۔۔ خاندان سے کوئی اسے لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ماموں نے اپنے بڑے بیٹے کے لیے دانیہ کا ہاتھ مانگ لیا۔

اماں اور دادی نے خود سے امرحہ کا کہا بھی لیکن ماموں دانیہ کے لیے ہی اصرار کرتے رہے۔

"اتنے ڈرپوک ہیں سب کہ رسک لینے کے لیے تیار ہی نہیں۔" وہ تلخی سے دادا سے کہتی۔

"جو خدا سے دور ہوتے ہیں وہ ایسے ہی خوف زدہ ہوتے ہیں۔"

میں تو خدا سے دور نہیں پھر میرے ساتھ یہ سب کیوں؟

"کبھی کبھی قدرت بے خبر سوئے پڑوں کے سر پر کنکر مارتی ہے تاکہ وہ بیدار ہو جائیں اور اپنے مقصد حیات کی طرف لپکیں۔"

☼ ☼ ☼

اسی دوران کچھ یہ بھی ہوا کہ جس سے اس کی منگنی ٹوٹی تھی اس کی شادی اس کی خالہ زاد مائرہ سے ہو گئی

—— مزید یہ کہ اس لڑکے کی فوراً "پروموشن ہو گئی اور کمپنی کی طرف سے اسے ایک بہترین گھر مل گیا۔ شادی کا تحفہ یورپ کا ایک ماہ کا ٹور —— مائرہ نے ایک دن اسے فون کیا۔

"میں نے تو افراسیاب سے کہا کہ مجھ سے شادی کر کے بچ گئے ورنہ اگر امرحہ —— خیر —— چھوڑو —— ویسے اچھے خاصے کنگلے ہو جاتے اور پتا نہیں کیا کیا ہو جاتا ان کے ساتھ۔"

وہ خاموشی سے مائرہ اور افراسیاب نامہ سنتی رہی —— عاجز آکر مائرہ نے پوچھا۔

"کچھ تم بھی بولو —— کچھ کہو۔"

اس نے فون بند کر دیا —— اتنا جواب ہی کافی تھا۔

کالج وہ جاتی رہی —— دادا سے کم کم بات کرتی۔ ان سے ناراض تھی۔ دادی اور اماں اب اسے گھر میں کچھ بھی نہیں کہتے تھے۔ گھر میں آگ بھڑکتی 'دادی کے پیر میں موچ آجاتی۔ حماد کا موٹر سائیکل کا حادثہ ہوتا یا بابا کو دکان پر کوئی نیا نقصان اٹھانا پڑتا —— کوئی کچھ نہ کہتا کیونکہ اب یہ ٹھیکہ زور و شور سے دوسروں نے لے رکھا تھا —— امرحہ کو ایسا لگتا کہ تاریکی کا گہرا جنگل ہے جس میں وہ بھٹکتی پھر رہی ہے لیکن روشنی کی کرن ہے کہ آکر نہیں دے رہی —— اسے لگتا کہ دنیا سب کچھ بھول جائے گی لیکن اس کے متعلق کچھ نہیں بھولے گی —— وہ دعا کرتی کہ کاش کوئی ہوا چلے اور سب کے ذہنوں سے اس کا نام مٹا ڈالے —— نہ کسی کو اس کا نام یاد رہے نہ اس نام کی شخصیت سے جڑے واقعات —— گھر میں مہمان آتے تو وہ لائبریری چلی جاتی —— وہاں بھی شام تک ہی رہ سکتی تھی —— پھر دادا اسے لیے لیے گھومتے پھرتے وہ دادا سے بات نہ کرتی مگر ان کے ساتھ ساتھ گھومتی رہتی —— دادا جانتے تھے وہ لوگوں کا سامنا کرنے سے خوفزدہ رہتی ہے خاص کر رشتے داروں اور جاننے والوں کا —— اور یہ خوف ان ہی لوگوں نے اس کے اندر پیدا کیا تھا۔

وہ خاندان کی تقریبات اور گھر میں کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی پھر بھی وہ ان سب میں بے حد مقبول تھی —— وہ ڈسکس کیے جانے کے لیے قہقہے لگانے کے لیے ایک بہترین موضوع تھی۔ سانپ سیڑھی کی وہ کھلاڑی جسے بار بار سانپ کھا لیتا ہے اور اس کی دم سے لٹکتا وہ سب سے نچلے درجوں میں آجاتا ہے —— بار بار۔

امرحہ جیسی خوب صورت لڑکی کو بار بار نچلے درجوں میں دیکھنا خاندان کی حاسد لڑکیوں کا پسندیدہ مشغلہ بھی تھا اور وہ حاسد لڑکیاں ہی کیا —— کون ہے جو اپنے لیے پہلا نمبر اور دوسروں کے لیے آخری نمبر پسند نہیں کرتا ——

لیکن انسان تو وہی ہے نا جو اپنی خود نمائی بے شک کرتا پھرے لیکن دوسرے کی خامی کی پردہ پوشی ہر حال میں کرے۔

اور ایسے انسان اب انسانوں کے ڈھیر میں کہاں ملتے ہیں ——

☆ ☆ ☆

اپنے آپ سے تلخ 'اپنے ماحول سے غمگین امرحہ دن بدن بوجھل اور بے زار رہنے لگی۔ نہ معلوم یہ قدرت کا طریقہ کار تھا یا قدرت کی ترغیب کہ اپنے اس بدتر ہوتے ماحول سے نکلنے کے لیے اس نے کوشش تیز تر کر دی۔ ڈیڑھ سال کے دوران اس نے مختلف بیرونی کالج و یونیورسٹیوں کے ہزاروں آن لائن اسکالرشپ فارم بھرے —— ففٹی پرسنٹ' سکسٹی پرسنٹ' سیونٹی پرسنٹ اس نے کسی یونیورسٹی کے کسی بھی طرح کی اسکالرشپ کو جانے نہ دیا۔ دادا نے اس دوران بابا کو منانے کی بہت کوشش کی کہ چند لاکھ کی بات ہے بیٹی پر لگا دیں۔ پڑھ لکھ کر لوٹا دے گی لیکن بابا کو یہ مشورہ ہی سراسر ایک مذاق لگتا ——

"بھلا پڑھنے لکھنے پر کوئی لاکھوں لگاتا ہے؟"

مانچسٹر یونیورسٹی کے طلبا کی سوسائٹی اپنے ذاتی فنڈ سے پانچ اسکالرشپ دے رہی تھی۔ اسے وہاں سے بھی انکار ہو گیا —— دو سالوں میں اس نے دو سو بار "سوری یو آر اے گڈ اسٹوڈنٹ 'بٹ وی کانٹ ہیلپ —— بیسٹ آف لک۔" (ہم معذرت چاہتے ہیں آپ



اچھی طالبہ ہیں لیکن ہم آپ کی اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتے) جیسی میلز پڑھی تھیں پھر اس نے گنتی چھوڑ دی تھی —— لیکن ظاہر ہے انکار 'ناکامی کی کوئی حد بلاشبہ نہیں ہوگی لیکن انکار سننے اور ناکامی سہنے والوں کی برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔

مانچسٹر یونیورسٹی کے اس انکار نے اسے ایک بار پھر گھٹنوں میں سر دے کر رلایا —— اور اس نے بہت خفا ہو کر بہت جل کر ایک آخری میل انہیں ضرور کی ——

"میں ہوں ہی منحوس ماری —— میں جل کر مر جاؤں تو ہی اچھا ہے —— بھاڑ میں جاؤ تم سب اور تمہاری اسکالرشپ آفر ——"

اگلے ہی دن اسے ایک لمبی میل موصول ہوئی جس میں انتھک کوشش کرنے اور کبھی نہ ہار ماننے پر ایک بڑا سا لیکچر تھا۔ ساتھ ہی دنیا بھر کے ان کامیاب انسانوں کی مثالیں تھیں جنہوں نے بدترین حالات میں شاندار کامیابیوں کی بنیاد رکھی تھی۔ ان میں سرفہرست نام محمد علی کلے اور چارلی چپلن کا تھا —— ساتھ ہی اسے بہت نرم انداز سے بتایا گیا تھا کہ میٹرک میں اس کا بی گریڈ ہے' ایف ایس سی میں صرف اے اور گریجویشن بھی بہت مشکل ہے کہ وہ اے پلس کے ساتھ کرلے ——

ایسی صورت میں جبکہ اس کے پاس شاندار اکیڈمک رزلٹ نہیں ہے' وہ کیسے اسے دوسرے شاندار تعلیمی قابلیت رکھنے والوں کے مقابلے میں اسکالرشپ دے دیں —— یہ تو سراسر ناانصافی ہوگی۔

"ہونہہ! آئے بڑے انصاف کے علم بردار ——"

آخر میں ایک چھوٹی سی سطر لکھی تھی۔ جو کچھ یوں تھی۔

"پھر بھی ہم سب سوچ رہے ہیں شاید آپ کے لیے کچھ کر سکیں۔ ہمیں وقت دیں۔"

اس نے وقت دے دیا۔ اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس دوران اس کا بی اے کا رزلٹ بھی آگیا۔ اے پلس تو جیسے بورڈ والوں نے اس پر حرام ہی کر دیا تھا کہ جتنی بھی محنت کر لے امرحہ کو اے پلس نہیں دینا —— وہ بہت خفا خفا سی رہی اپنے رزلٹ سے لیکن کیا کر سکتی تھی صرف اتنا کہ "اے پی —— پلس کا سائن صفائی سے لگا کر اپنی ڈگری مانچسٹر میل کر دی —— اور اس کی ذرا سی چالاکی کام کر گئی۔ پورا ایک مہینہ سوچنے کے بعد انہوں نے اسے کہا۔

"ہم آپ کو سیونٹی پرسنٹ اسکالرشپ آفر کر رہے ہیں۔ وہ بھی تیس فیصد ہر حال میں دو سالہ ڈگری کے دوران واپس کرنا ہوگا —— باقی کا پچاس فیصد آئندہ آنے والے پانچ سالوں کے دوران —— اپنی رہائش 'فوڈ آپ کو خود ہینڈل کرنا ہوگا۔ ہم صرف عارضی طور پر یہ سب مہیا کریں گے۔"

تو منحوس ماری اور جل مروں گی الفاظ کام کر گئے۔ انگریز نما پاکستانی لرز اٹھے اور اسے اسکالرشپ آفر کر دیا۔

دادا کے ساتھ جا کر چپکے سے اس نے اپنا پاسپورٹ بنوا لیا —— کچھ دادا کے اپنے اور کچھ دادا نے اپنے دوستوں سے قرض لیا اور باقی کا تیس فیصد جمع کر کے اس کے ہاتھ میں دیا۔

اب وہ دادا سے چہک چہک کر باتیں کرتی —— ان سے لاڈ کرتی —— کئی سالوں کی کٹی اب ختم ہوئی —— دادا پوتی میں پھر سے خوب بننے لگی —— اس کے انداز کچھ ایسے تھے 'جیسے ہمیشہ کے لیے جا رہی ہے —— اور دادا کے یوں کہ وہ ڈگری لے کر آئے گی تو کافی بدل چکی ہو گی اور رونا دھونا مرنا مارنا بھول چکی ہو گی۔

وہ دادا کے ساتھ چھوٹے بڑے ہوٹلوں میں کھانے کھاتی رہی —— اور ہر ہر قدم پر آس پاس ایسے نظر دوڑاتی جیسے سب کو الوداع کہہ رہی ہو ہمیشہ کے لیے —— دادا کچھ بھانپ سے گئے۔

"امرحہ! پڑھنے کے لیے بھیج رہا ہوں —— صرف پڑھنا وہاں —— یاد رکھنا صرف پڑھنے کی آزادی دے رہا ہوں باقی فیصلوں کی نہیں —— باقی سارے اختیارات آج بھی میرے اور تمہارے بابا کے پاس ہیں۔"

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلا دیا —— اس نے تو یہی سوچا تھا کہ وہاں بڑھے کی جاب کرے گی اور وہیں رہے گی پتا نہیں دادا کیا کیا سوچ رہے تھے —— اس کو

کبھی لڑکوں میں دلچسپی نہیں رہی اور وہ لکھ کر دینے کے لیے تیار تھی کہ ہو گی بھی نہیں۔

دونوں مال پر چلنے والی بگھی میں بیٹھے تھے جس کے آگے سفید گھوڑا جتا تھا۔۔۔ اس نے آج غور کیا تھا کہ یہ سب کتنا اچھا تھا۔۔۔ دادا کے ساتھ بیٹھنا اور جگمگ کرتی روشنیوں کو دیکھنا۔۔۔ کھوئے والی قلفی کھانا اور ہاتھ کو قلفی کے نیچے رکھنا۔۔۔ کھوئے والی قلفی جب گرتی ہے تو پگھل کر پوری کی پوری گرتی ہے اور یہ ایسا صدمہ ہوتا ہے کہ کسی تسلی سے زائل نہیں ہوتا۔ مزید پانچ دس قلفیاں کھانے کے بعد بھی بس وہی ایک گر جانے والی قلفی یاد آتی رہتی ہے۔

سیدھی روشن بڑی تاریخی سڑک پر گھوڑے کی ٹاپ نے وہ موسیقی پیدا کی جو صرف لاہور کے گھوڑے مال پر دوڑتے پیدا کیا کرتے ہیں۔۔۔ وہ ہنستے مسکراتے ان دو بچوں کی طرف گھر آئے جو عید کے تین دن عیدی جمع کرنے میں لگا دیتے ہیں اور صرف اس لیے گھر سے باہر نہیں نکلتے کہ مبادا ان کے پیچھے کوئی مہمان آجائے اور ان کی عیدی ماری جائے۔ تین دن عیدی جمع کرنے والے یہ دو بچے چوتھے دن گھر سے نکلتے ہیں اور کیا خوب نکلتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

"امرحہ دو دن بعد جا رہی ہے۔" کھانے کی میز پر دادا نے اعلان کیا۔

"کہاں۔۔۔" دادی نے پوچھا۔ وہ سمجھیں۔ اکثر بلوچستان جاتی رہتی ہے اب کے شاید پشاور کو نکل جائے اپنے دادا کے ساتھ۔

"مانچسٹر۔"

"وہ کیا ہے۔۔۔"

دونوں نے اپنی طرف سے دھماکا کیا تھا وہ پٹاخہ بھی نہ نکلا۔۔۔ نظر اتاری جانی چاہیے تھی ان سب کی جغرافیائی معلومات کی۔ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ مانچسٹر شہر کا نام ہے اور یہ شہر برطانیہ میں ہے۔

"کوئی رشتہ آیا ہے امرحہ کا وہاں سے۔" اس اگلے سوال پر دادا خاموش ہی ہو گئے۔

"تمہاری بیٹی اتنی قابل ہے کہ مانچسٹر کے میئر نے خود خط لکھ کر اسے بلایا ہے کہ ہماری یونیورسٹی میں آکر پڑھو۔" دادا نے طنز کیا۔

بھلے سے وائٹ ہاؤس سے خط آتا کہ اوباما کی اسسٹنٹ بنو آکر' کوئی فرق کب پڑنے والا تھا۔ سب آرام سے کھانا کھاتے رہے۔

"امرحہ باہر جا رہی ہے پڑھنے۔۔۔ دو دن بعد فلائٹ ہے اس کی۔"

اب فرق پڑا۔ اماں' بابا' دادی نے حیرت سے دادا کو دیکھا۔

"پیسے کہاں سے آئے۔۔۔" بابا غصہ دبا کر بولے۔

"مفت جا رہی ہے۔۔۔ سارا خرچہ یونیورسٹی نے کیا ہے۔"

"بابا! کیوں پاگل بنا رہے ہیں مجھے۔ آج کل کون مفت میں سب کرتا ہے۔۔۔ آپ نے اپنا پلاٹ تو نہیں بیچ دیا۔۔۔ وہ میں نے امرحہ اور دانیہ کی شادی کے لیے رکھا تھا۔"

پلاٹ کو بیچنے کی کوشش تو دادا نے بہت کی تھی پر وہ ایسی اجاڑ جگہ پر واقع تھا کہ بک ہی نہیں رہا تھا۔

"پلاٹ جہاں تھا اب بھی وہیں ہے۔۔۔ جا کر دیکھ آنا۔"

"کہیں نہیں آنا جانا۔۔۔ رشتہ دیکھا ہے اس کا ایک بس شادی ہو گی اس کی۔"

"رشتہ۔۔۔" امرحہ نے دادی کی طرف دیکھا اور اٹھ کر کمرے میں آگئی اور جلدی جلدی اپنا سامان پیک کرنے لگی۔۔۔ ساتھ ساتھ وہ خود کو تھپکی دے کر کہتی جاتی۔

"مجھے کوئی نہیں روک سکے گا۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔"

دادی' اماں' بابا میں باہر تکرار بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔ یہ کون سا رشتہ تھا جو اس برے وقت میں اس کے لیے آیا تھا۔۔۔ اب اس کا جی چاہا بلکہ اس نے دعا کی کہ اس کے بارے میں جو جو کچھ مشہور ہے وہ سب ان رشتے والوں تک پہنچ جائیں۔۔۔ اس کے خاندان والے انہیں فون کر کر کے بتائیں کہ لڑکی کیسی جنم جلی ہے منحوس ہے۔۔۔ کالی نظر۔۔۔ کالی زبان والی ہے۔۔۔ اور نہیں تو کوئی دادی کی زبانی تیار کردہ اس کا پیدائشی خلاصہ ان تک پہنچا دے کہ منگل کی دو کو کیا کیا ہوا تھا فقط ایک اس کی آمد سے۔

کوئی موقع تھا رشتے کا۔۔۔ اس کی انگلیاں گھس گئی تھیں میلز لکھ لکھ کر' آن لائن سکالر شپ فارمز بھر بھر کر اور دادی اور اماں اس کی شادی کی تیاریاں کر رہے تھے۔

وہ خود کو تھپکتی رہی اور کہتی رہی "میں چلی جاؤں گی۔۔۔ میں پرسوں جا رہی ہوں۔۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ دادا سب ٹھیک کر لیں گے۔" کہتے ہوئے وہ جلدی جلدی سامان بھی پیک کرتی رہی۔ پاسپورٹ کو حفاظت سے چھپا دیا کہ بابا غصے میں آکر اس کا پاسپورٹ ہی نہ جلا دیں۔

رات گزرتی رہی باہر سے ہنوز چاروں کی تیز آوازیں آتی رہیں اور پاسپورٹ کو چھپانے کے بعد وہ کمرے کے دروازے کے ساتھ لگی زمین پر بیٹھی کر اونگھنے لگی لیکن ساتھ ساتھ بڑبڑاتی رہی۔

"میں چلی جاؤں گی۔۔۔ میں تو جا رہی ہوں۔"

دادا نے دروازہ کھولا تو اسے دروازے پہ ہی اونگھتے پایا اور اس کی بڑبڑاہٹ کو کم زیادہ ہوتے سنا۔

تکیہ لا کر اس کے سر کے نیچے رکھا۔۔۔ زندگی میں وہ پہلی رات اتنی خوش تھی اور اس خوشی کی اسے اتنی فکر تھی کہ وہ بنا بستر کے فرش پر سو گئی تھی۔۔۔ انہیں دکھ ہوا۔ اس ماحول نے اسے اتنے دکھ نہ دیے ہوتے۔ اس گھر میں اس کی ایسی حیثیت نہ ہوتی تو وہ ہر رات ایسے ہی سوتی۔۔۔ رو رو کر آنکھیں سرخ کیے خوفزدہ نیند نہیں بلکہ آنکھیں موند کر پریوں کا انتظار کرنے والی نیند۔۔۔ دادا اس کے پاس ہی بیٹھ گئے اور اسے دیکھتے ہی رہے۔۔۔ اولاد نامی جس طوطے میں والدین کی جان ہوتی ہے وہ طوطا امرحہ تھی ان کے لیے۔

انہیں اتنا پیار امرحہ کے والد سے بھی نہیں تھا باقی کی اولادوں سے بھی نہیں تھا۔۔۔ ایک دن امرحہ ان سے خائف ہو کر پوچھنے لگی۔

"آپ بھی دوسروں کی طرح ہو جائیں نا۔۔۔ کیوں کرتے ہیں مجھ سے پیار۔"

وہ اس بات کا جواب نہیں دے سکے۔۔۔ قدرت ہمیشہ انسان پر اتنی مہربان ضرور رہتی ہے کہ اگر ساری دنیا اس انسان سے نفرت کرنے لگتی ہے تو کوئی ایک ضرور اس پر جان چھڑکتا ہے۔ وہ انسان کوئی بھی ہو سکتا ہے اور کوئی چرند پرند یا دوسری مخلوق بھی۔۔۔ بلاوجہ کی نفرت ضرور ایک بلاوجہ کی محبت کو ساتھ باندھ لاتی ہے۔۔۔ جیسے جیسے دوسروں کے لیے وہ ناپسندیدہ ہوتی گئی ان کے لیے پسندیدہ ترین ہوتی گئی۔۔۔ خدا بھی بھلا کبھی یہ بھولا ہے کہ اس کے بندے کے آس پاس بہت کانٹے اگ آئے ہیں۔۔۔ اور اب اسے ایک مہکتے ہوئے ہمیشہ ترو تازہ رہنے والے پھول کی اشد ضرورت ہے۔۔۔ تاکہ اس پھول کو پا کر وہ کانٹوں کی دی اذیت کو فراموش کر دے۔۔۔ دادا کیا جان سکتے تھے یہ تو خدا ہی جان سکتا تھا اور جو بہتر جان سکتا ہے وہی بہترین کر سکتا ہے۔۔۔ بے شک۔۔۔ بابا نے اسے دس ہزار روپے دیے کہ وہ ضروری خریداری کر لے۔۔۔ اماں اور دادی کا مزاج البتہ بہت برہم تھا۔۔۔ دادا کے ساتھ جا کر ہی اس نے ضروری خریداری کی۔۔۔ دانیہ نے اس کا سامان پیک کروایا۔۔۔ حماد اور علی دل مسوس کر اسے دیکھتے رہے۔۔۔ آخر وہ اتنی دور جا رہی تھی۔

دادا مسلسل دو دن سے اپنی آنکھوں کی جھڑی چھپا رہے تھے۔۔۔

"یہ پڑھنے جا رہی ہے بھاگ نہیں رہی۔۔۔ ماں باپ تو خوش ہوتے نہیں۔ تم دونوں اسے رخصت کر دو خوشی سے' یہ نہ ہو کہ جہاز کریش ہو یا یہ لاپتا ہو جائے۔۔۔"

دادا نے یہ چھوٹا سا لیکچر دادی اور اماں کو دیا تھا۔۔۔ اس کا جہاز کریش نہ ہو جائے یا وہ لاپتا نہ ہو جائے۔ دونوں نے اپنی برہمی کو ایک طرف رکھا اور اسے

دعاؤں میں الوداع کہا۔

وہ مانچسٹر کے لیے روانہ ہو گئی۔

شہر اسباق کے لیے۔

شہر آزاد کے لیے۔

شہر یارم کے لیے۔

☆ ☆ ☆

وہ برطانیہ کے تیسرے مصروف ترین ایئرپورٹ کی اونچی چھت تلے ایڑی کے بل گھوم گھوم گئی۔

"میں مانچسٹر آ گئی ہوں آگ لگانے۔"

اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر چلا کر کہا۔۔۔ چند لوگوں نے اسے حیرت سے دیکھا۔۔۔ لیکن اسے پروا نہیں تھی۔۔۔ وہ گھیر دار سفید شلوار اور گول دامن قمیص میں ملبوس تھی۔ اس کا سفید لمبا دوپٹہ مانچسٹر ایئرپورٹ کی صفائی کر رہا تھا اور خاص کر ہر آنے جانے والے کے سامان کے ساتھ الجھ رہا تھا۔۔۔ اس نے پھر سے دونوں بازو پھیلا کر ایڑی کے بل گھوم کر کہا۔

میں آ گئی مانچسٹر۔۔۔ میں اب کبھی نہیں رووں گی اور تم مجھے کبھی نہ رلانا۔"

برصغیر کے حاکم وقت کی سرزمین پر گھوم گھوم کر اس کا سفید دوپٹہ لہراتا بہت خوش کن لگ رہا تھا۔۔۔ خوش بختی کا اگر کوئی اشارہ تھا تو وہ اس وقت امرحہ کا ہی نعرہ تھا۔ مسرت و شادمانی کا اگر کوئی نقارہ تھا تو وہ یہی۔۔۔ یہی۔۔۔ ایڑی کے بل گھوم گھوم جانا تھا۔

سکون و راحت کے دریا کا اگر کوئی کنارا نہ تھا تو بس۔۔۔ وہ امرحہ کا وجود سارا تھا۔

اس کو کوئی لینے نہیں آیا تھا۔ وہ تین گھنٹے سے انتظار کر رہی تھی لیکن اسے کوئی گلہ نہیں تھا۔ وہ تین دن بھی انتظار کر سکتی تھی۔۔۔ اب اسے کہیں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

اسے اپنے نام کا بورڈ دور سے آتا ہوا نظر آیا۔۔۔ لانگ کراس بیگ لٹکائے ایک چائنیز کلس کورین لڑکی بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔

"میں ہوں امرحہ۔" وہ لپک کر اس کورین لڑکی کی طرف لپکی۔

"اوہ ہیلو۔۔۔ سوری مجھے دیر ہو گئی۔"

"کوئی بات نہیں، چلیں۔۔۔؟"

"دراصل جسے تمہیں لینے آنا تھا۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا آتے ہوئے۔۔۔ پھر مجھے آنا پڑا۔۔۔ زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑا۔"

امرحہ کی شکل بنی پھر اس کی ہنسی نکل گئی۔ ہانا آگے آگے چلنے لگی وہ اتنی تیزی سے چل رہی تھی کہ امرحہ کے لیے اس کا ساتھ دینا مشکل ہو رہا تھا۔۔۔ دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئیں۔۔۔ بلڈنگ تک آئیں۔ سامان اوپر لائیں اور فلیٹ کے اندر آ گئیں۔

فلیٹ خالی تھا۔۔۔ دو کمرے سامنے۔۔۔ چھوٹا سا لاؤنج اور لاؤنج کے سامنے ہی اوپن کچن۔۔۔ امرحہ کی آنکھیں کھل گئیں۔۔۔ ایسا صاف ستھرا فلیٹ اس کے لیے۔۔۔ واؤ۔

ہانا اسے ایک کمرے میں لے آئی، جہاں دو سنگل بیڈ رکھے تھے اور نہ جانے کیسے جگہ نکال کر فرش پر ایک فولڈنگ میٹرس بچھایا گیا تھا۔۔۔ جہاں میٹرس بچھا تھا یقیناً" وہ ان کے چلنے پھرنے کی چند قدمی جگہ ہو گی۔۔۔

"یہ آپ کا بستر ہے۔۔۔" اس نے فرشی بستر کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ اور امرحہ کا موڈ ہی آف ہو گیا۔ وہ کیوں سوئے نیچے۔

"برائے مہربانی اس کے علاوہ کسی چیز کو ہاتھ مت لگائیے گا۔" یہ فقرہ اس نے جبراً" مسکرا کر لیکن بہت درخواست گزار انداز میں کہا اور کیونکہ ہاف چائنیز تھی تو ذرا سا جھک کر کہا۔

جب تک وہ فریش ہوئی۔ ہانا نے اسے کافی اور سینڈوچز بنا دیے۔ "یہ میری طرف سے۔" چھوٹی سی ٹرے کو آگے کرتے ہوئے اس نے عاجزی اور ایسی خوشی سے کہا جیسے اپنی قیمتی خزانے میں سے اسے کچھ عنایت کر رہی ہو۔۔۔ امرحہ دیکھ کر رہ گئی۔۔۔ اتنی لمبی فلائٹ کے بعد اسے یہ چھوٹا سا خوان پیش کیا جا رہا تھا۔۔۔



"شاید یہ ابتدائیہ ہو اور اصلی سوپر (کھانا) رات میں ہو۔" امرحہ سوچنے لگی۔

"میں لیٹ ہو رہی ہوں۔۔۔ مجھے جانا ہے۔" اور جاتے جاتے بھی وہ پھر کہہ گئی۔ "کسی بھی چیز کو ہاتھ مت لگائیے گا پلیز۔"

لیکن وہ ایک ایک چیز کو ہاتھ لگاتی رہی۔۔۔ اسٹڈی ٹیبل پر رکھے نئی نئی اشکال والے پرفیومز کو اسپرے کرتی رہی۔۔۔ دراصل وہ صرف یہ دیکھ رہی تھی کہ وہ کس قدر اصلی ہیں۔۔۔ یعنی کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں کتنا بھی مہنگا اور ہائی برانڈ کا پرفیوم لے لیا جائے وہ اصل کی کاپی ہی ہوتا ہے اصل نہیں۔۔۔ سب کے پرفیومز بے دریغ اسپرے کرتے اسے کچھ کچھ حقیقت کا اندازہ ہو رہا تھا کہ پاکستان میں وہ اصل کی کاپی ہی خریدتی رہی ہے۔۔۔ پورا فلیٹ معطر ہو گیا اتنے ہائی کوالٹی پرفیومز سے۔ وہ۔۔۔ وہیں قریب ہی کچھ میک اپ کا سامان رکھا تھا وہ اسے دیکھتی رہی۔۔۔ کتابوں پر صرف ایک نظر ڈالی ایسے ایسے ٹائٹل تھے کتابوں کے جیسے عہد قدیم کی کتابیں عہد جدید کے لباس میں ملبوس پڑی ہوں۔۔۔

عہد قدیم سے اسے کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔۔۔ واش روم گئی۔۔۔ ایک ایک آئٹم کو چیک کیا، فیس واش، باڈی واش۔ لوشنز کو دیکھا۔۔۔ حتیٰ کہ باتھ ٹب کے کنارے پر رکھی چھوٹی چھوٹی بطخوں کو بھی۔۔۔ پھر وہ کچن میں آئی۔۔۔ ایک ایک کیبنٹ کو کھول کر دیکھا۔۔۔ فوڈ آئٹمز کو سونگھ کر دیکھا۔۔۔ دوسرا کمرا لاک تھا۔۔۔ لاؤنج میں رکھا ٹی وی اس نے آن کیا اور پہلے چینل چیک کرتی رہی پھر ایک میوزک چینل لگا کر کچن میں آ کر نوڈلز بنانے لگی۔۔۔ دو عدد نوڈلز کے پیکٹ بنائے۔۔۔ بڑے پیالے نما باؤل میں ڈالے۔۔۔ اور ایڈورڈ مایا کو سنتے سنتے کھا گئی۔ باؤل کو میز پر ہی رہنے دیا اور ٹی وی بند کر کے سنگل بیڈ پر آ کر سو گئی۔

"تمیں فیصد ادا کیا تھا انہیں۔۔۔ کوئی مذاق تھا۔" رات کو بارہ کے بعد کا وقت ہو گا، جب اسے اٹھایا جا رہا تھا۔

"مس پاکستان۔۔۔ پلیز اٹھیں۔" ایک نیا چہرہ اسے اٹھا رہا تھا۔ پہلے تو وہ سمجھی کہ یہ خواب ہے سو وہ بدستور سوئی رہی۔۔۔

"لیڈی امرحہ۔۔۔ پلیز۔۔۔ ورنہ میں آپ کی ناک کے پاس یہ ڈی ڈی اسپرے کر دوں گی۔۔۔ اینڈ ٹرسٹ می! اس کی اسمیل دنیا کی گندی ترین اسمیل ہے۔۔۔ کئی ہفتوں تک ناک میں گھسی رہتی ہے۔"

امرحہ تو خواب میں دادا کے ساتھ بیٹھی نہاری کھا رہی تھی۔

اسپرے کا ڈھکن کھلا اور دنیا کی گندی ترین بدبو اس کی ناک کے قریب آئی۔۔۔ وہ صحیح کہہ رہی تھی وہ کئی ہفتوں نہیں جانے والی تھی۔

"دادا۔۔۔" وہ چلا کر اٹھ بیٹھی۔

"ابھی میں نے اسپرے نہیں کیا۔۔۔" اس نے کندھے اچکا کر اسپرے کی بوتل پر ڈھکن رکھا۔

وہ اپنی سرخ بوجھل آنکھوں سے گہری سبز آنکھوں والی کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔۔۔ اس کی نظر دھندلا رہی تھی۔۔۔

ڈی ڈی کا ڈھکن پھر سے کھلا۔۔۔ اور اس کی ناک کے قریب آیا۔۔۔ اس نے ہاتھ سے پرے کیا۔۔۔ اس بار اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

"کتنا غیر مہذب انداز ہے یہ۔" امرحہ کی آواز روہانسی ہو گئی۔ گہری سبز آنکھیں پھیل گئیں۔

"غیر مہذب۔"

"تم لوگ کتنی بھی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں پڑھ لو، بنیادی اخلاقی اصول کبھی نہیں سیکھ سکو گے۔"

اس بار سبز آنکھیں طنز سے اسے دیکھنے لگیں۔ "ذرا صبر کے ساتھ باہر آ جائیے۔" وہ کہہ کر چلی گئی۔

امرحہ منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی۔ اس نے جان بوجھ کر زیادہ وقت لگایا کہ کرتی رہیں کھانے پر اس کا انتظار۔۔۔ لیکن باہر لاؤنج میں کوئی کھانے وانے کی میز سجی تھی نہ ہی کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں آ رہی تھیں البتہ ایک نہ دو پورے پانچ کا مجمع باہر بیٹھا تھا اور

میز پر نوڈلز کا وہ باؤل رکھا تھا جس میں کچھ نوڈلز بچے تھے۔ وہ مجمع اسے دیکھ رہا تھا۔

"بیٹھ جائیے۔" بھورے بالوں والی نے کہا جس نے ایشیائی طرز کی بالوں کی چوٹی گوندھ کر دائیں شانے کی طرف ایسے لٹکا رکھی تھی جیسے کنڈلی مارے بھورا سانپ کھڑکی کی چوکھٹ پر پڑا جھول رہا ہو۔ امرحہ بیٹھ گئی۔ شاید کھانے سے پہلے متعارف ہوتا ہوگا۔

"یہ مس پاکستان ہیں۔ امرحہ۔" ہانا نے کہا۔

"ہائے ۔۔۔ میں للی کول ہوں۔ اسکاٹ لینڈ سے۔" اسپرے والی نے اپنا تعارف کروایا۔

"میں شرلی مارگوٹ۔" بھورے بالوں والی نے کہا لیکن وہ مسکرانہ سکی۔

"آئی ایم بیٹی لو۔ میں جرمنی سے ہوں۔" بہت لمبی اور بہت پتلی بیٹی لو نے بے طرح مسکرا کر کہا امرحہ دیکھ رہی تھی کہ اس کی ہنسی اس کی آمد سے ہی قابو سے باہر ہوئی جارہی تھی۔

"میں عذرا ہوں۔ شکاگو سے ۔۔۔" لڑکھڑاتی اردو میں آواز آئی' مردانہ ہئیر اسٹائل کی حامل جسے وہ شارلٹ کرسٹینا ٹائپ سمجھ رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا ۔۔۔؟" ہانا نے بولنا شروع کیا۔

"میں صرف واش روم گئی تھی۔" وہ صاف مکر گئی۔ ہانا کا منہ کھل گیا "یہ جھوٹ بول رہی ہیں شرلی۔" شرلی نے آنکھ سے اشارہ کیا ہانا کو ۔۔۔ اور ہانا خاموش ہو گئی۔

"یہ ۔۔۔" شرلی نے میز پر رکھے باؤل کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے کیا معلوم اس کے بارے میں ۔۔۔ یہ تو پہلے سے یہاں رکھا تھا۔" اب کی بار وہ حقیقتاً "ڈر" گئی تھی اور اسے افسوس ہوا اس نے سارے نوڈلز کھا کر باؤل کو دھو کر کیوں نہ رکھا۔

"ٹھیک ہے امرحہ! آپ جا کر سو جائیں ۔۔۔ سوری آپ کو ڈسٹرب کیا۔"

"اور کھانا ۔۔۔؟" وہ کھڑی ہو کر پوچھنے لگی۔

وہ پانچوں پہلے اسے پھر آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ بیٹی لو نے گو منہ پر ہاتھ رکھ لیا لیکن امرحہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ اپنی ہنسی کو قابو میں کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"ابھی آپ کو اور بھوک لگی ہے ۔۔۔؟" عذرا نے پوچھا۔

"نہیں بھوک تو نہیں لگی ۔۔۔ پھر بھی کھانا تو کھاتے ہیں نا ۔۔۔" اس سے یہی بات بن سکی لیکن حقیقت میں اسے بھوک لگی تھی اور بھوک سے زیادہ اسے یہ انتظار تھا کہ آخر اس کے لیے کھانے کا کس قسم کا انتظام کیا گیا ہے ۔۔۔ کیا کیا بنایا گیا ہے اس کے لیے۔

"ہم بنا بھوک کے کھانا نہیں کھاتے لیڈی ۔۔۔" شرلی نے کسی قدر متانت سے کہا۔

"کھلاتے بھی نہیں؟" اس نے اردو میں کہا ۔۔۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا بس عذرا نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ کمرے میں آئی اور فرشی بستر پر آکر سو گئی۔ باہر جھنبھناہٹ ہوتی رہی ۔۔۔ "ہوتی رہے میں فیصد ادا کیا ہے۔" وہ سو گئی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن وہ اٹھی تو کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی "اف اتنی صفائی ۔۔۔ اتنی خوب صورتی۔"

بلڈنگ کے جس راستے سے وہ اس فلیٹ میں آئی تھی یہ اس کی پچھلی طرف کا منظر تھا جہاں سرسبز گھاس کا ایک کھلا قطعہ تھا اور اس سرسبز گھاس پر جگہ جگہ مختلف کیاریوں میں ڈھیر سارے پھول کھلے تھے ۔۔۔ قطعے کے پار سڑک جس پر دور دور تک گرد کا نشان نہ تھا۔ اتنی خاموشی جیسے کوئی نئی نوع انسان زمین پر اترا ہی نہیں۔

کمرہ خالی تھا ۔۔۔ سارا فلیٹ ہی خالی تھا ۔۔۔ بیڈ کورز بے شکن تھے' اسٹڈی ٹیبل پر ایک بھی پرفیوم موجود نہیں تھا ۔۔۔ واش روم میں کل رات تک نظر آنے والے سب ہی شیمپوز' فیس واش غائب تھے۔ وہ کچن



میں آئی تو کاؤنٹر پر ایک چٹ رکھی تھی۔

"یور بریک فاسٹ۔"

انڈا' جام' چار ڈبل روٹی کے پیس' دودھ اور شوگر ایک پلیٹ میں ۔۔۔۔۔ کافی کے مگ میں ایک مگ جتنی کافی اور سائیڈ پر رکھا ایک عدد ٹی بیگ ۔۔۔

باقی چاروں کیبنٹ کو ایک زنجیر سے پرو کر درمیان میں چھوٹا سا تالا لگا دیا تھا ۔۔۔ امرحہ کو ایک معمولی سا جھٹکا لگا یہ سب دیکھ کر ۔۔۔ بس یہی معمولی سا ۔۔۔ اس کے پاس کوئی فون نہیں تھا رات ہانا نے اس کی بات پاکستان کروا دی تھی ۔۔۔ اب ظاہر ہے اسے خود ہی فون کرنا ہوگا اگر وہ اس معمولی سے جھٹکے کے بارے میں دادا سے لمبی بات کرنا چاہ رہی تھی تو ۔۔۔ اور لمبی بات پر لمبا بل بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔

دوسری چٹ فریج پر لگی تھی۔ "نو بجے آکر ڈیلی تمہیں لے جائے گی یونیورسٹی تیار رہنا۔"

ناشتا کرکے وہ تیار ہو گئی۔ ٹھیک نو بجے ڈیلی نامی چھوٹی سی عورت نما بچی کہ لڑکی آئی۔

"میں ڈیلی ہوں۔ مجھے شرلی نے کہا تھا کہ تمہیں یونیورسٹی ڈراپ کرتی جاؤں۔"

"میں امرحہ ہوں ۔۔۔ میں آج پہلی بار یونیورسٹی جارہی ہوں۔"

"یہ تمہیں دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔۔۔" وہ مسکرائی اور امرحہ کو وہ مسکراتی ہوئی بہت اچھی لگی' ان فیکٹ امرحہ کو اس کی گھسی ہوئی جینز اور گھسے ہوئے شوز بھی بہت اچھے لگ رہے تھے اور اس کے برسلز والے دانت بھی کیونکہ وہ مانچسٹر یونیورسٹی میں قدم رکھنے جارہی تھی ۔۔۔ اسے سب اچھا ہی لگنا چاہیے تھا نا۔

"جلدی کرو ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔" ڈیلی تیزی سے باہر نکلی۔ فلیٹ کو لاک کرکے وہ اس کے پیچھے آئی۔ ڈیلی ایک منی سی سائیکل کو لیے تیار کھڑی تھی۔

"آجاؤ بیٹھ جاؤ ۔۔۔" اس نے اس منی سی سائیکل کی پچھلی نشست کی طرف اشارہ کیا۔

تو اس پر ڈراپ کرنا تھا اسے ۔۔۔ اس لیے خاص ڈیلی کو بھیجا گیا۔

"کیا ہوا امرحہ ۔۔۔ آجاؤ نا ۔۔۔ مجھے اپنی کلاس بھی لینی ہے۔"

وہ اس منی سی لڑکی کی منی سی سائیکل پر بیٹھ گئی' پہلے اپنی شرمندگی چھپاتی رہی' پھر اپنی ہنسی دباتی رہی ۔۔۔ سڑکوں پر سے گزرتے اس نے کسی طرف بھی نہ دیکھا اور ڈیلی کے پیچھے منہ چھپائے وہ اپنی ہنسی کی رفتار کم کرتی رہی۔

"دادا ۔۔۔" اس نے خیالوں میں دادا کو مخاطب کیا۔ "مجھے اتنی ہنسی آرہی ہے کہ میرا جی چاہتا ہے اس سڑک پر کود جاؤں اور پیٹ پر ہاتھ رکھ کر اتنی زور زور سے ہنسوں کہ سارا مانچسٹر اکٹھا ہو جائے۔ دادا! زندگی کیسے کبھی ہمیں چھوٹے' معمولی' بے کار قسم کے بہانوں پر ہنساتی ہے ۔۔۔ دادا! مجھے وقت کے یہ بہانے اچھے لگے جو اس نے میری زندگی میں پرو دیے۔"

اس دوران بار بار اس کی نظر ڈیلی کے ان چند بالوں کی طرف اٹھ جاتی تھی جنہیں ڈیلی نے سر سے بہت اوپر اٹھا کر چنی منی سی پونی میں باندھ رکھا تھا ۔۔۔ اور جو خدا معاف کرے پونی ٹیل کے نام پر خاصا گھرا کلنک کا ٹیکہ تھا ۔۔۔ ہوا میں لہراتے وہ کسی چھوٹی چڑیا کی دم جیسے لگ رہے تھے۔

ڈیلی سنجیدگی و متانت سے ایسے سائیکل چلا رہی تھی جیسے شاہ اردن کی سونے کی بگھی دوڑا رہی ہو ۔۔۔ سارا راستہ وہ امرحہ کی ہنسی کے فواروں کی بوچھاڑ سہتی رہی تھی ۔۔۔ اسے اتارنے کے بعد وہ بولی بھی تو صرف اتنا "کتنی موٹی ہو تم ۔۔۔ جاگنگ کیا کرو۔" ڈیلی کیسے اسے اپنی سائیکل پر گھسیٹ کر وہاں تک لائی تھی اس کی پیشانی کا پسینہ بتا سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ آکسفورڈ روڈ پر برطانوی طرز تعمیر کی تاریخ ساز عمارت کے عین سامنے کھڑی تھی۔ یونیورسٹی میں کیمپس کی آرک کے پیچھے ۔۔۔ جس کے اوپر بڑے سنہرے حرف میں یونیورسٹی آف مانچسٹر جڑا تھا' جس

کی بنیاد 1824ء میں رکھی گئی تھی۔
علم، حکمت، انسانیت جس درسگاہ کا موٹو تھا۔۔۔ جو قریباً" چالیس ہزار کے قریب اسٹوڈنٹس کو فیض یاب کر رہا تھا۔۔۔ دنیا کی دس بہترین درسگاہوں میں سے ایک "دی یونیورسٹی آف مانچسٹر"

وہ مین کیمپس کو۔۔۔ آرک کو دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس طرزِ تعمیر کی عمارتیں اس نے لاہور میں بھی دیکھی تھیں۔۔۔ یہ اسے کچھ کچھ لاہور عجائب گھر جیسی بھی لگی۔۔۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اندر کیسا جہان آباد ہے۔۔۔ دنیا کے کیسے لائق فائق قابل اساتذہ یہاں اکٹھے کیے ہیں۔۔۔ وہ کیسے کیسے شاگردوں کے استاد بنا دیے گئے ہیں۔۔۔ وہ ابھی کچھ نہیں جانتی تھی۔ اور وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ بہت جلد بہت کچھ جان جائے گی۔

اسٹوڈنٹس کا جم غفیر ایسے اندر جا رہا تھا جیسے اندر کوئی چیز مفت بانٹی جا رہی ہو جیسے کہ "بریانی" یا اٹلی کا وہ مشہور پیزا جو اٹلی میں بھی نہیں ملتا۔۔۔

"آجاؤ امرحہ" ڈربی کافی آگے جا چکی تھی۔

امرحہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔۔۔ اس نے پہلے سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑا کیا۔۔۔ یہ جدید طرز کا سائیکل اسٹینڈ بھی امرحہ کے لیے نیا تھا۔ خیر اب تو اس کے لیے بہت کچھ نیا ہونے والا تھا۔ اس کی آنکھیں گول گول گھوم رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرف دیکھے۔ بس جی چاہ رہا تھا سب ایک ہی بار جلدی سے دیکھ لے۔۔۔ اسٹوڈنٹس کی آمدورفت میں تیزی بھی تھی اور پھرتی بھی، اور وہ ایسے تھی جیسے کہ پھرتی اور تیزی سے ہم کبھی ملے نہیں اور سست روی سے ہماری بہت دوستی چل رہی ہے۔

"امرحہ! تیز چلو نا۔۔۔" ڈربی نے بیس قدم آگے جا کر گردن موڑ کر آواز لگائی۔۔۔ اس آواز پر اس نے ذرا سی تیزی دکھائی اور اس سے پندرہ قدم قریب ہو گئی۔ ڈربی سرسبز گراؤنڈ میں ایک گروپ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور اس کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ امرحہ کا اتنی دور سے ہی ذرا دم سا نکل گیا۔۔۔ وہ دس بارہ لڑکے لڑکیوں کا گروپ تھا اور ان میں شرلی کو اس نے فوراً" پہچان لیا۔ باقی عذرا کو پہچاننے میں اسے تھوڑا وقت لگا کیونکہ اس نے سر پر سیاہ نیٹ باندھ رکھی تھی۔

"السلام علیکم۔۔۔" اس نے ان کے قریب جا کر ذرا دبی دبی آواز میں کہا اگر ڈربی کے ساتھ اس کی سائیکل پر بیٹھے وہ ہنسنے سے ذرا جلدی فارغ ہو جاتی تو اس سے کچھ معلومات ہی لے لیتی۔

سب نے اپنا اپنا نام لے کر تعارف کروایا۔ اس دوران وہ جس خلوص سے مسکراتے رہے۔ امرحہ ہلکی پھلکی ہوتی گئی۔۔۔ وہ بلاوجہ ان کے دباؤ میں آگئی تھی۔

یہ سب تو بہت اچھے ہیں۔

ایک لڑکا اور دو لڑکیاں اٹھیں اور اسے ساتھ لے کر یونیورسٹی کینٹین میں آگئیں اور اسے کافی پلائی۔۔۔ جب وہ کافی کی آخری چسکی لے چکی اور گروپ کے لیڈر دائم اور گروپ کی لڑکیوں نوال اور بریرہ کی خوب صورتی کو دل ہی دل میں داد دے چکی تو دائم نے کچھ یوں بات شروع کی۔۔۔

"مس امرحہ! کیا آپ مجھے مکمل سنجیدگی اور توجہ سے سننے کا وعدہ کریں گی۔۔۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔" اس نے ٹھیک اسی انداز میں کہا جس میں بچے ایک ہاتھ میں چاکلیٹ چھپا کر اور دوسرے ہاتھ کو آگے کر کے کہتے ہیں۔ "پکا وعدہ میں رات میں چاکلیٹ نہیں کھاؤں گا۔۔۔"

"گڈ۔۔۔ کیونکہ مجھے کچھ شک سا ہے اس لیے پھر کہہ رہا ہوں کہ درمیان میں مت بولیے گا۔۔۔ ہم یہ تین لوگ جو آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔۔۔ ہم نے اور کچھ ان دوستوں نے جو تعلیم مکمل کر چکے ہیں یا جو ہم سے سینیئر ہیں نے ایک منصوبہ بنایا تھا کہ کیوں نہ ہم اپنی ذاتی کوششوں سے لائق فائق قابل پاکستانی اسٹوڈنٹس کو اسکالرشپ دیں۔۔۔ ہم انہیں اپنے جمع کیے گئے فنڈز سے یہاں بلوائیں تاکہ وہ پاکستانی اسٹوڈنٹس کو جو لائق تو ہیں لیکن اچھی تعلیم افورڈ نہیں کر سکتے انہیں آگے بڑھنے کا اور غیر ملکی سطح پر اپنا آپ منوانے کا موقع ملے، تاکہ یہ سب پھر پاکستان کی ترقی میں



اہم ثابت ہو سکیں۔۔۔ سادہ لفظوں میں ہم بے حد ذہین لیکن بے حد غریب اسٹوڈنٹس کو یہاں بلوا رہے تھے۔ جو پاکستانی یونیورسٹی میں بھی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ ہمارے تین لوگوں کے گروپ نے مختلف ذرائع سے فنڈز اکٹھے کیے۔۔۔ ہم نے مختلف ایونٹس میں اسٹالز لگائے، کچھ میوزک اور تھیٹر کیا۔۔۔ کچھ ہماری اپنی سیونگ تھی اور کچھ ہمیں ہمارے والدین، رشتے داروں، دوستوں اور مختلف کمیونٹیز کے مختلف افراد نے فنڈز دیے۔۔۔ اور ہم نے مطلوبہ ہدف پورا کر لیا۔

ہم صرف پانچ اسٹوڈنٹس ہی افورڈ کر سکتے تھے، وہ بھی اس صورت میں اگر وہ یہاں آتے ہی جلد سے جلد اپنی خوراک اور رہائش کی ذمہ داری اٹھا لیتے۔۔۔ اگر ہم انہیں خوراک اور رہائش بھی دیتے تو صرف تین ہی کو یہاں بلوا سکتے تھے۔۔۔

ہمیں ایک ہزار سے زیادہ درخواستیں موصول ہوئیں جن میں سے ہم نے پانچ کا انتخاب کیا۔۔۔ باقی کے جو ہزار اسٹوڈنٹس تھے، وہ بھی کسی سے کم نہیں تھے لیکن جن پانچ کا ہم نے انتخاب کیا تھا وہ گاؤں اور بہت چھوٹے قصبوں کے رہنے والے تھے اور ان کے لیے مانچسٹر یونیورسٹی آکر پڑھنے کے چانسز صفر تھے۔

وہ سب یہاں ایک ہفتہ پہلے ہی آچکے ہیں اور خوشی کی بات یہ ہے کہ آتے ہی انہوں نے اپنی رہائش اور خوراک کا انتظام کر لیا ہے کیونکہ وہ پڑھے لکھے ہونے کے ساتھ ہنرمند بھی تھے۔ اس لیے انہیں فوراً" یہاں جاب مل گئی۔۔۔ ان میں سے ایک گاڑیوں کے لاک ٹھیک کرتا ہے اور الیس ٹی ورکشاپ نے سیلیوٹ مار کر اسے جاب دی ہے۔۔۔ مجھے آپ کو یہ بتاتے ہوئے بہت فخر محسوس ہو رہا ہے کہ ہم ایک ایسے طالب علم کو یہاں لانے میں کامیاب ہو گئے ہیں جس نے اپنی پرائیویٹ تعلیم میں پنجاب بورڈ میں ٹاپ کیا تھا اور یہ تمام اس نے گاڑیوں کے لاک ٹھیک کرتے اور ایک دن بھی اپنی جاب سے چھٹی نہ کر کے کیا۔۔۔

ہمیں جتنی درخواستیں موصول ہوئیں، وہ کم و بیش سب ہی ایسی تھیں لیکن ایک آپ کی درخواست سب سے مختلف تھی۔۔۔ آپ کی تعلیمی اسناد میں کچھ بھی قابل ذکر نہیں تھا۔۔۔ آپ ان ہزار میں سے صفر تھیں۔۔۔ آپ لاہور جیسے بڑے تعلیمی شہر میں رہتی تھیں۔۔۔ جہاں اچھے تعلیمی اداروں کی بھرمار ہے۔۔۔ آپ پڑھنے کے لیے ایک اچھے کالج جاتی تھیں۔۔۔ آپ کے فادر کی پاکستان کے ایک بڑے بازار میں اپنی ذاتی دوکان تھی۔ آپ کے پاس اپنا ذاتی گھر تھا۔۔۔ آپ کوئی جاب بھی نہیں کرتی تھیں پھر بھی آپ کی تعلیمی قابلیت میں کچھ بھی قابل ذکر نہیں تھا۔۔۔ آپ کسی بھی طرح اس اسکالرشپ کی مستحق نہیں تھیں۔۔۔ آپ کی درخواست پر جواب بھی نہیں دیا جانا چاہیے تھا۔۔۔ لیکن ہم نے جواب دیا۔۔۔ آپ کی تعلیمی قابلیت دیکھ کر نہیں۔۔۔ آپ کی ذہنی حالت دیکھ کر۔۔۔ اپنی آخری میل میں آپ نے لکھا تھا "میں ہوں ہی منحوس ماری میں جل کر مرجاؤں تو ہی اچھا ہے۔" اس سطر پر ہم نے ذرا توجہ دی۔۔۔

ہماری ایک گروپ ممبر نے جو نفسیات کی طالبہ ہیں، آپ کی بھیجی گئی دوسری میلز بھی پڑھیں اور اس نے اپنی رائے دی کہ آپ کی ذہنی حالت بہت تباہ کن ہے۔ اتنی ناکامیاں اٹھانے کے بعد مزید ناکامی آپ کو بالکل توڑ دے گی اور مایوس ہو کر آپ کچھ بھی کر سکتی ہیں اس لیے ہم نے ایک مہینے کا وقت لیا آپ سے۔۔۔ ہم اس صورتحال پر حقیقتاً" کافی پریشان تھے ہم اپنے اسکالرشپ دے چکے تھے۔۔۔ آپ کو کیا دیتے۔۔۔ لیکن آپ کو اس کیفیت میں بھی نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

اس لیے اس بار ہم نے اپنی پاکٹ منی نکالی۔۔۔ کچھ دوسرے اسٹوڈنٹس سے رابطے کیے۔۔۔ اور پھر چالیس اسٹوڈنٹس نے آپ کے لیے فنڈز اکٹھے کیے۔۔۔ اور بہت مشکل سے۔۔۔ اتنی مشکل سے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔۔۔ ان چالیس اسٹوڈنٹس میں عیسائی، مسلم، انڈین، بنگالی، جاپانی، امریکن، فرنچ سب شامل ہیں۔۔۔ اس لیے یہاں خاص طور پر میں آپ کو یہ ذہن نشین کروا دوں کہ ان افراد کی اقوام کا احترام

آپ پر لازم ہے۔
ہم نے آپ سے پوچھا۔ کیا آپ ففٹی پرسنٹ افورڈ کر سکتی ہیں؟ آپ نے کہا نہیں۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ اس ففٹی پرسنٹ کے لیے آپ نے اتنی کوشش نہیں کی ہو گی جتنی ہم آپ کے لیے کر رہے تھے۔ لیکن آپ تھرٹی پرسنٹ ادائی پر مان گئیں۔۔۔ اگر آپ تھرٹی پرسنٹ پر نہ مانتیں تو آپ کے لیے مجھے اپنی وہ کار بیچنی پڑتی جو میں نے کالج کے زمانے میں اپنی پارٹ ٹائم جاب کی سیونگ سے خریدی تھی۔۔۔ یہ بات اچھی طرح یاد رکھیے گا کہ جن چالیس اسٹوڈنٹس نے آپ کے لیے فنڈز دیے ہیں وہ بہت امیر کبیر نہیں ہیں۔۔۔ سب پڑھنے کے ساتھ جاب کرتے ہیں اور ایک ایک پنی بچاتے ہیں۔۔۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ ہوا میں اڑ کر یا جادو سے یہاں نہیں آ گئیں۔۔۔ ہر روز ہم نے آپ کے لیے میٹنگ کی ہے۔۔۔ صورت حال پر غور کیا ہے۔۔۔ کوئی ایک بھی ہاں کر کے پیچھے نہیں ہوا۔۔۔ کمائے گئے اور بچائے گئے ایک ایک پونڈ کو انہوں نے آپ پر انویسٹ کیا ہے۔۔۔ انویسٹمنٹ کرنا سمجھتی ہیں آپ۔۔۔ انویسٹمنٹ اس لیے کی جاتی ہے کہ پیسے لگانے والے کو نفع ہو۔۔۔ اور یہ فائدہ وہ اس طرح لے رہے ہیں' تیسری دنیا کا ایک باشندہ تعلیم یافتہ ہو جائے' وہ اپنے ملک و قوم کا سہارا بنے۔۔۔ انہیں آپ ان کے دیے گئے پورے پورے پیسے واپس کریں گی۔ ایک کم نہ ایک پونڈ زیادہ۔۔۔ اور سارا منافع آپ لے جائیں گی۔۔۔ اس سارے منافع یا فائدے کے لیے انہوں نے انویسٹمنٹ کی ہے۔۔۔ میری بات کو برائے مہربانی سمجھیں اور یاد تو ضرور ہی رکھیں۔۔۔
جنہوں نے فنڈز دیے ہیں' وہ آپ کو نہیں جانتے۔ کوئی ایک بھی آپ کا نام نہیں جانتا۔۔۔ شکل سے تو بالکل بھی نہیں۔۔۔ تاکہ آپ کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔۔۔ ہم تین کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ فنڈز آپ کے لیے اکٹھے کیے گئے ہیں۔۔۔ ہم نے آپ کی عزت نفس کا پورا خیال رکھا ہے۔۔۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا کہ کوئی آپ کے پاس آ کر آپ کو کچھ بھی جتائے۔۔۔ اب میں دوسری طرف آتا ہوں۔
آپ سے کہا گیا کہ اپنی رہائش اور کھانے کا ذمہ آپ کو لینا ہو گا۔ آپ نے کہا آپ یہاں آ کر دیکھ لیں گی۔۔۔ گڈ۔۔۔ صرف یہی ایک اچھی اور مثبت بات تھی جو آپ نے کی تھی۔۔۔ جن پانچ لڑکیوں کے ساتھ آپ رہیں۔ ان سے ہم نے خاص درخواست کی تھی کہ وہ آپ کو عارضی طور پر چند دن اپنے پاس رکھ لیں۔۔۔ آپ کو ایئرپورٹ ریسیو کرنے کے لیے جانے والے جس شخص کا ایکسیڈنٹ ہوا' وہ ہمارے لیے رضاکار بنا تھا' جو آپ کو ایئرپورٹ سے لے کر گئی' وہ اپنے اس دوست کے لیے آپ کی مدد کر رہی تھی جس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔۔۔ جس بستر پر کل آپ سوئیں وہ میٹرس ان دونوں نے"
اس نے نوال اور بریرہ کی طرف اشارہ کیا۔
"اپنی باقی ماندہ بچی ہوئی سیونگ سے خرید کر وہاں رکھا۔۔۔ آپ کو ہانا نے منع کیا تھا کہ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا لیکن آپ نے لگایا پرفیومز کو اور ایسی ہی دوسری چیزوں کو۔۔۔ بلکہ مجھے کہنا چاہیے کہ سوائے کتابوں کے ہر چیز کو۔ آپ نے دو نوڈلز کے پیکٹ نکال کر کھائے۔۔۔ مس امرحہ وہ سب بہت اچھی میزبان ہیں۔۔۔ ان فیکٹ ہم سب جانتے ہیں کہ میزبانی کسے کہتے ہیں لیکن ہم سب اور وہ سب اپنے گھروں میں نہیں ہیں۔۔۔ ہم اپنے گھروں' شہروں' ملکوں سے دور یہاں اکیلے رہ رہے ہیں۔۔۔ اپنی مدد آپ کے تحت۔۔۔
کاش رات ہی ہانا تھوڑا سا آپ کو اپنے بارے میں بتا دیتی۔۔۔ وہ صرف دو وقت کھاتی ہے۔ صبح وہ نوڈلز کا پیکٹ کھاتی ہے اور رات کو جہاں وہ جاب کرتی ہے وہیں سے اسے ایک برگر ملتا ہے اور ایک کپ کافی۔۔۔ وہ ایک ایک پونڈ بچاتی ہے کیونکہ اپنے تعلیمی اخراجات وہ خود ہی اٹھا رہی ہے۔ کوریا میں رہنے والے اس کے گھر والے اسے اخراجات کے نام پر ایک پاکستانی روپیہ بھی نہیں بھیج سکتے۔۔۔ اس نے تن تنہا مانچسٹر میں لنے پڑھنے کا خواب پورا کیا ہے۔۔۔ شاید یہ باتیں آپ کو معمولی لگیں۔۔۔ آپ جو لاہور



کے تعلیمی اداروں میں پڑھتی ہیں اور جن کی فیس والدین ادا کرتے ہیں۔۔۔ آپ جنہوں نے کبھی کوئی جاب نہیں کی۔۔۔ نہ آپ کو جاب کی ضرورت پیش آئی ہے۔۔۔ آپ کو یہ سب معمولی لگے گا کیونکہ آپ نے کبھی زندگی میں سخت جدوجہد نہیں کی' وہ بھی مسکرا کر حوصلے سے۔۔۔ یہاں بہت سے ایسے اسٹوڈنٹس ہیں جو زیادہ کھانا نہیں کھاتے کیونکہ انہیں زیادہ کتابیں خریدنی ہوتی ہیں۔۔۔ وہ ایک جینز دو ٹی شرٹس میں یہاں سے اپنی ڈگری لے جاتے ہیں۔۔۔ اور مسکراتے ہوئے آتے ہیں مسکراتے ہوئے ہی جاتے ہیں۔۔۔ شرلی جن کے فلیٹ پر آپ رہ رہی ہیں' ان کے ساتھ رہنے کے لیے آپ کے پاس زیادہ سے زیادہ آج کی رات ہے۔۔۔ فائنل ڈیڈ لائن ٹھیک ایک مہینے کی ہے۔۔۔ آپ کے ایک مہینے کے کھانے کا سامان وہاں موجود ہے۔۔۔ آپ آج ہی اپنی رہائش اور جاب کا انتظام کر لیں۔" وہ رکا۔
"ویلکم ٹو مانچسٹر مس امرحہ۔۔۔" اس نے سانس بھی نہیں لیا اور پھر سے شروع ہو گیا۔
"یہ تو ہو گئیں آپ کے یہاں رہنے کے بارے میں کچھ تفصیلات۔۔۔ اب آپ کو میں کچھ تجاویز دیتا ہوں۔۔۔ یعنی اچھی باتیں۔" وہ مسکرایا۔
"برا مت مانیے گا لیکن یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان' انڈیا' سری لنکا اور ایسے ہی دوسرے ترقی پذیر ممالک سے آنے والے بہت شکاتی ہوتے ہیں۔۔۔ سست کاہل۔۔۔ بہانے باز۔۔۔ انہیں لگتا ہے بلکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ سب مشکلیں' مصیبتیں دکھ ان ہی کو مل گئے ہیں۔۔۔ رونے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔۔۔ آپ کی شکل بھی کچھ ایسی ہی لگتی ہے۔۔۔ روئیں لیکن بہت بڑے دکھ پر' تکلیف پر۔۔۔ لیکن مشکل پر نہیں۔۔۔ یہاں آپ کو کوئی چپ نہیں کروائے گا۔۔۔ اس لیے نہیں کہ یہاں سب خود غرض ہیں جیسا کہ یہاں کے لوگوں کے بارے میں سوچا اور کہا جاتا ہے۔۔۔ بلکہ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ رونا بے وقوفی ہے۔۔۔ میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ نوال اور بریرہ بھی یہی سمجھتی ہیں۔۔۔ اگر چھوٹی بڑی مشکلات پر رونے والے کو بار بار چپ کروایا تو وہ بزدل بن جائے گا' بہادر نہیں۔
مس امرحہ! اپنی سستی اور کاہلی کو بہانے بازی کو یہاں وہاں کوئی ڈسٹ بن دیکھ کر اس میں ڈال دیں یا آگ لگا دیں۔۔۔ اصل جل مرنا تو انہیں چاہیے۔۔۔ آپ لڑکی ہیں لیکن کمزور نہیں ہیں۔۔۔ ہمارے مذہب نے کہاں لڑکی کو کمزور کہا ہے۔۔۔ کہتے ہیں' مرد رویا نہیں کرتے۔۔۔ لیکن یہ کہنا مرد کے لیے ہی کیوں ہے؟ عورت کے لیے کیوں نہیں یا مرد کے ہاتھوں بنا معاشرہ یہ مقولہ کہلواتا ہے تاکہ عورت کو ہر سطح پر کمزور ثابت کیا جا سکے۔
مس امرحہ! آپ مانچسٹر یونیورسٹی آ چکی ہیں۔۔۔ آپ دوڑ میں شامل ہو چکی ہیں۔۔۔ یا تو گولڈ میڈل لیں۔۔۔ ورنہ دوڑ سے الگ ہو جائیں اور جا کر تماشائیوں میں بیٹھ جائیں اور یاد رکھیں! تماشائیوں کی بھیڑ میں آپ کو فوراً" جگہ مل جائے گی۔۔۔ دوڑ میں آپ اگر صرف انجوائے منٹ کے لیے آئی ہیں تو آخری نمبروں میں آنے سے بہتر ہے کہ آپ دوڑ سے نکل کر کسی اور کو آگے آنے دیں۔۔۔ میرا یقین کریں' دنیا میں جوہریوں کی کمی تو یقیناً" ہو گی لیکن ہیروں کی کسی صورت نہیں۔۔۔"
اس بار وہ رکا اور کافی دیر تک رکا ہی رہا۔
"یونیورسٹی میں ویلکم ویک چل رہا ہے۔۔۔ پھر اس کی کلاسز شروع ہو جائیں گی۔۔۔ اس ایک ہفتے کے درمیان آپ گول گول گھومیں یا زمین کھودیں' آپ کی رہائش کا بندوبست ہو جانا چاہیے۔۔۔ آپ کی جاب کا۔۔۔ آپ کے فوڈ کا۔۔۔ اگر آپ بھوکی نہیں رہ سکتیں تو۔۔۔ یہ سب آپ کے مسئلے ہیں اور یہ سب آپ حل بھی کر سکتی ہیں۔ کیا نہیں کر سکتیں؟"
اس کی گردن فوراً" نفی میں پھر ہاں میں ہلی۔
"آپ سب سمجھ گئیں نا؟"
"جی۔" اس نے اوپر سے سر ہلایا۔۔۔ اندر آنسوؤں کا ریلا دبایا۔
"گڈ۔۔۔ اب آپ جائیں اور زمین کھودیں۔۔۔ اوہ

میرا مطلب جاب ڈھونڈیں۔۔۔ اپنی ڈگری کے دوران آپ کو ہر صورت تھرڈ پرسنٹ واپس کرنا ہوگا۔۔۔ اپنے اخراجات کو آپ کو ایسے سنبھالنا ہوگا کہ آپ یہ تھرڈ پرسنٹ جلد سے جلد واپس کر سکیں۔۔۔ سمجھ گئیں آپ۔"

"جی۔" اس نے سرہلا کر بمشکل کہا۔

"نوال اور بریرہ اردو سمجھ لیتی ہیں تھوڑی بہت لیکن بول نہیں سکتیں۔۔۔ آپ کو زیادہ اچھی طرح سے سمجھ میں آجائے اس لیے میں نے آپ سے خطاب کیا۔۔۔ آپ کو برا نہیں لگنا چاہیے۔۔۔"

"مجھے برا نہیں لگا۔۔۔"

"ویل۔۔۔ آپ کی شکل تو کچھ اور ہی کہہ رہی ہے۔"

"میری شکل ایسی ہی ہے۔۔۔"

"ایسی کیسی۔۔۔؟"

"جھوٹ بولنے والی۔۔۔"

"اچھا۔۔۔ اب آپ کیا کریں گی۔"

"مجھے جاب ڈھونڈنی ہے۔۔۔ جلد سے جلد۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"بالکل ٹھیک کہا۔۔۔ ویسے آپ کی شکل بہت تیزی سے اور بہت سخت قسم کا جھوٹ بول رہی ہے مس امرحہ۔۔۔ اگر آپ کو رونا آئے تو کسی ایسی جگہ چلی جائیے جہاں آپ کو کوئی دیکھے نہ۔۔۔ ٹھیک ہے۔"

"جی ٹھیک ہے۔۔۔"

"پہلے جا کر اپنا اسٹوڈنٹ کارڈ بنوائیں۔۔۔ اپنی کلاسز کا معلوم کرلیں۔" وہ سہم سی گئی کہ ابھی یہ سب بھی کرنا ہے۔

"کارڈ۔۔۔ یہ کہاں سے بنے گا۔۔۔"

"آپ یونیورسٹی میں کھڑی ہیں اور سب اسی یونیورسٹی میں ہوتا ہے۔ یہ جو آپ اتنے سارے اسٹوڈنٹس دیکھ رہی ہیں۔ یہ سب بنا ڈرے اپنے سب ہی کام کر رہے ہیں۔۔۔ آپ بھی یونیورسٹی میں گھومیں پھریں کہ آپ کے کام کیسے ہوسکتے ہیں۔۔۔ یا آپ کو کیسے کرنے ہیں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پلیز دل ہی دل میں مجھے برا بھلا مت کہیے۔"

امرحہ کا رنگ فق ہوگیا وہ یہی کر رہی تھی۔

"اور پلیز، جب آپ کی جاب کا انتظام ہوجائے تو ہالا کے تو ڈالرز واپس کردیجیے گا۔"

"کردوں گی۔۔۔"

"اور۔۔۔ ایک اور بات۔۔۔ دوبارہ کبھی اپنی ڈگری سے چھیڑ چھاڑ مت کیجیے گا۔۔۔ خاص کر پلس کو ایڈ کرنے کی غلطی۔۔۔"

یہ آخری لیکن سب سے خطرناک بم تھا جو کینٹین کے شوروغل میں بہت اہتمام سے پھٹا۔۔۔ وہ ان کی طرف ایسے دیکھنے لگی جیسے ابھی ابھی افریقہ کے کسی قدیم قبیلے سے اسے یہی لوگ اٹھا کر لائے ہیں اور اسے بتا رہے ہیں کہ دیکھو ڈرو نہیں۔ وہ کوئی جنگلی درندہ نہیں، پیٹرول سے چلنے والی بڑی سی بس ہے، جس پر سفر کیا جاتا ہے اور جسے ایک ڈرائیور چلاتا ہے۔۔۔ وہ قطعاً "کوئی بڑا درندہ نہیں۔

ان تینوں کی شکلیں۔۔۔ جیسے قہقہوں کے دھماکوں کو وہ اندر ہی اندر دبا رہے ہوں۔۔۔ وہ اس آخری بات پر ہنسی کو دبانے کی کوشش کر رہے تھے اور اس میں کامیاب بھی تھے اور وہ دھاڑیں مار کر نہ رونے کی کوشش کر رہی تھی اور ناکام ہوئی جا رہی تھی۔۔۔ اس کی شکل سب بتا رہی تھی۔۔۔ اسے خیال سا آیا کہ اس کی نحوست کو لے کر اس پر جو حملے کیے جاتے رہے تھے۔ وہ کتنے معمولی سے تھے ان حملوں کے مقابلے میں جو مانچسٹر میں مانچسٹر والوں نے اس پر کیے۔

وہ تو ننھی سی چھوٹی سی بچی تھی۔ اسے خوش بھی نہ ہونے دیا گیا اور رلا دیا۔۔۔ رلا دیا۔

آنسوؤں کا سمندر اس کی آنکھوں میں تیرتا نظر آنے لگا۔ ان تینوں نے اس کی شکل کی طرف دیکھا اور بالکل خاموش ہوگئے پھر بائے کہہ کر اٹھ گئے۔۔۔ اگر وہ اس کے اولین استاد تھے تو کمال کے استاد تھے۔ انہوں نے اسے سمندر میں دھکا دے دیا تھا یا ڈوب کر مرجاؤ یا تیر کر ابھر آؤ۔۔۔ مانچسٹر میں ملنے والا پہلا سبق۔۔۔ مانچسٹر میں سنا جانے والا پہلا لیکچر اور مانچسٹر میں گرائے جانے والے اولین آنسو۔۔۔

"ویلکم ٹو مانچسٹر۔" (مانچسٹر میں خوش آمدید)

☆ ☆ ☆

وہ کینٹین سے نکلی اور ایک ایسا گوشہ ڈھونڈنے لگی جہاں کوئی نہ ہو لیکن ویلکم ویک تھا۔ یونیورسٹی میں ایسا رش تھا جیسے چودہ اگست کو مال پر ہوتا ہے۔۔۔ خاص کر چمن اور ریگل چوک کے پاس۔۔۔ خیر وہ سبزے پر بیٹھ گئی۔۔۔ اور منہ نیچے کر کے رونے لگی۔۔۔ آج اس کا پہلا دن تھا تو وہ بہت اہتمام سے تیار ہو کر آئی تھی۔۔۔ اس نے مسکارا بھی لگایا تھا اور آئی لائنر بھی۔۔۔ میک اپ کے نام پر وہ یہ دو چیزیں زیادہ استعمال کرتی تھی۔۔۔ کافی دیر تک وہ سوں سوں کرتی رہی۔۔۔ اس کا مسکارا پھیل گیا اور آنکھیں رگڑنے سے آنکھوں کے آس پاس اوپر نیچے سیاہی پھیل گئی۔۔۔ اس کے پاس ٹشو نہیں تھا۔ اپنے سفید دوپٹے سے وہ صاف کرنا نہیں چاہتی تھی۔ انگلیوں سے جتنی آنکھیں صاف کرسکتی تھی اس نے کرلیں لیکن چہرے پر کافی سیاہی پھیل چکی تھی اور وہ عجیب مضحکہ خیز سی لگ رہی تھی پر اب اسے پروا بھی نہیں تھی کہ وہ اچھی لگ بھی رہی ہے یا نہیں۔۔۔ جی بھر کر رونے کے بعد وہ اٹھی۔ ایک اسٹوڈنٹ اس کے پاس سے گزرا۔

"مجھے جاب چاہیے۔" آنکھوں کو رگڑتے اس نے کہا۔

"جاب۔۔۔؟ میرے پاس جاب نہیں ہے۔"

"پاگل! مجھے جاب چاہیے۔ کیسے ملے گی۔۔۔؟" اس نے اپنا غصہ اس پر اتارنا چاہا۔۔۔

"اوہ۔۔۔ مجھے تو ابھی خود ڈھونڈنی ہے۔" وہ کہہ کر چلا گیا۔

تین چار اور ایسے ہی نمونوں سے ملتی وہ ایک جگہ جا کر کھڑی ہوگئی اور آس پاس موجود دوسرے اسٹوڈنٹس کو دیکھنے لگی۔۔۔ وہ بہت تیزی سے آرہے تھے جا رہے تھے۔۔۔ ہنس رہے تھے، باتیں کر رہے تھے قہقہے لگا رہے تھے۔۔۔ وہ سب بہت خوش اور پرجوش تھے۔۔۔ ان سب کے چہرے دمک رہے تھے۔ وہ چالیس ہزار اسٹوڈنٹس میں بلکہ یونیورسٹی کی تاریخ میں پہلی لڑکی ہوگی جو ایسے ایک طرف کھڑی مزید رونے کی تیاری کر رہی تھی۔۔۔ وہ اپنے سنہری وقت کو برباد کر رہی تھی۔۔۔ وہ چپ کھڑی سب کو دیکھتی رہی۔۔۔ پھر اسے خیال آیا کہ اسے بھی چلنا پھرنا چاہیے۔۔۔ اور ایک دم اسے یاد آیا کہ اسے اپنا اسٹوڈنٹ کارڈ بنوانا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ کارڈ صرف آج کے دن ہی بنے اور آج ہی نہ بنوانے پر اسے یونیورسٹی سے نکال دیا جائے۔

وہ پرجوش اسٹوڈنٹس کے ریلے میں شامل ہوگئی اور اونگوں بونگوں کی طرح منہ اٹھا کر چلتی رہی۔۔۔ گھومتی رہی۔۔۔ ایک سے دوسرے کیمپس جیسے وہ کسی تاریخی عمارت کا جائزہ لینے آئی ہو، پڑھنے نہیں۔۔۔

"آپ کچھ ڈھونڈ رہی ہیں یقیناً۔" گہرے جامنی یونیورسٹی کلر کی شرٹ پہنے اور Ask me (مجھ سے پوچھیں) کا بورڈ ہاتھ میں لیے وہ خود ہی اس کے قریب آیا تھا۔۔۔ وہ دو تین بار اس کے پاس سے گزری تھی بلکہ وہ کئی بار Ask me کے پاس سے گزری تھی۔

"مجھ سے پوچھیے میں آپ کی مدد کروں گا۔"

اوہ اچھا۔۔۔ Ask me کا بورڈ وہ اس لیے لیے گھوم رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی ویب سائٹ کی پروموشن کر رہا ہے۔

"مجھے اسٹوڈنٹ کارڈ بنوانا ہے۔۔۔" یہ کہتے وہ اس کی بے جا لمبی ناک کو دیکھنے لگی۔

"ویل یہ تو بہت ہی آسان ہے۔۔۔ یہاں چلی جائیں۔" اس نے اس کے ہاتھ ایک نقشہ دیا۔ اس پر ایک جگہ سرخ دائرہ لگایا۔

"آپ کا دن اچھا رہے۔۔۔" وہ مسکرانے لگا۔۔۔ اس کی لمبی ناک پھیل سی گئی۔۔۔ وہ پھر سے اس کی ناک کو دیکھنے لگی۔

"کچھ اور پوچھنا ہے۔" وہ جزبز ہوا۔ یقیناً" وہ جان گیا تھا کہ وہ مضحکہ خیز انداز سے اس کی ناک کو گھور رہی ہے۔

اب وہ ہاتھ میں پکڑے نقشے کو دیکھنے لگی اسکول کے کورس کی کتاب کے نقشے کے علاوہ یہ اس کے ہاتھ میں آنے والا پہلا نقشہ تھا جو کسی عمارت کا تھا۔۔۔ اور وہ دعوے سے کہہ سکتی تھی۔ وہ اس نقشے کو استعمال کر کے بھٹک تو کئی بار سکتی تھی لیکن اصل مقام پر پچاسویں کوشش پر بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔۔۔ مزید کسی سے کوئی لیکچر نہ سننا پڑے۔ وہ آرام سے نقشہ لے کر بھٹکتی رہی۔۔۔ بھٹکتی رہی۔۔۔ اسے ایک ڈر اور بھی تھا کہ کہیں دائم ثوال وغیرہ اس کے پیچھے نہ ہوں کہ دیکھیں یہ اپنے کام کر بھی پاتی ہے کہ نہیں۔۔۔

ادھر ادھر گھومتے تین چار بار آسک می نے اسے نوٹ کیا۔

"آپ جا کیوں نہیں رہیں۔۔۔؟" نقشہ دینے والا اس کے پاس آیا۔

"مجھے راستہ ہی نہیں مل رہا۔"

میں نے نشان لگایا تو ہے۔۔۔ بورڈز پڑھتی جائیں اور چلتی جائیں۔"

"آپ مجھے چھوڑ آئیں۔"

"ہائیں۔۔۔" اس کی دونوں آنکھیں کچھ زیادہ ہی پھیل گئیں۔ امرحہ کا انداز ہی ایسا تھا کہ بھائی ذرا مجھے میری دوست کے گھر تک تو چھوڑ آؤ۔

اس بار اس نے باقاعدہ ہاتھ سے اشارے کر کے اسے سمجھایا۔۔۔ یہاں سے دائیں پھر سیدھا۔۔۔ پھر تھوڑا سا بائیں طرف۔۔۔

"میری نہیں سمجھ میں آرہا۔۔۔ آپ مجھے چھوڑ آئیں۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈر۔۔۔!" اس بار وہ بے چارہ ایسے حیران ہوا جیسے اس کا کوئی مردہ رشتے دار اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا ہو۔

"کیسا ڈر۔۔۔؟ آج ہالوین نہیں ہے۔"

"مجھے ان سب سے ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے آس پاس چلتے پھرتے ہر قوم و نسل کے لڑکا لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

امرحہ کی طرف اچنبھے سے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے ایک قہقہہ لگانا ضروری سمجھا پھر واکی ٹاکی نکال کر بولنے لگا۔

"جارج۔۔۔ سنو ایک ہندوستانی لڑکی۔"

"پاکستانی۔۔۔" اس کی بھنویں تن گئیں۔

"جارج! ایک پاکستانی۔۔۔ بلیو اینڈ وائٹ۔"

"ڈارک بلیو شرٹ اور روائٹ دوپٹا۔۔۔"

"ڈارک بلیو شرٹ اینڈ وائٹ دوپٹا۔۔۔"

"دو۔۔۔ پٹا۔"

"ڈوپاٹا۔۔۔ میں آئے گی۔ اسے پلیز آگے سے آگے ریفر کرتے جانا اور اسے اسٹوڈنٹ کارڈ کاؤنٹر تک پہنچا دینا۔"

"ریفر کیوں کرنا ہے۔۔۔ اتنا وقت کس کے پاس ہے۔" جارج کی آواز اس نے بھی سنی۔

"اسے ڈر لگ رہا ہے۔" لمبی ناک والے نے سنجیدگی سے کہا۔

"ڈر۔۔۔ کیا مذاق ہے یہ۔۔۔"

"وہ سنجیدہ ہے۔۔۔ مکمل سنجیدہ۔۔۔ یا یونیورسٹی میں اعلان کروا دو کہ سب تھوڑی دیر کے لیے یونیورسٹی کو خالی کر دیں تاکہ وہ اسٹوڈنٹ کارڈ بنوا سکے۔۔۔ تم سن رہے ہو جارج۔۔۔"

جارج یقیناً "سن رہا تھا۔۔۔ کیونکہ اس کا بلند بانگ قہقہہ امرحہ نے سنا تھا۔۔۔ حد ہے کوئی اسے سمجھ کیوں نہیں رہا آخر۔۔۔

"اس طرف چلتی جائیں۔۔۔ اگلے آسک می کو اپروچ کریں۔"

اس نے دائیں طرف اشارہ کیا۔۔۔ وہ دائیں طرف چلی گئی اور ایک آسک می کے پاس جاکر کھڑی ہو گئی۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگا کہ جو پوچھنا ہے وہ پوچھو۔۔۔

"میں مزید آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" اس نے خود ہی پوچھ لیا۔ یعنی یہ وہ جارج نہیں تھا' جسے اسے اپروچ کرنا تھا۔

"مجھے اسٹوڈنٹ کارڈ بنوانا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ یہ لیں یہاں چلی جائیں۔" اس نے بھی نقشے پر سرخ دائرہ لگا کر اسے دیا۔



"مجھے میپ نہیں چاہیے۔"

"تو۔۔۔ انتظامیہ نے ابھی تک ایربس کا انتظام نہیں کیا یہاں۔"

اف کتنی تیز زبانیں تھیں ان سب کی۔۔۔

"مجھے وہاں تک چھوڑ آئیں۔"

"میں کیوں۔۔۔؟ آپ کو آسانی سے راستہ مل جائے گا۔۔۔ ویسے میں آپ کو بتا دوں۔ میں آسک می ہوں "ڈراپ یو" نہیں۔"

"نہیں مل رہا راستہ۔۔۔"

"سب اپنے اپنے راستے ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ کو بھی مل جائے گا۔"

"سب تیز ہیں۔۔۔ چالاک ہیں۔۔۔ مکار ہیں۔۔۔ میں نہیں ہوں۔۔۔ میں ڈرپوک ہوں۔" اس نے روانی سے اردو میں کہا اور خاموش ہو گئی اور صرف کندھے اچکائے کہ بس نہیں مل رہا۔

"سب ذہین ہیں۔۔۔ ذمہ دار ہیں۔۔۔ پڑھے لکھے ہیں اور خاص طور پر اپنی مدد آپ کے قائل ہیں۔" جواب اردو میں آیا۔ اس نے جھٹکے سے سر کو اٹھا کر اس انگریز کو دیکھا جس کی گہری بھوری آنکھیں تھیں اور سفید سرخی مائل رنگت تھی۔۔۔ اور بڑے بڑے کان تھے۔۔۔ کچھ زیادہ ہی بڑے کان تھے۔

اس کا واکی ٹاکی بولا۔

"بلو شرٹ وائٹ ڈوپاٹا۔۔۔ پاکستانی۔۔۔ نظر آئے تو پلیز آگے ریفر کریں۔"

"میں تھک گئی ہوں چلتے چلتے۔۔۔ مجھے بھوک بھی لگی ہے۔۔۔ مجھے کتنا اور آگے ریفر کریں گے۔"

"یہ آپ کا پہلا دن ہے؟"

"جی۔۔۔"

"آپ پہلے ہی دن تھک چکی ہیں۔۔۔ آسک می کا بورڈ پکڑے یہاں کھڑے یہ میرا تیسرا دن ہے۔۔۔ میں ابھی تک نہیں تھکا۔"

"آپ لڑکے ہیں۔۔۔"

"آپ جیسی لڑکیاں بھی نہیں تھکیں۔" اس نے دور کھڑی ایک لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو بورڈ لیے کھڑی تھی اور تیزی سے اسٹوڈنٹس کی رہنمائی کر رہی تھی۔

"آپ ہم سے کچھ بھی پوچھ کر ہم پر احسان نہیں کر رہیں بلکہ ہم کر رہے ہیں۔ آپ نہیں ہم تھکے ہیں۔۔۔ ہمیں اس کام کے پیسے نہیں مل رہے۔ ہم یہ بورڈ لے کر رضاکارانہ خدمات پیش کر رہے ہیں۔۔۔ آپ ایک باس کی طرح ہم پر حکم نہیں چلا سکتیں۔۔۔ تھک گئی ہیں تو سینما جاکر بیٹھ کر ٹام اینڈ جیری دیکھیں۔ آپ کی تھکن اتر جائے گی۔"

"آپ کو بات کرنے کی تمیز سیکھنی چاہیے۔"

"آپ کو تھکن اتارنے کی مشق کرنی چاہیے۔"

"میں بہت باہمت ہوں۔" اس نے جتا کر کہا۔

"بیسٹ آف لک۔" اس نے کہہ کر منہ دوسری طرف کر لیا کہ اب جاؤ۔

وہ دوسری طرف جاکر ایک لڑکی سے پوچھنے لگی اور آخر کار پوچھتے پاچھتے اسٹوڈنٹ کاؤنٹر تک آگئی۔۔۔ اور اپنے کاغذات دینے کے بعد تصویر کے لیے ڈیجیٹل کیمرے کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔

"تمہارا کچھ گم ہو گیا ہے؟" کاؤنٹر سر نے کاؤنٹر سے اپنا آدھا گنجا سر آگے کر کے مسکرا کر اس سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔"

"تو مسکراؤ بھئی۔۔۔ تم مانچسٹر میں ہو۔"

"مانچسٹر میں مسکرانا پڑتا ہے۔۔۔؟"

"بالکل۔۔۔ کیونکہ مانچسٹر مسکرانے پر مجبور کر دیتا ہے۔۔۔ یہاں اداسی کا کیا کام۔۔۔ یہ تو دنیا بھر کے Swans (راج ہنس) کی جگہ ہے۔" وہ مسکرا دی۔

"بلیک سوان۔" اسے بڑبڑاہٹ سنائی دی اور اس کی تصویر کھینچ دی گئی۔

"یہ نہیں۔۔۔ ایک اور پلیز۔" اس نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔"

اس بار وہ مسکرائی اور وائٹ سوان بن گئی۔۔۔ کیونکہ وہ دل سے مسکرائی وہ مسکراہٹ جو اس نے یہاں آکر سیکھی تھی۔

کیونکہ اسے رونے کی عادت تھی۔۔۔ اسے یہی

عادت ڈالی گئی تھی۔ بات بات پر رونے کی۔۔۔ اسے بات بات پر رلانا سب کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔۔۔ اور وہ دل چھوٹا کر بیٹھتی تھی کیونکہ اسے دل بڑا کرنا سکھایا ہی نہیں گیا تھا یہی اس کا ماحول تھا جو اسے ملا تھا۔۔۔ اسی ماحول کی وہ عادی تھی اسے نہیں بتایا گیا تھا کہ جس زمین پر رینگا جاتا ہے اس پر شان سے چلا بھی جا سکتا ہے اور دوڑا بھی۔۔۔ وہ ایسی ہی رینگتی ' روتی دھوتی زندگی گزارتی رہتی اگر وہ یہاں نہ آتی۔۔۔ کیونکہ اسے کبھی نہیں کہا گیا تھا "یو آر اے برڈ مائی ڈیر۔۔۔ فلائی جسٹ فلائی۔" (میری پیاری تم ایک پرندہ ہو۔۔۔ تو تم اڑو۔۔۔ بس اڑو)

اسے تو کہا گیا تھا کہ تو منحوس ہے۔۔۔ بدبخت ہے۔۔۔ کالی نظر اور کالی زبان والی ہے۔۔۔ مانچسٹر یونیورسٹی کے پھاٹک سے اندر آتے ہی کچھ اور سکھایا جا رہا تھا۔

"مسکراؤ کہ رونے کے لیے زندگی میں کوئی دن نہیں بنا۔۔۔"

"اڑو کہ اڑنے کا حق صرف پروالوں کے پاس ہی نہیں۔"

"اور ایسے کھل کر مہکو تم سے بہتر گلستان میں کوئی گل نہیں۔"

"تم سب کر سکتی ہو۔۔۔ تمہارے پاس سب ہے۔ تمہارے ہاتھ میں سب ہے۔۔۔ ناکامی اور مایوسی کی فضا میں ہمیشہ سانس بھرنا تم پر فرض نہیں۔"

کارڈ لے کر وہ بہت خوش ہوئی۔ اس نے کاؤنٹر سر کا شکریہ ادا کیا بس اتنی ہی سی تو بات تھی۔۔۔

اس کی سمجھ میں آگیا کہ اس درس گاہ کو دنیا کی بڑی درس گاہوں میں کیوں شمار کیا جاتا ہے۔ اس درس گاہ نے اسے پہلے دن ہی رینگنے سے چلنا سکھا دیا تھا۔۔۔ ذمہ داری۔۔۔ خود اعتمادی۔۔۔ آگے بڑھ کر کر لینے کی صلاحیت عطا کر دی تھی۔

ہاتھ میں کارڈ لے کر وہ اپنی مسکارا پھیلی سیاہی سے اٹی آنکھوں کو دیکھنے لگی اور ہنس پڑی۔۔۔ وہ پرجوش تھی۔۔۔ کچھ بھی نہیں ہوا تھا اگر وہ بدصورت بھی لگ رہی تھی تو۔۔۔ یہاں دماغ والوں کو سیلوٹ کیا جاتا تھا۔ خوب صورت چہروں کو نہیں۔۔۔ اور دماغ کو کام میں لانا کچھ ایسا مشکل بھی نہیں تھا۔۔۔ سب آسان تھا۔۔۔ سب۔۔۔ کچھ بھی دور نہیں تھا۔ سب پاس تھا دونوں ہاتھوں کی دونوں مٹھیوں میں تھا۔۔۔ ڈیپارٹمنٹ سے نکل کر وہ باہر آگئی۔۔۔ دن روشن تھا اور ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ اس کے بال نرمی سے لہرانے لگے۔ اس نے اپنے بیگ کا اسٹرپ لمبا کیا اور اسے دوسرے اسٹوڈنٹس کی طرح کراس کر کے پہن لیا (دائیں سے بائیں طرف) اور اعتماد کے ساتھ چلنے لگی۔

"امرحہ واجد" گولڈ میڈل لینے کے لیے دوڑ میں پوری جان سے شامل ہو چکی تھی۔۔۔ تماشائیوں کی خالی نشستوں پر اسے کسی صورت نہیں بیٹھنا تھا۔۔۔ اس کے نام کی نشست اب وہاں کبھی نہیں ہوگی۔

☆ ☆ ☆

آکسفورڈ روڈ پر وہ سیدھی چلتی جا رہی تھی۔ صبح اس نے وہ منا سا ناشتا کیا تھا اور اب اسے بھوک لگی تھی لیکن وہ کھانا کھانے نہیں جا رہی تھی نوکری کی تلاش کے لیے جا رہی تھی۔ یونیورسٹی کے اندر کی طرح باہر بھی اسٹوڈنٹس کی بہت رونق لگی تھی۔ کچھ دور ذرا آگے سڑک کے اس پار اسے چرچ نظر آیا۔ اس کا دل چاہا کہ اندر جا کر دیکھے چرچ کو پھر وہ اپنی ہی سائیڈ پر چلتی رہی اب دو سال یہیں رہنا تھا تو وہ سب دیکھ لے گی۔۔۔ اگر نوکری کا انتظام نہ ہوا تو ایک ماہ بعد ہی واپس جانا پڑے گا۔۔۔ سڑک ختم ہو گئی لیکن اسے کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جہاں وہ نوکری کی بات کر سکتی۔۔۔ سڑک کے سامنے دوسری طرف اسے عبدالہادی حلال فوڈ کی دوکان نظر آئی۔۔۔ سڑک پار کر کے وہ اس دوکان میں آئی۔ بلاشبہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ بھلے سے کانپتی رہتیں اس نے اندر جا کر کاؤنٹر بوائے سے بات کی۔ اس نے سلیقے سے اسے بتایا کہ فی الحال وہاں اسے نوکری نہیں دی جا سکتی۔

"کیا کچھ دن بعد دی جا سکتی ہے۔۔۔ دو ہفتوں بعد۔۔۔"



"نہیں۔۔۔ شاید ایک سال بعد جب میں یہاں سے چھوڑ دوں گا۔"

وہ اگلے اسٹور "پک اینڈ کلک" میں گئی۔ وہ کمپیوٹر اسٹور تھا اور وہ کمپیوٹر ریپئرنگ کے بارے میں یقیناً" نہیں جانتی تھی اور ظاہر ہے اسے نوکری نہیں دی گئی ' جبکہ اسی اسٹور پر دوسری لڑکیاں کمپیوٹر ریپئرنگ کا کام کر رہی تھیں۔

ان ہی اسٹورز اور دکانوں کے عین سامنے سڑک پار کر کے مشہور برگر اور۔۔۔ پزا کے چھوٹے چھوٹے ریسٹورنٹ کھلے تھے وہ وہاں بھی گئی اور زیادہ خود اعتمادی سے گئی۔۔۔ اب اس کے صرف دل کی دھڑکن تیز تھی لیکن شام تک نہ اس کے دل کی دھڑکن تیز رہی نہ ٹانگوں میں کپکپاہٹ ' صرف زبان میں تیزی رہی جو ہر ریسٹورنٹ ' دکان ' اسٹور میں جاتے ہی تیزی سے چلنے لگتی۔۔۔ وہ تھک گئی تھی لیکن رکی نہیں۔۔۔ اسے بھوک لگی تھی لیکن پیسے بچانے کے لیے اس نے باہر سے کچھ بھی لے کر نہیں کھایا۔۔۔ اور اس سے بھی بڑھ کر اس نے یہ کام کیا کہ اس نے سائیکل چلانے والی ایک لڑکی سے لفٹ مانگی اس نے کاغذ پر لکھے ہوئے پتے کو لڑکی کے آگے کیا۔

"میں تمہیں مین روڈ تک لے جا سکتی ہوں۔۔۔ آگے تم پیدل چلی جانا۔" اس نے کہا۔

اب سائیکل پر بیٹھتے اسے قطعاً" ہنسی نہیں آ رہی تھی۔۔۔ اس کے پیٹ میں بھوک کی وجہ سے بل پڑ رہے تھے لیکن اسے رونا نہیں آ رہا تھا وہ اداس یا غم زدہ بھی نہیں تھی۔ وہ خود کو بے چاری بھی محسوس نہیں کر رہی تھی۔

صبح ان ہی کھلی روشن ' قدیم عمارات سے گھری سڑکوں سے آتے ہوئے بھی وہ امرحہ واجد ہی تھی اور ان ہی سڑکوں سے پھر سے گزرتے ہوئے بھی وہ امرحہ واجد ہی رہی۔۔۔

تبدیلی ظاہر میں نہیں باطن میں آئی تھی۔۔۔ اور کافی سے زیادہ آ چکی تھی۔۔۔ کافی سے زیادہ آنے والی تھی۔

گھر آئی تو اس کا لنچ کاؤنٹر پر رکھا تھا اور گھر میں کوئی بھی نہیں تھا۔ سب اپنے اپنے کام پر جا چکی تھیں۔ اس نے لنچ کو رات کے کھانے کے طور پر کھا لیا اور منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو کر سو گئی۔ دو گھنٹے بعد وہ اٹھی تو کتابیں پڑھنے لگی۔ رات کو وہ ایک ایک کر کے آئی گئیں اور سوتی گئیں لیکن وہ جاگ کر پڑھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن صبح شرلی کے ساتھ اس نے جاب کی بات کی کہ اسے کہاں جانا چاہیے اور کہاں نہیں۔ شرلی نے اسے دو تین جگہوں کے نام بتائے اور پتے بھی سمجھا دیے۔

پہلے وہ یونیورسٹی آئی تاکہ اپنی کلاسز کا معلوم کر سکے۔۔۔ اس کے لیے یونیورسٹی ایریا میں الگ سے بہت وسیع کیمپ لگایا گیا تھا جہاں ہر ڈیپارٹمنٹ کا کاؤنٹر لگا تھا اور سینئر اسٹوڈنٹس ان کاؤنٹرز پر اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر انجام دے رہے تھے سب کے سب پرپل یونیفارم میں ملبوس تھے تاکہ انہیں دور سے ہی پہچان لیا جائے۔۔۔ اس ایریا میں بھی ایسے ہی رش تھا جیسے وہاں ایک مہذب اتوار بازار سجا ہو۔۔۔ آہستگی سے لیکن جلدی جلدی بولنے کی آوازیں تھیں اور ایک ساتھ ایک جگہ جمع ہو کر شور بن گئی تھیں۔ وہ ڈھونڈ ڈھانڈ کر اپنے مطلوبہ کاؤنٹر تک آئی اور بنیادی معلومات لینے لگی۔ لیکن ایک مسئلہ تھا جو لڑکی اسے سب سمجھا رہی تھی وہ فرنچ تھی اور اس کی انگلش اچھی ہو کر بھی امرحہ کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھی۔۔۔ اس نے لڑکی سے ایک دو بار کہا کہ۔

"برائے مہربانی پھر سے بتائیں اور آہستہ بتائیں۔ میں سمجھ نہیں پا رہی۔" اور لڑکی نے ایسا کیا بھی لیکن امرحہ پھر بھی کچھ خاص سمجھ نہ سکی۔

"ڈیرک! سنو تم ان کی مدد کرو۔" لڑکی نے خوش اخلاقی سے اپنے ساتھی سے کہا جو ان دونوں کی طرف سے رخ موڑے کسی دوسرے کا مسئلہ حل کر رہا تھا۔

"جی۔۔۔" ڈیرک نے اس کی طرف دیکھا اور اس

کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

یہ وہی Ask me کا بورڈ پکڑے لمبی ناک والا تھا۔ اس سے پہلے کہ امرحہ کچھ بولتی۔ اس نے اپنی ناک کو ایک ہاتھ سے چھپالیا۔۔۔

امرحہ کا دل چاہا واقعی اس کی ناک پر اپنے ہاتھ میں پکڑی موٹی فائل دے مارے۔۔۔ یہ انسان یقیناً" اس کا کوئی مشہور زمانہ مذاق بنادے گا جو ساری یونیورسٹی میں مشہور ہوجائے گا۔۔۔

"فرمایئے۔ میں آپ کو کیسے ڈرا سکتا۔۔۔ آئی ایم سوری آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔"

ناک بدستور اس نے بائیں ہاتھ سے چھپا رکھی تھی۔ امرحہ نے کاغذ اس کی طرف بڑھایا جس پر اس کے مضمون لکھے تھے اور اس نے پڑھ کر دوسرے کاغذ پر کم سے کم پندرہ منٹ لگا کر اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ سب کچھ لکھ دیا۔۔۔ کلاس کے اوقات کار۔ ٹیچرز کے نام۔۔۔ مزید مدد کے لیے اسی کی جماعت کے دو تین ہم جماعتوں کے نام۔۔۔ ان کی رہائش کے پتے۔ پھر اس نے نقشہ نکالا اور اس پر سرخ دائرہ لگایا۔ "یہ آپ کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔"

"اسے اس کا ڈیپارٹمنٹ دکھالاؤ۔" اس نے فرنچ لڑکی سے کہا۔

لڑکی نے اچنبھے سے اسے پھر ڈیرک کو دیکھا اور امرحہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی پوچھ لیا۔

"کیوں۔۔۔ یہ خود چلی جائے گی نا۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ یہ خود نہیں جاتی۔۔۔ اسے ڈر لگتا ہے۔"

امرحہ نے ڈیرک کے ہاتھ سے کاغذ جھپٹ لیا۔۔۔ ڈیرک کے قہقہے نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔۔۔ وہ دعا کر رہی تھی کہ پہلے دن جو جو لوگ اسے ملے ہیں ان سے دوبارہ اس کی ملاقات نہ ہو۔۔۔ ایک لڑکی اس کے پاس سے گزری اور ایک دم سے رک گئی۔

"کوئی مدد چاہیے؟" ساتھ ہی اس نے امرحہ کے ہاتھ میں پکڑا کاغذ لے لیا۔

"یہاں جانا ہے نا۔۔۔ میں ابھی یہیں سے آرہی ہوں۔۔۔ بلکہ پھر سے وہیں جارہی ہوں۔۔۔ آجاؤ میرے ساتھ۔" وہ خواری سے بچ گئی اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ وہ اسے ڈیپارٹمنٹ تک چھوڑ گئی۔۔۔ اس نے اپنی کلاسز دیکھ لیں اور اوقات کار بھی۔۔۔ اپنی کلاسز دیکھ کر اسے خاص خوشی ہوئی۔ وہ اس کی سوچ سے زیادہ خوب صورت تھیں۔

یونیورسٹی سے نکل کر وہ پیدل ہی پھر سے نوکری کی تلاش میں لگ گئی۔۔۔ لیکن یہ کام تو مشکل ہی بنتا جارہا تھا۔ یونیورسٹی سے بہت زیادہ دور وہ نوکری کر نہیں سکتی تھی۔ اس طرح اس کا بس کا کرایہ لگتا اور اس کی بچت مشکل سے ہی ہوپاتی۔

اس کی کلاسز شروع ہوگئیں۔۔۔ لیکن کام نہیں ملا، اسے پریشانی یہ تھی کہ اگر وہ کام نہ ڈھونڈ سکی تو پھر سے دائم کا لیکچر سننا پڑے گا گو کہ وہ اپنی جگہ ٹھیک تھا لیکن اپنی جگہ غلط وہ بھی نہیں تھی۔ وہ انتھک کوشش کررہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک دن یونیورسٹی سے پندرہ منٹ کی واک پر واقع کیفے کے سامنے سے اس کا گزر ہوا۔ وہ یہاں پہلے بھی آچکی تھی لیکن اسے جواب دیا گیا تھا کہ انہیں ضرورت نہیں ہے۔ اب ضرورت ہے کا بورڈ کیفے کے سامنے رکھا تھا۔ اس نے پہلے کیفے میں بیٹھ کر کافی پی پھر کاؤنٹر تک آئی۔۔۔ اسے یہاں کام تو فوراً" ہی مل سکتا تھا لیکن صرف ایک مسئلہ تھا اور کافی بڑا مسئلہ تھا جو ویٹریس اسے نظر آرہی تھیں۔ انہوں نے گھٹنوں تک اسکرٹ پہن رکھا تھا جو ایک مشہور کافی کے لیبل جیسا تھا، یعنی کمپنی کا چلتا پھرتا اشتہار تھیں۔۔۔ اسے اشتہار سے کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن وہ یہ اسکرٹ تو نہیں پہن سکتی تھی اور جو حالات جارہے تھے ان کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہ اس واحد نظر میں آنے والے "ضرورت ہے" کے موقعے کو۔ ہاتھ سے جانے بھی نہیں دے سکتی تھی۔

اس نے کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے دراز قد فربہی مائل گورے چٹے انگریز سے بات کی۔۔۔ اس نے امرحہ سے چند سوالات پوچھے اور اسے ہاں کہہ دیا۔۔۔ وہ خوش ہونے کے بجائے اسے دکھ سے دیکھنے لگی یعنی نوکری ملی بھی تو کون سی جس پر شاید ابھی انکار ہوجائے جب وہ اس کی اگلی بات سنے گا۔

"مجھے اس کام کی بہت شدید ضرورت ہے۔۔۔ اگر مجھے یہ نوکری نہ ملی تو میرا مستقبل بہت بری طرح سے تاریک ہوجائے گا۔" اس نے اپنی طرف انگریز کو جذباتی کرنے کی کوشش کی تھی۔

"میں نے تمہیں کام پر رکھ لیا ہے۔"

"میں یہ ڈریس نہیں پہن سکتی۔۔۔ میں جینز پر یہ شرٹ پہن لوں گی بس۔" اس نے ویٹریس کی شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہیں اتنا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ تم جاسکتی ہو۔"

"اس دنیا کے روشن مستقبل کے لیے کیا آپ صرف اس نامکمل ڈریس کو نظر انداز کرکے تعلیم حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتی اس لڑکی پر ایک احسان نہیں کرسکتے۔ دنیا کا ہر انسان علم حاصل کرنے والے کی عزت کرتا ہے۔"

"مجھے صرف اپنے روشن مستقبل کی فکر ہے۔"

"آپ کس مذہب کے ماننے والے ہیں؟"

اس نے اسے گھورا۔۔۔ یورپ میں کبھی بھی کسی سے بھی اتنی جلدی اس کے مذہب کے بارے میں نہیں پوچھ سکتے۔۔۔ وہ برا مان جاتے ہیں۔

"میں یہودی ہوں۔" امرحہ کی سٹی گم ہوگئی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔

"مجھے گھورنا بند کرو اور جاؤ یہاں سے۔۔۔"

"دیکھیے جناب اگر آپ مجھے کام دیں گے تو سب آپ کی تعریف کریں گے ایک یہودی نے ایک مسلم کا احترام کیا۔۔۔ اس کی اخلاقیات کا خیال رکھا۔۔۔ یونو وغیرہ وغیرہ۔"

"یہ وغیرہ وغیرہ کیا ہے؟"

"مزید تعریف۔۔۔ اور تعریف۔۔۔ سب آپ کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔"

"لیکن مجھے اپنی کرسی پر بیٹھنا ہی اچھا لگتا ہے۔"

"پھر بھی ذرا سوچیے۔۔۔ یہ یونیورسٹی ایریا ہے۔۔۔ اسٹوڈنٹس آپ کی کس قدر عزت کریں گے۔ ہوسکتا ہے بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ سالانہ کانووکیشن ڈے پر آپ کو خاص طور سے مدعو کیا جائے گا اور آپ تقریر بھی کریں گے۔۔۔ ایسا دن آپ کی زندگی میں دوبارہ نہیں آسکتا۔۔۔"

"مجھے کانووکیشن میں جانے سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"جب آپ جائیں گے تب آپ کو یہ بہت دلچسپ لگے گا۔"

وہ کاؤنٹر پر بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں بجانے لگا اور اسے دلچسپی سے دیکھتا رہا۔۔۔ اس کی نیلی آنکھیں مزید نیلی ہوگئیں۔

"میں نے سنا تھا انگریز بہت رحم دل ہوتے ہیں۔"

"میں پولش ہوں۔"

"مجھے اندازہ تھا لیکن پولش تو دنیا بھر میں انسان دوست مشہور ہیں۔ اخلاقیات کی پاس داری کرنے والے۔۔۔ انسانی خدمت میں سب سے پہلے آنے والے۔۔۔ اور مدد کے لیے کبھی نہ پیچھے ہٹنے والے۔۔۔"

"تمہاری زبان ہمیشہ ایسے ہی چلتی ہے۔"

"نہیں۔۔۔ لیکن جو کافی میں نے ابھی آپ کے یہاں سے پی ہے اس کے بعد سے کافی زیادہ۔۔۔ آپ مجھے ایک ہفتے کے ٹرائل پر رکھ سکتے ہیں۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"میں شرط لگا سکتی ہوں، جب لوگ مجھے ایک مسلم لیڈی کو فل ڈریس میں دیکھیں گے تو وہ اس طرف کھنچے چلے آئیں گے کہ یہ ایک انسان دوست کا کیفے ہے۔۔۔ یہاں کے مالک نے انسانیت کے لیے نام نہاد اصول کو توڑ دیا۔"

کیا واقعی۔۔۔؟" وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے کاؤنٹر بجانے لگا۔

"بالکل۔۔۔ آزما کر دیکھ لیں۔" یہ کہتے امرحہ کی نظر اتاری جانی چاہیے تھی۔

"ٹھیک ہے کل سے آجانا۔۔۔ تمہیں اصل کا ففٹی پرسنٹ ملے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔۔۔ ویسے آپ کو یہ اندازہ ہوگا ہی کہ روزانہ اس کیفے میں کتنے لوگ آتے ہیں۔۔۔" امرحہ کی ذہانت بڑھتی جا رہی تھی۔

"میں دس سال سے یہ کیفے چلا رہا ہوں' سال میں صرف ایک بار آنے والوں کو بھی پہچان لیتا ہوں۔۔۔"

"میرا مطلب تھا کہ اگر کل زیادہ لوگ آئے تو۔۔۔"

"تو مجھے معلوم ہو جائے گا۔" وہ آنکھوں کو اندر کی طرف لے جا کر مسکرایا۔۔۔ اور یہ مسکراہٹ اس پر جم کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ گھر گئی تو اس نے شرلی' عذرا وغیرہ سب سے کہہ دیا کہ کل ہر صورت وہ خود اور اپنے دوستوں کو لے کر اس کے کیفے آجائیں۔۔۔ ان چاروں نے آنے کا وعدہ کر لیا سوائے ہانا کے۔۔۔ اور انہوں نے اسے یقین دلایا کہ وہ کوشش کر کے اپنے ایک یا دو دوستوں کو بھی ساتھ لے کر آئیں گی۔۔۔ صبح وہ دائم اور نوال کے پاس بھی گئی۔ انہیں سب سچ سچ بتا دیا۔۔۔ دائم کتنی ہی دیر بے یقینی سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔

"تم نے کس چالاکی سے یہ سب کیا ہے۔۔۔ ہے نا۔۔۔"

"کرنا پڑا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"میں اپنے ہم جماعتوں اور دوستوں کو بھی کہہ دیتا ہوں۔۔۔ کتنے دن کا ٹرائل ہے۔"

"ایک ہفتے کا۔۔۔ اگر روز آٹھ دس لوگ آئیں تو!"

"آٹھ دس تو کم ہیں۔۔۔ آخری دن تک میں تمہیں چالیس کر دوں گا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

اور پھر یوں پہلے دن دس۔۔۔ دوسرے دن پندرہ پھر اٹھارہ' بیس۔۔۔ پچیس اور آخری دن پورے تین کم پچاس اسٹوڈنٹس وہاں کافی پینے گئے اور مزے کی بات یہ کہ انہوں نے اپنی پرفارمنس کی حد ہی کر دی۔۔۔ وہ کافی پینے جاتے "کاؤنٹر تک آتے جاتے۔

"کتنے نوبل انسان ہیں آپ۔" مسکرا کر کہا جاتا۔

"آپ نے ایک مسلم خاتون کو بغیر کسی امتیاز کے نوکری دی۔"

"آپ جیسے انسان دوست لوگ آج کل کہاں ملتے ہیں۔"

"ہم سب ضرور اپنے پروفیسرز سے آپ کی تعریف کریں گے "آپ کو ہمارے کانووکیشن ڈے میں ضرور آنا چاہیے۔"

"بہت فرشتہ صفت ہیں آپ۔۔۔ ایسی صفات آج کل ناپید ہیں۔"

"اب ہم ہر روز صرف یہاں ہی آیا کریں گے کافی پینے۔۔۔"

چھ دن ہر پرفارمنس کے ساتھ ساتھ وہ مسکراتا رہا' مسکراتا رہا۔۔۔

"میں نے اپنی زندگی میں بہت سے ڈرامے دیکھے لیکن ان چھ دنوں میں جو یونیورسٹی والوں نے میرے کیفے میں ڈرامہ سیشن کیا' وہ سب سے شاندار رہا۔"

وہ دنگ کھڑی کاؤنٹر پر ہاتھ رکھے اسے ہنستے ہوئے دیکھتی رہی "اس کا تو خیال تھا "اس کا پلان کامیاب رہا لیکن یہ کیا۔۔۔

"تم ایک کاروباری انسان کو الو نہیں بنا سکتیں۔۔۔ رائٹ۔"

"رائٹ۔" اس نے کمزور سا رائٹ کہا۔

"پر۔۔۔ تم ایک کاروباری انسان کو متاثر ضرور کر سکتی ہو۔۔۔ رائٹ۔۔۔"

"رائٹ۔" وہ مسکرانے لگی۔

"دیکھو مس اخروٹ۔۔۔! میں تمہیں یہاں ایسے نہیں رکھ سکتا۔"

وہ ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا اور امرحہ بھی۔۔۔ اس کی خوشی اڑن چھو ہو گئی۔

"کافی کمپنی اس ڈریس کے لیے مجھے پے کرتی ہے۔۔۔ اور اس کیفے کے پچاس فیصد مالکانہ حقوق کمپنی کے پاس ہی ہیں۔۔۔ لیکن کیونکہ میری دلچسپی بڑھ گئی ہے کہ میں یونیورسٹی کے کانووکیشن میں بلایا جاؤں تو میں تمہیں عارضی طور پر یہاں رکھ سکتا ہوں۔۔۔ جب تک تمہیں کہیں اور نوکری نہیں مل جاتی تم یہاں کام کر سکتی ہو لیکن اگر کمپنی نے اعتراض کیا تو مجھے تمہیں فوراً "نکالنا ہوگا۔۔۔"

"کمپنی اعتراض نہیں کرے گی۔" وہ خوشی سے نہال ہو کر بولی۔

کیوں؟ تمہیں کیسے پتا۔۔۔؟"

"میں دعا کروں گی' کمپنی اعتراض نہ کرے۔"

"تم یہ دعا کیوں نہیں کرتیں کہ تمہیں کہیں اچھا سا کام مل جائے۔"

"وہ بھی کر رہی ہوں ساتھ ساتھ۔۔۔ لیکن فی الحال مجھ پر یہی دعا واجب ہے۔۔۔ کہ کمپنی اعتراض نہ کرے۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے مسکرا رہا تھا۔

"اور مجھے اخروٹ مت کہئے۔۔۔ آپ مجھے چلغوزہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ چلغوزہ مجھے بہت پسند ہے۔"

وہ خوشی سے بولتی ہی چلی جا رہی تھی۔۔۔ کیفے سے باہر مانچسٹر کی سڑکوں پر اترنے والی رات' اس رات بہت روشن تھی۔۔۔ جب سیاہی سفید ہو جائے۔۔۔ راتیں روشن ہو جائیں تو زندگی کی شاخوں سے نئی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ خوشبو دیتی ہوئی ۔۔۔ پھولوں' پھلوں سے لدی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

وہ کام سے بھی لگ گئی اور کلاسز میں بھی مصروف ہو گئی۔ ساتھ ہی اس نے بھی نوڈلز کھانے شروع کر دیے۔ اپنی پہلی تنخواہ سے اس نے سب سے پہلے ہانا کی پسند کے نوڈلز کا بڑا پیکٹ لیا جو وہ دو ہفتے تک کھا سکتی تھی۔ ساتھ ہی انڈے' دودھ کے ڈبے' جام' ڈبل روٹی لے کر اس نے فریج کو بھرا تاکہ وہ سب بھی استعمال کریں۔۔۔ اب اسے رہائش کی تلاش تھی۔۔۔ ساتھ ساتھ وہ اپنا رہائش کا مسئلہ بھی حل کر رہی تھی۔ گو شرلی نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ اتنی پریشان نہ ہو رہائش کے لیے لیکن وہ پریشان تھی اگر اسے انہوں نے خندہ پیشانی سے اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ڈھیٹ بن کر مستقل ہی وہاں جم جاتی اور بہانے بناتی کہ اسے رہائش نہیں مل رہی۔

چونکہ اسے شروع سے ہی بہت زیادہ کھانے کی عادت تھی تو ابھی وہ مکمل طور پر اپنی بھوک پر قابو نہیں پا سکتی تھی۔ چنے منے سے ناشتے سے تو اس کا کچھ بنتا ہی نہیں تھا۔ اس سے زیادہ تو وہ شام کی چائے میں اڑا جایا کرتی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے وقت یونیورسٹی میں اسے کسی نہ کسی کی ٹوئیٹ مل جاتی۔ ٹوئیٹ۔۔۔؟(Twit)

تو ٹوئیٹ کا قصہ کچھ یوں تھا کہ کسی بھی فرینڈ یا ہائے ہیلو فرینڈ یا کلاس فیلو کے پاس جایا جاتا اور اس سے کہا جاتا۔

"ٹوئیٹ می پلیز۔" (مجھے ٹوئیٹ کرو) اگر وہ چاہتا یا افورڈ کر سکتا تو اسے ٹوئیٹ کر دیتا یعنی ایک کپ چائے' کافی یا کوئی بھی کولڈ ڈرنک پلا دی جاتی۔۔۔ دائم گروپ نے اسے اپنی ساری ٹوئیٹس دے دی تھیں۔۔۔ ٹوئیٹ مانگنے والے کو وہ ٹوئیٹ واپس بھی کرنا ہوتی تھیں۔

اب منظر کچھ یوں ہوتا کہ دائم یا نوال اس سے کہتے کہ جو سامنے حماد بیٹھا ہے۔ اس کے پاس میری چھ ٹوئیٹس ہیں۔ اس کے پاس جاؤ اور کہو۔

"ٹوئیٹ می بیک پلیز۔"

وہ جاتی اور کہہ دیتی۔۔۔ اسی طرح اسے شرلی' عذرا اور ایسے ہی دوسرے ہائے ہیلو دوست اپنی ٹوئیٹس دے دیتے۔۔۔ اکثر جن کی تین یا چار ٹوئیٹس اکٹھی ہو چکی ہوتیں "ان کا وہ برگر کھا لیتی' لیکن برگر' یا سینڈوچ یا پڑا کھائے جانے پر ایک ایکسٹرا ٹوئیٹ منفی ہو جاتی یعنی اگر چار ٹوئیٹس ہیں تو تین کا برگر اور ایک منفی یعنی باقی زیرو۔۔۔ اور اگر تین ہی تھیں تو ایک جمع ہو جاتی۔ یعنی برگر کھانے والے کے کھاتے میں ایک ٹوئیٹ آجاتی۔

پہلی بار تو امرحہ کو کافی سے زیادہ شرم آئی پھر اس نے محسوس کیا کہ امیر کبیر اسٹوڈنٹس بھی ایسا کر لیتے ہیں تو وہ بھی کرنے لگی۔ وہ دائم "نوال' شرلی کے پاس

جاتی "ریفری آٹوئیٹ پلیز۔" کہتی وہ سوچتے۔ ادھر ادھر دیکھتے۔

"وہ سامنے ــــ ہاں وہاں گراؤنڈ میں ــــ وہ جس نے سفید شرٹ پہنی ہے۔ ہاں وہی اس کے پاس جاؤ۔"

کاغذ پر لکھ دیا جاتا "ٹوئیٹ ہر بیک" (اسے ٹوئیٹ واپس کرو) اسی کاغذ پر ٹوئیٹ دینے والا لکھ دیتا "بقایا دو وہ باقی کی دو بھی ہڑپ کر جاتی۔ اسے بڑا مزا آرہا تھا۔ اسے ٹوئیٹ پر ٹوئیٹ مل رہی تھیں ــــ اس نے وادا کو سب بتایا۔

"مانگنے کے نت نئے انداز۔" وہ ہنسنے لگے۔

"دینے کے نت نئے انداز وادا۔"

"کیا کمال کا جواب دیا ہے تم نے۔" وہ بہت خوش ہوئے اس دن وہ دائم گروپ کی ایک لڑکی اقصیٰ کے پاس گئی اور ٹوئیٹ ریفر کرنے کے لیے کہا۔

"یہ تمہیں لائبریری میں ملے گا ورنہ کہیں نہیں ملے گا اس وقت ــــ بڑے بڑے کان ہیں ــــ لائبریری میں کسی سے بھی پوچھ لینا۔ تمہیں اس کا بتا دیا جائے گا ــــ پوری بیس ٹوئیٹس ہیں میری اس کے پاس۔"

"نہیں ــــ!" امرحہ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ آرام سے چار پانچ برگر کھائے جاسکتے ہیں 'کافی بھی ــــ دو ہفتے آرام سے نکل جائیں گے ــــ

یعنی اگلے دو ہفتوں کے لیے بالکل خوار نہیں ہونا پڑے گا ــــ وہ لائبریری میں آگئی اور سرگوشی کے انداز سے اس کا پوچھا۔

"میں سمجھ نہیں پائی ــــ کون سی کتاب چاہیے۔"

"اف ــــ کتاب نہیں چاہیے ــــ عالیان کا پوچھ رہی ہوں۔ جس کے بڑے بڑے کان ہیں۔"

ایک ہلکی سی مسکراہٹ لائبریرین کے چہرے پر نمودار ہو کر معدوم ہو گئی اور اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔ وہ اس کے پاس آئی اور کاغذ جس پر اقصیٰ کی لکھائی میں ٹوئیٹ کا لکھا تھا اس کے آگے کیا۔

اس نے اپنی موٹی سی کتاب سے نظر اٹھا کر اس چٹ کو پڑھا پھر جس ہاتھ نے اس چٹ کو تھام رکھا تھا، اسے خفگی سے گھورا ــــ اس کی پیشانی پر ایک پتلی سی لکیر بن کر غائب ہو گئی۔

"سوری۔ اس وقت نہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"پھر کس وقت؟"

"بس آج نہیں ــــ ان فیکٹ اگلے ہفتے تک نہیں ــــ برائے مہربانی اس سے پہلے مجھے تنگ نہ کیا جائے۔"

"پر مجھے تو ابھی اسی وقت بھوک لگی ہے۔" اس کی تیز آواز پر وہ بھوری آنکھوں والا حیران رہ گیا۔ پیشانی پر خفگی سے اس بار دو لکیریں بن کر ابھریں اور وہیں براجمان رہیں۔

"ٹوئیٹ می بیک۔" امرحہ نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر تھوڑی اور تیز آواز میں کہا۔ یہ وہی تھا نا جو اس دن ویلکم ویک کے دوران اس پر چلا رہا تھا۔ اب وہ اس پر چلا سکتی تھی۔

"میں نہیں کر رہا۔" اس نے ذرا سختی سے کہا۔

"میں کیا کروں ــــ مجھے تو بھوک لگی ہے۔" اس نے اس طرف آتے ہوئے ایک اور کام کیا تھا۔ اس نے کاغذ پر خود ہی سینڈوچ لکھ دیا تھا۔

اس کی تیز بھوری آنکھیں ایک لحظے کے لیے سیاہی مائل سی ہوئیں۔ پیشانی پر شکنوں کا جال سا بچھ گیا۔ 90ء کے ہیروز کی طرح اس نے گردن کو ہلکا سا جھٹکا دے کر اسے گھورا اور پھر وہ ٹوئنٹی ز کے ہیرو کی طرح اسے مکمل نظر انداز کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں نے کہا نا' اگلے ہفتے سے پہلے میرے پاس نہ آنا۔" وہ لائبریری بلڈنگ سے باہر نکلا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ بھی اس کے ساتھ نکلی۔ اس نے اس کے ہاتھ سے کاغذ کھینچا اور تیزی سے آگے آگے چلنے لگا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے لپکی کہ وہ کینٹین جا رہا ہے۔ لیکن ــــ وہ تو ــــ وہ تو ــــ

"یہ کیا ہے اقصیٰ؟" اس نے دو انگلیوں میں اٹکایا کاغذ اقصیٰ کے آگے کیا۔ "کس بھوکی کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔"

"یہ کیا ــــ؟" امرحہ نے اس امریکی نقوش کے حامل ــــ فرنچ غصے کو سہم کر دیکھا۔ یہ اس نے کیا کہہ دیا۔ اتنے دھڑلے سے۔ امرحہ نے آس پاس دیکھا۔ اف ــــ یونیورسٹی کے سارے اسٹوڈنٹس انگوٹھے لہرا لہرا کر شرم کرو ــــ شرم کرو ــــ کہہ رہے تھے ــــ پہلے تو امرحہ نے آنکھیں میچ لیں۔ پھر اس نے غصے سے بھڑک کر اسے دیکھا۔ اقصیٰ نے پڑھا کاغذ پر سینڈوچ لکھا تھا۔

"ٹوئیٹ می بیک پلیز۔" اقصیٰ نے اس کی عزت رکھ لی۔

"اگلے ہفتے ــــ" اس نے شان سے کندھے اچکائے۔ جیسے ایک بڑا نقصان کرنے کے بعد اطالوی اچکاتے ہیں۔ بے نیازی سے بھی اور خونخواری سے بھی۔

"تم دونوں ہینڈل کر لو پلیز ــــ" اقصیٰ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک بھوکے اور دوسرے کنگلے کو کیسے ہینڈل کرے اور وہ کہہ کر گراؤنڈ سے اٹھ کر چلی گئی۔

"اگلے ہفتے سے ایک بھی دن پہلے میرے پاس نہ آنا۔" لمبے کانوں والے نے ناک پھلا کر کہا اور پھر سے لائبریری کی طرف جانے لگا۔

"اگلے ہفتے تک میں مر جاؤں گی۔" وہ پھر اس ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

"ایک میری ہی ٹوئیٹ پر زندہ ہو کیا؟" وہ پھر سے ایک فرنچ بن گیا' جو غصے کو دبانے کے لیے لفظ چباتے ہیں تو آنکھیں سرد مہری سے اندر کر لیتے ہیں۔ اختلاف اپنی جگہ' لیکن وہ اس کے اس طرح خم دے کر طنز جھاڑنے پر اسے دیکھتی رہ گئی۔ غصہ کر بھی رہا تھا اور نہیں بھی ــــ کیسی بات تھی۔

"آج تو اسی ٹوئیٹ پر رہنا ہے۔ سارے پیسے ختم ہو گئے اور نوڈلز بھی ــــ صبح جلدی کی وجہ سے چائے بھی نہیں پی۔" اس بات پر وہ ذرا رکا۔ اپنے کراس بیگ کو اپنی گردن سے نکال کر اسے کھنگالنے لگا۔ تھوڑا وقت لگا۔ لیکن وہ مطلوبہ چیز نکال چکا تھا۔

اف ــــ اس نے ایک چاکلیٹ نکالی جو آدھی کھائی ہوئی تھی۔

"یہ لو ــــ" آدھی کھائی چاکلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"اس سے کیا ہوگا۔" چاکلیٹ دیکھ کر امرحہ کو خوشی تو ضرور ہوئی۔ لیکن فی الحال اسے سینڈوچ ہی کھانا تھا۔

"کافی کیلوریز ہیں اس میں۔" بھوری آنکھوں والے نے بیگ کو واپس گلے میں ڈالا۔ ایک ہاتھ جینز کی جیب میں ڈالا اور ایسے کھڑا ہو گیا جیسے اس کا فوٹو سیشن ہو رہا ہو۔

"لارڈ میسر جوانی کے دنوں میں یونیورسٹی میں چیریٹی کرتے ہوئے۔" فوٹو کا کیپشن اس سے بڑھ کر اور کیا ہوتا۔

"مجھے کیلوریز نہیں چاہئیں ــــ کھانا چاہیے۔"

"تو یہ کیا بھوسا ہے؟" لارڈ میسر نے بھنویں اچکائیں اور کچھ ایسے اچکائیں کہ وہ پیشانی پر گرے بھورے بالوں سے جا ملیں۔

"اور یہ چھوٹی ــــ بھی ہے۔ چھوٹی اور آدھی کھائی ہوئی اور پھر میں کیوں کسی کی چیز کھاؤں۔"

بھنویں ــــ اس بار سوالیہ اچکیں ــــ یعنی اتنی ایگو ہے تم میں ــــ اچھا۔ سچ میں ــــ؟

دوسری طرف سے کھالو ــــ آخری کنارہ پھینک دینا۔"

وہ منہ بنائے کھڑی رہی ــــ اس نے پھر سے ــــ بیگ کھنگالا اور ایک پیکٹ نکالا ــــ جس کے ریپر کو ایک کامن پن سے بند کیا گیا تھا۔ تاکہ اندر موجود میوہ جات بیگ میں بکھر نہ جائیں ــــ پیکٹ بسکٹ کا لگتا تھا۔

"یہ لو اور یہ بھی لو ــــ" چاکلیٹ اور بسکٹ دونوں اس کے آگے کیے۔ اس نے دونوں پیکٹ پکڑ لیے ــــ ایک میں موجود چاکلیٹ تو اس نے دیکھ لی تھی۔ دوسری کی پن نکالی تو وہ بسکٹ کا چورا نکلا۔

"مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔ چیریٹی کر رہے ہو۔" امرحہ بری طرح سے برا مان گئی۔ لیکن اس نے جیسے سنا نہیں اور وہ تیزی سے لائبریری کی طرف جانے لگا۔

جو دونوں پیکٹ ہاتھ میں لیے کھڑی ہے۔ اسے تو آپ جانتے ہی ہیں۔ لیکن جو جا چکا ہے کیا اسے جانتے ہیں؟

عالیان مارگریٹ۔ وہ اپنی ماں کے نام کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔

☼ ☼ ☼

رہائش کا مسئلہ تھوڑا سنجیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ جو رہائش مل رہی تھی، وہ مہنگی تھی، جو سستی تھیں یا وہ دور بہت تھیں یا وہ لڑکوں کے ساتھ تھیں۔ یعنی لڑکے لڑکیاں ایک ہی فلیٹ میں۔۔۔ سب اس کے لیے اپنی اپنی جگہ پر کوشش کر رہے تھے۔ وہ ایک 'دو برطانوی' پاکستانی 'ہندوستانی گھرانوں میں بھی گئی' لیکن وہ رہائش بھی اس کی گنجائش سے زیادہ تھی۔ وہ بہت نارمل سی ایک رہائش افورڈ کر سکتی تھی۔ یعنی بے حد سستی سی۔ جتنی زیادہ سستی ممکن ہو سکے اتنی سستی اور یونیورسٹی کے پاس بھی۔۔۔

"ایک لینڈ لیڈی ہیں تو' لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہاں کم ہی لوگ رہنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ ان کو سمجھنا بہت مشکل ہے وہاں جا کر دیکھ لو شاید تم ان کو سمجھ سکو۔"

"ٹھیک ہے وہاں بھی جا کر دیکھ لیتی ہوں۔" اس کا منہ لٹک گیا۔

"ہاں۔۔۔ ایسے ہی منہ لٹکا لینا۔۔۔ اور وہ اپنا مشہور زمانہ اور آزمودہ فقرہ ضرور کہنا۔ منحوس ماری۔۔۔ مجھے تو جل مرجانا چاہیے۔" اس بات پر وہ نوال سے زیادہ ہنسی۔

"ایک' دو لڑکیاں ہیں جو وہاں گئی تھیں۔ ایک چند دن بعد ہی واپس آگئی اور ایک نے چند ہفتے بعد وہ گھر چھوڑ دیا۔ وہ اسے شٹل کاک کہہ رہی تھیں۔"

"نام اچھا ہے شٹل کاک۔"

"کہانی آتی ہے تمہیں؟"

"ہاں۔۔۔ ایک' دو آتی ہیں۔"

"گڈ۔۔۔ سنا ہے' وہ ہر رات کہانی ضرور سنتی ہیں۔"

"اچھا۔۔۔ صرف کہانی۔۔۔ مطلب کرایہ نہیں لیں گی؟"

"ہاہاہا۔۔۔ کرایہ تو ضرور لیں گی۔۔۔ ساتھ کہانی بھی۔"

"ٹھیک ہے' میں دو چار کہانیاں یاد کر کے جاتی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

شٹل کاک کا پتا لے کر وہ چھٹی والے دن شام کو آگئی۔ یہ ایک' دو منزلہ برطانوی طرز تعمیر کا کافی بڑا گھر تھا۔ گھر کے آگے سبزے کا کافی بڑا قطعہ تھا۔ جس میں مختلف اقسام کے پودے اور پھول لگے تھے۔ ساری عمارت سفید رنگی تھی اور وائٹ ہاؤس کا چھوٹا سا منا سا نمونہ لگ رہی تھی۔ امرحہ کو شٹل کاک کا بیرونی نظارہ بہت پسند آیا۔ بلکہ بہت ہی زیادہ پسند آیا۔ اگر اسے یہاں رکھ لیا جائے تو وہ کافی شان دار قسم کی رہائش گاہ ثابت ہونے والی تھی۔

بیل دی اور کافی دیر تک دیتی رہی۔ کھڑکیوں سے بھی جھانکتی رہی۔ دروازہ بھی بجایا۔ لیکن کوئی بات نہیں بنی۔ وہ دروازے کے پاس ہی سیڑھی پر بیٹھ گئی کہ شاید مالکن بازار تک گئی ہوں۔ کوئی بیس منٹ بعد جا کر دروازہ کھلا۔۔۔ وہ جلدی سے اٹھ کر دروازے تک آئی۔

"مجھے کہانی آتی ہے۔" جھٹ کہا۔

سامنے والی کی ہنسی کا فوارہ نکلا۔ وہ ہلکے گلابی رنگ کی ساڑھی میں تھی۔ لمبی پتلی' سانولی سی۔۔۔ کالے سیاہ بالوں کی کس کر چوٹی بنائے ہوئے اور انہیں کندھے پر گرائے ہوئے۔

"مجھے کمرہ چاہیے۔"

"اندر آجاؤ۔" وہ ہنستی ہوئی اندر کی طرف بڑھی۔ امرحہ بھی اس کے پیچھے چلنے لگی۔

بعدازاں امرحہ کو معلوم ہوا کہ وہ لینڈ لیڈی کو شام کی چائے پلا رہی تھی۔ پھر ان کا منہ دھلایا' کپڑے تبدیل کروائے۔ بیل دینے والا' دروازہ پیٹنے والا جائے بھاڑ میں' ہم کیا کریں۔ لینڈ لیڈی نشست گاہ میں



ٹھنڈے آتش دان کے پاس بیٹھی بال جبریل کا انگلش ترجمہ پڑھ رہی تھیں۔ اس کی سانس اٹکنے لگی۔ یعنی شاعری بھی سنانی پڑے گی۔ وہ بھی ایسی اعلا پائے کی۔۔۔ یعنی یہاں بھی اس کا کام بننے والا نہیں تھا۔ بہت دیر اس کا انٹرویو ہوتا رہا۔ وہ بہت صبر سے اور اپنی طرف سے بہت چالاکی سے سارے سوالات کے جوابات دیتی رہی۔

"کھانا پکا لیتی ہو؟ کیا کیا پکا لیتی ہو؟"

"چاول۔۔۔ روٹی۔۔۔ اور تنور ہو تو نان بھی لگا لیتی ہوں۔" اس نے اس چیز کا نام لیا جو برطانیہ میں میسر ہو ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ "تنور"

"بیسن کی روٹی۔۔۔ آلو۔۔۔ گوبھی۔۔۔ قیمے کے پراٹھے۔ مولی کے بھی۔۔۔ نان پر بیسن لگا کر اسے تل لیتی ہوں۔ بہت مزے کا بنتا ہے۔ آلو کے پکوڑے۔۔۔ بینگن' پالک' چکن کے' مچھلی کے بھی بنا لیتی ہوں۔"

لینڈ لیڈی اپنے بچوں کے سے چھوٹے چھوٹے ہاتھ تھوڑی تلے رکھے اسے دیکھتی رہیں۔

"ہو چکا تمہارا!؟ اب بتاؤ کھانا پکا لیتی ہو؟"

اس کا منہ لٹک گیا۔ اس کی چالاکی کسی کام نہ آئی۔ دادی ٹھیک کہا کرتی تھیں کہ انسان کو زندگی میں سب کام آنے چاہئیں۔ نامعلوم زندگی کہاں لے جائے اور کون سا سیکھا کام۔۔۔ کام آجائے۔

"گوشت کا سالن۔۔۔ اور چاول بس۔۔۔ روٹی بھی۔"

"سادھنا! یہ پراٹھوں کی اتنی ورائٹی کام کی ہے؟"

"جی۔ ہفتے میں دو بار یہ ہو جائے گا۔۔۔ باقی گوشت کا سالن اور چاول۔۔۔" میڈم سادھنا اسی کے ساتھ صوفے پر ذرا کنارے پر بیٹھی تھیں اور سویٹر بن رہی تھیں۔

"سودا سلف بھی لانا ہو گا۔"

"جی۔ میں لے آؤں گی' سنڈے کے سنڈے۔"

"سنڈے ونڈے ہم نہیں جانتے۔۔۔ جب جب سادھنا کہے گی لانا ہو گا' تازہ سبزی آتی ہے روز۔۔۔ حلال گوشت آتا ہے۔۔۔ بولو ہاں یا نا؟"

"ہاں جی۔۔۔ ہاں۔۔۔"

"گڈ۔۔۔ اچھا اب بولو کہانی آتی ہے کوئی؟"

"جی آتی ہے۔۔۔ دو۔۔۔"

"گڈ۔۔۔ کون کون سی؟ سناؤ ذرا۔"

"ایک کوا تھا بہت پیاسا تھا۔۔۔ ادھر اڑا۔۔۔ ادھر اڑا۔۔۔"

"دوسری۔۔۔؟"

"دوسری۔۔۔ خرگوش اور کچھوے والی۔" سادھنا تیزی سے سلائیاں چلانے لگی' تاکہ اس کی ہنسی کم سے کم اس کے منہ سے نکلے۔۔۔ لینڈ لیڈی البتہ ہونٹ بھینچے بیٹھی رہیں۔

"بی بی! یہاں رہنا ہے یا نہیں؟"

"رہنا ہے۔"

"تو کہانیاں بدلو۔"

"میں اچھی اچھی کتابیں لے لوں گی۔۔۔ آپ کو پڑھ پڑھ کر سناؤں گی۔"

"گڈ۔۔۔"

"کرایہ بتا دیں پلیز۔۔۔"

"پہلے شرائط سن لو۔۔۔ تم سے پہلے تین لڑکیاں ہو کر جا چکی ہیں۔۔۔ تم چوتھی آئی ہو۔۔۔ سادھنا یہاں دو سال سے رہ رہی ہے۔"

اس نے سہم کر سادھنا نامی "لڑکی" کو دیکھا۔

"ہائے میری بھی اتنی عمر لگتی ہے کیا؟"

"سادھنا سے پہلے یہاں چھ لڑکے رہ کر گئے ہیں۔ اچھے لڑکے تھے' سارا کام کر دیتے تھے۔ میں تو لڑکوں کے حق میں ہی تھی۔ پر اب سادھنا کی وجہ سے لڑکیاں ہی رکھتی ہوں۔ سارے گھر کی صفائی کرنی ہو گی اور صبح ہی کر کے جانی ہو گی۔ باقی کے کمرے بند ہیں۔۔۔ اور جتنا بھی گھر استعمال ہو رہا ہے۔ وہ تمہیں صاف کرنا ہو گا۔ کھانا بنانا ہو گا۔ ہفتے میں دو دن پودوں کی کانٹ چھانٹ۔۔۔ اور کھڑکیوں کی صفائی۔۔۔ ایک ہفتے تم میرے کپڑے لانڈری کرو گی اور استری بھی۔۔۔ ایک ہفتے سادھنا کرے گی۔۔۔ جتنی زیادہ لڑکیاں یہاں رہنے کے لیے آجائیں گی۔ اتنا ہی کام کم ہو جائے گا۔ میرے کمرے کا جو سینٹرل کارپٹ ہے اسے دھوپ کے

دنوں میں تمہیں دھوپ لگوانی ہوگی۔ پاکستان میں اپنے گھر کا نمبر تمہیں مجھے دینا ہوگا۔ کیونکہ اگر میں نے تمہیں ٹریک سے اترتے ہوئے دیکھا۔ یعنی اگر تم میں کوئی غلط حرکت دیکھی تو فوراً" میں تمہارے گھر والوں کو بتاؤں گی، تم ایک مسلمان لڑکی ہو' اس لیے میں تمہارے پاس کوئی ایسی ویسی چیز نہ دیکھوں' ورنہ میں تمہیں فوراً" یہاں سے نکال دوں گی اسی وقت..... چاہے باہر برف باری ہو رہی ہو اور تم نمونیہ کا شکار ہو..... تمہارے ہر طرح کے دوست یہاں آسکتے ہیں' لیکن اگر میں نے ان دوستوں میں خرابی دیکھی تو تبھی تمہیں یہ جگہ چھوڑنی ہوگی۔ بے شک تمہیں پورے انگلینڈ میں کہیں جگہ نہ ملے۔ اگر میں سوتی ہوں تو چٹکی کی آواز سے بھی اٹھ جاتی ہوں۔ اس لیے جب میں سوؤں تو تم ایسے ہو جانا جیسے گونگی ہو۔"

لینڈ لیڈی بولتی رہیں۔ بولتی رہیں۔ وہ جس صوفے پر بیٹھی تھی۔ اسی پر اونگھنے لگی۔ کوئی تین گھنٹے بعد اس کی آنکھ کھلی تو وہ اسی صوفے پر آڑی ترچھی پڑی سو رہی تھی۔ اس کی نظر چھت پر لگے بڑے سے فانوس پر گئی جو روشن تھا۔ لیکن اس کی نیند سے بھری آنکھیں اس فانوس میں سے مختلف رنگ نکلتے دیکھ رہی تھیں۔ وہ رنگ اڑ رہے تھے۔

"کیا مجھے کسی ڈان نے اغوا کرلیا ہے۔" چھت اور قد آدم کھڑکی کے قد آدم ہی پردوں کو گھورتے اس نے سوچا۔

"میں یہاں ہوں..... کہاں ہوں..... میں.....؟" وہ ایک دم سے اٹھ کر بیٹھی سادھنا' لینڈ لیڈی کی راکنگ چیئر کے پاس صوفے پر بیٹھی کہانی سنا رہی تھی۔ اسے لگا' وہ صرف پانچ منٹ ہی سوئی ہے۔

"اور کیا تم کیا کہہ رہی تھیں آپ؟" وہ آنکھیں ملنے لگی۔

"تم ایسے ہی ہر جگہ لم لیٹ ہو جاتی ہو لڑکی؟" لینڈ لیڈی ہنس کر بولیں۔ امرحہ لفظ لم لیٹ پر حیران ہوئی۔ خالص دیسی لفظ تھا۔ یقیناً" کوئی پاکستانی سکھا کر گیا تھا انہیں۔

"جی..... بس..... آج تھکی ہوئی تھی تو....."

"جاؤ' کھانا کھالو..... کچن میں رکھا ہے۔"

"کھانا؟" جیسے صدیوں بعد یہ لفظ سنا تھا۔ وہ جلدی سے کچن میں گئی اور سارے ویجی ٹیبل رائس اور چکن سوپ ہڑپ کر گئی۔ کافی بنائی اور مگ لے کر آگئی۔ لینڈ لیڈی اسے دیکھتی ہی رہ گئیں۔

"کافی کس سے پوچھ کر بنائی تم نے؟"

"اوہ..... پھر غلطی کردی اس نے۔" وہ خاموش کھڑی دونوں خواتین کو دیکھتی رہی اور منہ لٹکا لیا۔ شکل پر بے چارگی لے آئی۔

"بیٹھ کر پی لو۔" لینڈ لیڈی کے اعصاب کچھ ڈھیلے ہوئے۔ وہ بیٹھ کر پینے لگی۔

"برا نہ ماننا' پر تم ایشیا والے بہت تنگ کرتے ہو۔ ایک لمبا وقت تو تمہیں بنیادی اخلاقیات سکھانے میں لگ جاتا ہے اور تم لوگ کھاتے بھی بہت ہو..... مجھے کوئی اعتراض نہیں' پر تھوڑا اپنی عادات پر قابو پاؤ' انہیں درست کرو۔" امرحہ خاموشی سے کافی پیتی رہی۔

"تم جاکر سو جاؤ سادھنا..... اور تم امرحہ! مجھے میرے کمرے میں لے چلو۔" وہ انہیں کمرے تک لے گئی۔ وہ ایک ٹانگ سے معذور تھیں۔ دائیں ٹانگ فالج زدہ تھی۔ دایاں ہاتھ بھی بہت مشکل سے حرکت کرتا تھا۔ لیکن ٹانگ کی طرح مفلوج نہیں تھا۔ انہیں ان کے بیڈ پر لٹایا۔ "میرے بال بھی اتار دو....."

"بال.....!" امرحہ کو لگا' ان کے دماغ کے ساتھ بھی کچھ مسئلہ ہے۔

"ہاں بھئی' او تو.....؟"

وہ قریب ہوئی اور بالوں پر ہاتھ رکھ کر کھینچا اور وگ اس کے ہاتھ میں آگئی اور اندر سے بمشکل آدھ انچ لمبے بال نکلے۔

پھر وہ سوئچ بورڈ کی طرف آئی اگر اس نے ٹھیک سے گنے تھے تو وہاں کم سے کم پچیس سے زیادہ بٹن تھے۔ نائٹ بلب کا شیڈ پسند کرنے میں انہوں نے کافی وقت لیا..... پھر ہلکے سرمئی کو انہوں نے اتوار کی رات کے لیے پسند کیا اور اسے جانے کے لیے کہا۔

"تم ساتھ والے کمرے میں سو جاؤ' صبح اپنا سامان لے آنا۔" خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی۔ کیونکہ تین وقت کے کھانے کے ساتھ یہ جگہ اسے بہت ہی سستی پڑ رہی تھی۔

"اور ہاں..... دوبارہ کچن میں نہ جانا۔" لیکن وہ پہلے کچن میں گئی۔ ایک کپ اور کافی بنائی اور ایک کپ کافی کی قیمت کچن کاؤنٹر پر رکھ دی اور کمرے میں آکر سو گئی۔ درمیان میں اس کی آنکھ کھلی تو اسے اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا۔ اس نے فوراً" شرلی کو فون کیا۔

"میں پولیس کو کال کرنے ہی جا رہی تھی' تم نے ہمیں پریشان کردیا۔" وہ ابھی اتنی ذمہ دار نہیں ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن سامان لاکر اسے کمرے میں سیٹ کیا۔ پھر اس دن سنی ڈے تھا' تو کارپٹ کو اٹھا کر دھوپ میں ڈالا..... کپڑے دھوئے' استری کیے' پھر انہیں لیڈی مہر کی وارڈروب میں لٹکایا۔ سادھنا کے ساتھ مل کر کھانا بنایا اور پھر کیفے آگئی..... واپسی پر بک اسٹور ہوتی گئی۔ لیکن وہاں اردو کی کتابیں بہت کم تھیں جو تھیں وہ بہت ادبی تھیں۔ زیادہ تر شاعری کی تھیں۔ آگ کا دریا' خدا کی بستی' اداس نسلیں' من چلے کا سودا۔ وغیرہ وغیرہ..... ایک تو وہ فی الحال اس طرح کی مہنگی کتابیں خرید نہیں سکتی تھی۔ دوسرے اس عمر میں اپنے سر کے بال جھڑوانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ یہ سب کتابیں پڑھ چکی تھی۔ لیکن پڑھ کر سنا نہیں سکتی تھی۔ یہ ایک صبر آزما کام تھا اور اتنا زیادہ صبر وہ اتنی سی عمر میں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے ایک سادہ سی..... سستی سی کتاب چاہیے تھی۔ اس نے اپنی پاکستانی ہم جماعت سے بات کی تو اس نے اسے اپنی خالہ کی ایک کتاب لادی..... کھیل تماشا..... اشفاق احمد کی..... خیر ایک تو مفت میں کتاب مل گئی تھی۔ دوسرا زیادہ موٹی نہیں تھی۔

اپنی باری پر اس نے لیڈی مہر کو کھیل تماشا سنانا شروع کی وہ تو مزے سے سنتی رہیں۔ لیکن امرحہ کے دماغ کے کہیں اوپر سے الفاظ گزر گزر کر جاتے رہے۔ وہ بلاشبہ اپنی طرز کی شاہکار کتاب تھی۔ لیکن امرحہ جیسے کند ذہن اسے بے کار بتا رہے تھے۔ لیڈی مہر اسے بار بار پیچھے لے جاتیں۔ کئی کئی سطروں کو بار بار پڑھواتیں..... اتفاق سے اس نے ایک بڑا معرکہ سر کرلیا تھا۔ "کھیل تماشا" نے سننے والے اور سنانے والے دونوں کا دل موہ لیا تھا۔ تخت پور کے ماسٹر بالی اور ان پر مر مٹنے والی رجنی نے نشست گاہ میں جادو سا جگا دیا ہو تا جیسے..... ایسے لگنے لگتا جیسے ماسٹر بالی اپنی کلارنٹ پر آسا کی وار ان کے سامنے بیٹھے ہی بجا رہے ہوں..... اور رجنی عین ان کے سامنے داسی بنی بیٹھی ہو۔

لیڈی مہر نہال ہو' ہو گئیں۔ "بہت کمال کی..... شان دار....."

سادھنا قدیم بنگالی اور بھوج پوری لوک کہانیاں سناتی تھی جو اس نے اپنے بنگالی باپ اور بھوج پوری ماں سے سنی تھیں اور حیرت انگیز طور پر وہ کہانیاں اتنی تھیں کہ امرحہ کو لگتا' سادھنا نے اپنی زندگی کے اتنے سال صرف کہانی سنتے ہی گزارے ہیں..... جب وہ رات کو کہانی شروع کرتی تو اس کی آواز میں سارے بنگال کا سحر سمٹ آتا..... وہ گنگا جمنا کی طرح رواں دواں ہو جاتی..... ہلکورے کھاتی..... شفاف ہو ہو جاتی..... اکثر اس کی کہانیاں پر سوز ہوتیں..... لیکن وہ انہیں اتنی نرمی اور چاہت سے سناتی کہ لگتا ہی نا کہ ان کہانیوں میں سوز ہے۔

سادھنا بمشکل بتیس سال کی..... تھی اور اس کے آٹھ سالہ بیٹے کو ہڈیوں کا کینسر تھا۔ سادھنا کی کہانی محبت سے شروع ہو کر امر جیت پر ختم ہوتی..... وہ پر سوز کہانی سناتے ہوئے بالکل آبدیدہ نہ ہوتی' بلکہ ایسے لگتا کہ اس کا آٹھ سالہ بیٹا اس کے سامنے کھڑا ہے اور اس سے کہہ رہا ہے۔

"جو دکھ پر رو دیتا ہے..... وہ تو پھر کوئی انسان ہوا' لیکن جو کم ہمتی پر روتا ہے..... وہ بھی کوئی انسان ہوا.....؟ وہ بھی

کوئی انسان بھلا۔"

تو سادھنا کیونکر روتی' جب اس کا بیٹا ہی جواں حوصلہ ہے۔ ساری تکلیف سہ کر بھی اسے فون کرتا ہے اور کہتا ہے۔

"میں جب تک زندہ رہوں گا۔۔۔ کبھی رو کر نہیں سوؤں گا۔۔۔ کبھی رو کر آنکھ نہیں کھولوں گا۔ ڈاکٹروں کے سارے اوزار اور ان کی دوائیں۔۔۔ اور میرے جسم کی ساری تکلیف بھی مل کر مجھے ہرا نہیں سکے گی۔ میں نہیں روؤں گا ماں۔۔۔ کبھی نہیں۔"

تو ایسے بچے کی ماں کیسے روتی۔۔۔ وہ بات بات پر مسکراتی۔۔۔ ہنستی۔۔۔ اس کی کہانیاں کیوں نہ "امر جیت" ہوتیں۔۔۔ اس کی آواز میں ایسا سحر کیوں نہ آتا جو تھپک تھپک کر سلا دیتا ہے۔ دل پر کیسا ہی بوجھ کیوں نہ ہو۔۔۔ اس کی کہانی پرستان لے ہی جاتی ہے۔ سادھنا کی کہانی سنتے سنتے وہ نشست گاہ میں ہی سو جاتی جیسے کوئی وہ لوری سناتا ہو جو جنگ سے لوٹ آنے والا اپنے بچوں کو اور جنگ جیت جانے والا اپنے کنبے کو سناتا ہے۔۔۔ وہی جوان مردی کے قصے اور شہیدوں کے لہو رنگ فسانے۔

☆ ☆ ☆

اس دوران ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا جو کافی بڑی صورت اختیار کر گیا۔ اسے اور اس کے چند کلاس فیلوز کو یونیورسٹی کے ایک دوسرے گروپ نے اپروچ کیا۔۔۔ وہ مانچسٹر میں اپنی نئی کلاسز کے شروع ہونے کے سلسلے میں ایک پارٹی کا اہتمام کر رہے تھے۔۔۔ اور پارٹی کے انتظامات کے لیے انہوں نے یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کو ہی موقع دیا تھا۔ تاکہ وہ چند گھنٹوں میں کچھ زیادہ پونڈز کما سکیں۔۔۔ اس کے کلاس فیلوز نے ہاں کہا تھا۔ اس نے بھی ہاں کہہ دیا۔۔۔ انہیں پارٹی کے سارے انتظامات دیکھنے تھے۔۔۔ ڈیکوریشن سے لے کر سرونگ تک۔۔۔ پارٹی ان میں سے کسی ایک اسٹوڈنٹ کے گھر کے لان میں تھی اور جہاں یہ گھر تھا۔ وہاں باقی گھر کافی دور' دور تھے۔ جن کے آگے سڑکیں کھلی اور کشادہ تھیں۔

سرِشام ہی ان سب نے پارٹی کے لیے ابتدائی سیٹنگ مکمل کر لی۔۔۔ باقی ان کا کام میزوں پر کھانے کی اشیار کھنا تھا جو ذرا ہٹ کر الگ سے لگی تھیں۔ انہیں ہر فرد کو الگ الگ نہیں پیش کرنا تھا۔

"تم شکل سے بہت زیادہ پاکستانی لگتی ہو۔" ایرک اور اس کے دوسرے دوست اسے تشویش سے ایسے دیکھنے لگے کہ اسے تشویش ہونے لگی۔ وہ سب پارٹی کے انتظامات دیکھنے آئے تھے۔

"میں ہوں بھی پاکستانی۔" وہ برو امان گئی۔

"نہیں۔۔۔ ہمارا مطلب۔۔۔ وہ سب ذرا ڈرتے ہیں۔۔۔ ذرا سے کچھ زیادہ ہی ڈرتے ہیں۔"

"ڈرتے ہیں۔۔۔ کون۔۔۔؟"

"آج کی پارٹی میں آنے والے زیادہ تر اسٹوڈنٹس۔۔۔" وہ کافی زیادہ گول مول سی باتیں کر رہا تھا۔

"تم نہیں پاکستان فوبیا ہے کیا؟"

"نہیں۔۔۔ شاید ہاں۔۔۔ یہ اخبارات۔۔۔ ٹی وی۔۔۔ میڈیا دماغ خراب کر دیتے ہیں۔۔۔ برا نہ مانو پلیز۔ وہ کمزور عقیدے کے لوگ ہیں۔۔۔ جو کچھ اخبارات میں کہا جاتا ہے۔ اس پر یقین کر لیتے ہیں اور تم ہو بھی مسلم۔۔۔ پلیز ایسے برا نہ مانو۔۔۔ دھماکوں سے بہت ڈر لگتا ہے انہیں۔"

"دھماکوں سے ڈر لگتا ہے۔۔۔ میں مسلم ہوں۔۔۔ آخر کیا مطلب ہے ان سب باتوں کا۔۔۔ مجھے بھی دھماکوں سے ڈر لگتا ہے۔۔۔ لیکن میں تو تمہیں نہیں بتا رہی۔" وہ ایک نہ سمجھ سکی۔

"دیکھا تم برا مان گئیں۔۔۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔۔۔ یہاں کون سا دھماکا ہونے جا رہا ہے۔۔۔ مطلب کچھ ہو گا ہی نہیں تو ڈرنا کیسا۔۔۔؟"

"کچھ ہونے کا خطرہ ہے یہاں۔۔۔ کوئی بلاسٹ؟ تم مجھے ڈرا رہے ہو؟"

"میں تمہیں صرف بتا رہا ہوں۔۔۔ ان میں سے زیادہ تر کے انکل اور فادرز پولیس میں ہیں۔۔۔ بس ایسے ہی بتا رہا ہوں۔۔۔ ایسے پریشان نہ ہو۔"

امرحہ کا سر چکرانے لگا۔ "کیا کہہ رہے ہو۔۔۔ کیا سمجھانا چاہ رہے ہو مجھے؟"

"ایسے ہی تم سے باتیں شیئر کر رہے ہیں۔"

"ایسے باتیں شیئر کرتے ہیں۔۔۔ تم سب مجھے شک سے گھور رہے ہو۔۔۔ تمہیں لگتا ہے میں یہاں دھماکا کروں گی۔۔۔ میں۔۔۔ کیا مذاق ہے یہ۔۔۔؟"

"ایسی تو کوئی بات ہم نے نہیں کی۔۔۔ تم کیا سے کیا سوچ رہی ہو؟"

"ہاں' سیدھے سیدھے یہ بات نہیں کی' پر جو کی' ہیں ان کا مطلب خوف ناک ہے۔"

"ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں' تمہارا تو ابھی سے رنگ اڑ گیا ہے۔"

"ابھی سے مطلب۔۔۔" اس کا رنگ واقعی میں اڑ اڑ گیا۔

وہ گڑبڑا گئے۔۔۔ "مطلب ہم تو صرف باتیں کر رہے ہیں۔"

"ایسی خطرناک باتیں ہی کرتے ہو تم سب؟ مجھے تمہاری باتیں پسند نہیں آئیں۔"

وہ اپنے کام میں لگ گئی اور اندر ہی اندر سہم بھی گئی۔ یعنی اگر ذرا سی بھی کوئی گڑبڑ ہو گئی تو یہ لوگ اس پر صاف صاف الزام لگا دیں گے۔۔۔ پولیس اور پھر۔۔۔

لان میں ایک طرف اونچائی پر ڈی۔ جے کا انتظام کیا گیا تھا۔ جیسے کلب میں ہوتا ہے۔۔۔ اندھیرا گہرا ہوا تو ٹوئنسٹ لائٹس نے اور Twist بڑھا دیا۔ انہوں نے ڈی جے ساؤنڈ چیک کیا جو خطرناک حد تک تیز تھا۔ نیلی پیلی' ہری' لال ٹوئنسٹ لائٹس حرکت کرنے لگیں۔ سب آنے لگے۔ انہوں نے میزوں پر پہلے سے ہی سوفٹ ڈرنکس رکھ دی تھیں۔ دو گھنٹے بعد انہیں کھانے کی چیزیں رکھنی تھیں۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔۔۔ دوسرا بھی گزر گیا۔۔۔ ان سب نے مل کر میزوں پر کھانے کی اشیار کھ دیں۔۔۔ ڈی جے نسبتاً ہلکی آواز میں میوزک کے ساتھ تجربات کرتا رہا۔ جو امرحہ کو کافی پسند آئے۔۔۔ وہ گلاسوں کی ٹرے رکھنے جا رہی تھی کہ ایرک نے اسے آواز دی۔۔۔ وہ اس کے قریب جا ہی رہ تھی کہ ایک زوردار دہشت ناک دھماکا ہوا۔ اتنا زوردار کہ کانوں کے پردے پھٹنے کے قریب ہو گئے۔۔۔ امرحہ بری طرح سے لڑھک کر گری۔۔۔ اسی دھماکے کے ساتھ شیشے ٹوٹنے کی آوازیں اور چند انسانی چیخوں کی آوازیں بھی آئیں۔ پورے ایک منٹ تک سناٹا رہا۔ امرحہ زندگی میں کبھی اتنی خوف زدہ نہیں ہوئی تھی۔ جتنی اس دھماکے سے ہو گئی تھی۔ وہ بمشکل اٹھی اور آس پاس نظر دوڑانے کی کوشش۔۔۔ دوسرے لوگ بھی کچھ اٹھ چکے تھے۔ کچھ اٹھ رہے تھے۔ یہ ایک خوف ناک منظر تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہاں دھماکا ہوا تھا۔ بلکہ اس لیے کہ وہ سب اسے گھور رہے تھے۔ اس نے جینز پر لمبی قمیص پہن رکھی تھی اور ایرک نے ہی کہا تھا کہ سر ڈھانپ کر کام کرنا ہے تو اس نے اسکارف کو سر پر اچھی طرح سے اوڑھ لیا تھا۔

امرحہ کو پہلے یہ صرف اپنا وہم لگا کہ وہ سب ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہے ہیں۔ پھر اس نے ذرا گردن گھمائی تو۔۔۔۔۔ وہم لگنے والا خیال سو فیصدی خوف میں بدل گیا۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ پر جمے اسے دیکھ رہے تھے۔۔۔ گھور رہے تھے۔

ان میں سے ایک نے کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا "یو۔۔۔ یو ڈڈ اٹ (تم نے کیا ہے یہ۔۔۔)

اس اتنی سی بات سے جیسے کسی نے اس کے سر پر دوسرا دھماکہ کیا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کے ذہن میں نائن الیون' لندن ٹرین دھماکے' اخبارات' ٹی وی چینلز کی سب ہی خبریں۔۔۔ ڈاکومنٹریز۔۔۔ گڈمڈ ہو کر چکرانے لگیں۔۔۔ دہشت گرد۔۔۔ یو ڈڈ اٹ۔۔۔ دہشت گرد۔۔۔ یو۔۔۔ یو۔۔۔ اس کا سر چکرانے لگا۔۔۔ دہشت اس کے چہرے پر نظر آنے لگی۔

"میں۔۔۔ مجھے نہیں معلوم۔۔۔" وہ اٹک اٹک کر ہونٹ ہلانے لگی۔ آواز اس کے ہونٹوں سے نکل ہی نہیں رہی تھی۔۔۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ساری زندگی

بول ہی نہیں سکے گی اور ٹھیک اسی دوران ایک اور دھماکا ہوا۔۔۔ ویسا ہی زوردار۔۔۔ ان سب نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔۔۔ وہاں موجود بہت ساری چیزیں گریں۔۔۔ شیشے کے چھوٹے ٹکڑوں کی ایک بوچھاڑ آندھی کی طرح آئی۔ پیچھے کھڑے بہت سے لڑکے لڑکیاں گر گئے اور کراہنے لگے۔۔۔ اس طرف کافی اندھیرا تھا۔۔۔ لیکن ان کی چیخیں اور کراہیں سنی جاسکتی تھیں۔ اس بار امرحہ گری نہیں 'کھڑی ہی رہی اور کافی وحشت ناک انداز لیے کھڑی رہی۔ ایک دم سے فضا میں پولیس سائرن اور فائر بریگیڈ سائرن کی آوازیں گونجیں۔۔۔ پیچھے کہیں سے زوردار آگ کے بھڑک اٹھنے کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔

"اس نے ایک بم اپنے ساتھ بھی باندھ رکھا ہے۔" کسی ایک نے چلا کر اس کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ سب سہم کر دور دور ہونے لگے۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب۔۔۔ یہ سب ایسے ہی ہو رہا ہے جیسے اسے نظر آرہا ہے۔ پولیس سائرن کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔ اس کی نحوست کہ مانچسٹر میں ایک اسٹوڈنٹ پارٹی میں دھماکے ہوگئے۔۔۔ اور اس جگہ امرحہ موجود تھی۔۔۔ کھڑے کھڑے اس نے کل کے اخبارات میں اپنی تصویر دیکھ لی۔۔۔ ٹی وی کی رپورٹنگ کا اندازہ کرلیا۔۔۔ عدالت میں خود پر کیس چلتے دیکھ لیا۔۔۔ اس کے حق میں چند ہزار مسلم ریلی نکال رہے ہیں اور عدالت اپنا فیصلہ سنا رہی ہے۔ اس کے گھر والے اسے لعنت ملامت کر رہے ہیں۔۔۔ اور معصوم ہوتے ہوئے بھی اسے یورپین میڈیا دہشت گرد ثابت کر رہا ہے۔ اس کی پڑھائی کا کیا ہوگا۔۔۔ اس کا کیا ہوگا۔۔۔ وہ تو مرجائے گی اور ٹھیک اسی دوران ایک اور دھماکا ہوا اور وہ حلق کے بل چلانے لگی۔۔۔ پاگلوں کی طرح۔۔۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔ کچھ نہیں کیا۔" ایک سیکنڈ میں وہ یہ بات بیس بار کہہ گئی 'ساتھ چلاتی رہی۔۔۔ چار' پانچ سو اسٹوڈنٹس کا گروپ ادھر ادھر پھیلا اسے دیکھتا رہا۔

"سن رہے ہو تم۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ پوری قوت سے چلائی۔۔۔ اپنی ساری ہمت جمع کرکے پورا زور لگا کر۔ وہ سب ویسے ہی کھڑے رہے۔ جیسے کوئی اسٹیج شو کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں۔

"تم۔۔۔ تمہارا میڈیا۔۔۔ تمہارے ٹی وی چینلز۔۔۔ اخبارات۔۔۔ جھوٹ بولتے ہیں۔۔۔ پاگل ہو تم سب۔۔۔ پاگل بناتے ہو۔۔۔ دنیا کو۔۔۔ ہم دہشت گرد ہیں یا تم۔۔۔ ہم نہیں تم ہو۔۔۔ تم نے دنیا میں فرسٹریشن کو بڑھایا ہے۔۔۔ تم ہو خرابی کی جڑ۔۔۔ اتنی بے وقوف نہیں ہوں میں کہ تم مجھ پر الزام لگا کر مجھے اندر کروادو۔۔۔ میں تم سب کو مار ڈالوں گی۔ دہشت گرد نہیں ہوں میں۔۔۔ نہیں ہوں۔"

پھر ایک دم سبزے پر بیٹھ کر وہ اونچی اونچی آواز سے رونے لگی۔۔۔ اور اونچی۔۔۔ اور اونچی۔۔۔ پولیس اور فائر بریگیڈ سائرن بند ہوگئے۔۔۔ پارٹی میں اب صرف اس کے رونے کی آواز ہی آرہی تھی۔ وہ سب جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔ اب وہ ایسے کھڑے تھے جیسے ہارر مووی دیکھ رہے تھے۔

"یہ سب تمہارے ساتھ پریکٹیکل جوک (عملی مذاق) کر رہے تھے۔"

آواز کچھ جانی پہچانی تھی۔ اس نے جھٹکے سے گردن اٹھا کر آواز کی سمت دیکھا۔ اس سے ذرا سا دور اندھیرے میں ایک کرسی پر عالیان بیٹھا کاک ٹیل سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے یہ بات اتنے سکون سے کی جیسے وہ خاموشی سے بیٹھتا اوپیرا دیکھتا رہا ہو۔

"پریکٹیکل جوک۔۔۔" وہ کئی لحظے سناٹے۔۔۔ میں ہی رہی پھر اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس حد تک کوئی عملی مذاق بھی کیا جاسکتا ہے۔

"تیسرے دھماکے کے بعد انہوں نے تمہیں خود ہی بتا دینا تھا۔ یہ سب سینئرز ہیں اور جونیئرز کے۔۔۔"

"شٹ اپ۔۔۔" اس نے دھاڑ کر انگلی اٹھا کر عالیان سے کہا۔ پھر وہی انگلی لہرا کر اس نے وہی شٹ اپ پوری قوت سے چلا کر ان سب سے کہا۔

"تم لوگ۔۔۔ انگریز۔۔۔ گورے۔۔۔ دنیا پر حکمرانی کرنے والے۔۔۔ جو جی میں آئے کرنے والے۔۔۔ ہمیں غلام سمجھ رکھا ہے۔ جب جی میں آیا مذاق بنالیا ہمارا۔ جب جی میں آیا غلام بنالیا۔ کیا سمجھ رکھا ہے ہمیں۔۔۔ پہلے ہمارے ملک میں آئے۔ ہم پر راج کیا۔۔۔ ہماری تذلیل کرتے رہے اور اب ہمیں دہشت گرد بنا رہے ہو۔ ہم سے حسد کرتے ہو کہ ہم زندگی میں آگے نہ نکل جائیں۔۔۔ تم سب سے آگے نہ نکل جائیں۔"

گالی اور گنتی کے لیے ہر انسان اپنی مادری زبان استعمال کرتا ہے کہ مصداق وہ روانی سے چیخ چلا کر اردو میں ان پر برس رہی تھی۔ عالیان ساتھ ساتھ انگریزی میں ترجمہ کرتا جارہا تھا۔

"تم انگریز۔۔۔ گورے۔۔۔ ہمارے ملک میں آئے۔۔۔ ہم نے تمہاری میزبانی کی۔۔۔ تمہیں بادشاہ بنایا۔۔۔ جاتے ہوئے تمہیں کوہ نور تحفے میں دیا۔" عالیان اپنی مرضی کا ترجمہ کر رہا تھا۔ اسے اور بھڑکا رہا تھا۔ امرحہ کے پاس عالیان سے نمٹنے کا وقت نہیں تھا۔

"تم لوگ خود کو سمجھتے کیا ہو؟ کیا سمجھتے ہو تم خود کو ہاں؟ بہت بڑی توپ قوم ہو تم؟ تم نیک۔۔۔ شریف۔۔۔ پڑھے لکھے۔۔۔ اور ہم جاہل۔۔۔ گنوار۔۔۔ دہشت گرد۔۔۔ مسلمان دہشت گرد نہیں ہے۔۔۔ تم اور تمہاری گندی سیاست نے مل کر اسے دہشت گرد بنا دیا ہے۔۔۔ ایک نومولود بچہ بھی دہشت گرد ہے۔ اگر وہ مسلمان ہے تو۔۔۔"

امرحہ کا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔۔۔ اس کے اس جلال کے عالم میں کسی میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ بول سکے۔۔۔ یا اس کے قریب آسکے۔ عالیان خاموش ہوگیا۔ اس نے کوئی ترجمہ نہ کیا۔

"ٹرانسلیشن پلیز۔۔۔" کسی کونے سے آواز آئی۔

"جوک کرنے کے لیے تمہیں یہی جوک ملا تھا؟ خود تم نے گوانتا موبے میں کیا کیا؟"

"وہ امریکی تھے' عالیان بولا۔"

"وہ ظالم تھے۔۔۔ اور ظالم کسی قوم سے نہیں ہوتا اور یہ سب بھی ظالم ہیں۔" اس نے ہاتھ لہرا کر کہا۔

آنسوؤں کا دریا اس کی آنکھوں سے بہنے لگا۔

"ٹرانسلیشن پلیز۔۔۔" آواز پھر آئی۔ امرحہ نے ایک قہر آلود نظر سب پر ڈالی اور اس بار انگلش میں بولی۔

"اس مذاق سے اگر میرا ہارٹ فیل ہوجاتا۔۔۔ اگر میں مرجاتی۔۔۔ اتنا گھٹیا مذاق۔۔۔ تم لوگ اتنے ظالم ہو کہ مذاق بھی ایسا ظالمانہ سوچا۔۔۔ تف ہے تم پر۔۔۔ کتنے چھوٹے ہو تم سب۔۔۔ اتنی بڑی یونیورسٹی میں پڑھتے اور یہ سب سیکھتے ہو۔۔۔ گندے ہو تم۔۔۔ جاہل۔۔۔ تم نے میری بے عزتی کی ہے۔۔۔ مرجاؤ سب کے سب تم۔۔۔ اتنے پونڈز تم نے دھماکوں پر لگا دیے اگر وہی پونڈز تم۔۔۔"

"کوئی پونڈ نہیں لگا۔۔۔ وہ تو ایسے ہوئے ہیں۔" ڈی جے نے ایک بٹن دبایا اور ایک اور دھماکا ہوا' یعنی وہ ساؤنڈ چھوڑ رہا تھا۔ اللہ انہیں نظر بد سے بچائے کس قدر ٹیلنٹڈ تھے۔

"وہ سب۔۔۔ جو شیشے کی کرچیاں اڑ کر آئی تھیں۔ وہ ہارڈ کرسٹل شیٹ کی تھیں۔۔۔" امرحہ نے شدید غصے میں اپنے قریب ہی گرا ہوا ایک گلاس اٹھا کر اوپر ڈی جے کی طرف اچھالا۔

"انگلیاں ٹوٹ جائیں تمہاری 'بہرے ہو جاؤ تم۔"

"ریلیکس۔۔۔ کافی ہوگیا۔۔۔ چلو اب بس کرو۔" عالیان نے نرمی سے کہا۔ اسے اور غصہ آیا۔

"بکواس بند رکھو اپنی۔" اس کی آواز ڈی جے کے دھماکے سے زیادہ دھماکا انگیز تھی اس بار۔۔۔ اس نے ایک نظر پھر سب پر ڈالی بے عزتی کے احساس سے اس کا سارا وجود جھلنے لگا اور جیسا کہ یہاں آنے سے پہلے وہ دھاڑیں مار مار کر روتی ہی رہی تھی۔ تو وہ سب ہی دھاڑیں اس کے اندر پھر سے جاگ اٹھیں۔۔۔ وہ گھاس پر بیٹھ کر گھٹنوں میں منہ چھپا کر ان سب دھاڑوں کو آواز میں جگا کر رونے لگی۔ سب نے دور سے ہی اس کے گرد گھیرا سا بنالیا۔ کسی میں اب اتنی جرات نہیں تھی کہ شیرنی بنی امرحہ کے پاس آئے اور اسے چپ ہی کروائے۔ عملی مذاق تھا اور کچھ زیادہ ہی

عملی ہوگیا تھا۔ اب وہ رو رہی تھی اور وہ سب شرمندہ شرمندہ اسے سن رہے تھے۔ عالیان اٹھا اور چل کر اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

"مذاق کچھ زیادہ ہی ہوگیا نا۔۔۔ ان کی غلطی ہے۔ انہیں معاف کردو۔" وہ بدستور ہچکیاں لیتی رہی۔

"پلیز۔۔۔ انہیں معاف کردو۔۔۔ پلیز۔۔۔"

اس نے سالوں تڑپ تڑپ کر چھپ چھپ کر روتی رہی، آنکھوں کو اٹھا کر عالیان کو دیکھا۔۔۔ عالیان وہیں کا وہیں رہ گیا۔۔۔ اس نے اپنی زندگی میں دو آنکھوں میں' اتنی تڑپ' تکلیف' دکھ اور غصہ سمٹا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ اس نے سیاہ مشرقی آنکھیں دیکھی تھیں۔ ان مشرقی آنکھوں میں طیش و شکوے کے ایسے بادل نہیں دیکھے تھے۔ وہ اسے شکایت سے دیکھ رہی تھی کہ اردو بولنے والا' نام سے مسلمان لگنے والا وہ بھی ان کے ساتھ شامل تھا۔

عالیان چپ کا چپ ہی رہ گیا۔ اس کی بھوری آنکھوں نے اس سے بھرپور شکایت کی۔ اسے انہیں ان دو سیاہ آنکھوں کے اتنے قریب نہیں لے جانا چاہیے تھا۔ اب اگر وہ ایسا کرچکا تھا تو اس کا انجام اسے ہی بھگتنا تھا۔۔۔ اکیلے۔۔۔

عشق مجازی کا اگر کوئی لاڈ کا نام ہوتا تو محبوب کی آنکھ کا طیش ہوتا اور اگر روتی ہوئی اندھیری آنکھوں کا کوئی لاڈ کا نام ہوتا تو وہ امرحہ ہوتا۔

عالیان کو یہ یاد کرنے میں دقت ہوئی کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔ اس سے بھی زیادہ دشواری اسے اپنی آنکھوں کو آنسوؤں کے پانیوں میں غرق ان آنکھوں سے ہٹانے میں ہوئی۔۔۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور دو قدم پیچھے کو چلا اور پھر سے بھاگ پڑنے جیسے انداز سے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ماسٹر پالی کلارنٹ پر بسنت بہار بجا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن وہ سب باری باری گھر آتے رہے اور دروازے کے پاس ہی پھول رکھتے گئے۔ رات اس نے ان کا سوری قبول نہیں کیا تھا۔ ڈر کے مارے وہ اندر نہیں آرہے تھے۔ وہ کھڑکی میں بیٹھی سب کا تماشا دیکھتی رہی۔ سب سے بڑا گلدستہ ڈیرک کی طرف سے تھا' یہ وہی تھا۔ جس نے امرحہ کا انتخاب کیا تھا۔ اس ڈرامے کے لیے۔۔۔ پھر اسے ایک لمبا چارٹ ملا جس پر ان سب کے دستخط تھے اور چارٹ پر ایک روتا ہوا موٹے موٹے آنسو والا سوری لکھا تھا۔ چارٹ کے ساتھ ہی وہ ویڈیو بھی بھیجی گئی تھی جو کل رات بنائی گئی تھی۔ اس نے وہ ویڈیو دیکھی اور اپنی ہنسی کو کنٹرول کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔۔۔ واقعی۔ وہ ایک مکمل عملی مذاق تھا۔ ان سب کے تاثرات کمال تھے۔ اس نے وہ ویڈیو لیڈی مہر اور سادھنا کو بھی دکھائی۔۔۔ وہ لوٹ پوٹ ہوتی بار بار ویڈیو کو چلا کر دیکھتی رہیں۔

بعد میں اسے معلوم ہوا کہ کام کرنے کے لیے جتنے بھی لوگوں کا گروپ وہاں موجود تھا۔ ان سب کے ساتھ کچھ نہ کچھ کیا جاتا تھا۔ وہاں موجود سب ہی اسٹوڈنٹس مانچسٹر یونیورسٹی میں پچھلے چار سال سے پڑھ رہے تھے اور یہ ایک روایت ہی تھی کہ وہ ہر سال کچھ نہ کچھ کرتے' لیکن امرحہ کے ساتھ مذاق کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہوگیا۔

اس واقعے سے اتنا ہوا کہ وہ یونیورسٹی میں کافی مقبول ہوگئی۔ اس کے کافی سے زیادہ دوست بن گئے جو اسے دیکھ لیتا رک کر اس کا حال احوال ضرور پوچھتا۔۔۔ اسے کافی۔۔۔ لنچ کے لیے بلاتے۔۔۔ کوئی نہ کوئی اس کی مدد کے لیے تیار رہتا۔۔۔ جو اسٹوڈنٹس مانچسٹر کے ہی رہنے والے تھے۔ وہ اسے اپنے گھر شام کی چائے یا ویک اینڈ ڈنر پر مدعو کرتے۔ اس کے رونے دھونے کا ان سب فنکاروں پر ایسا اثر ہوا کہ اسے ننھی منی بچی کی طرح ٹریٹ کرتے کہ بے بی چاکلیٹ کھالو۔۔۔ آئس کریم کھالو۔۔۔ اچھا یہ لو باربی۔۔۔ چلو رو لے لو۔۔۔ بس رونا نہیں۔

ایک وسیع حلقہ اسے جاننے لگا۔ وہ جس سے چاہتی پڑھنے میں مدد لے لیتی۔ اسی دوران شٹل کاک میں ایک روسی ویرا اور ایک جاپانی این اون ( Eun



En ) آگئی۔ جاپانی تو بہت خاموش طبع تھی۔ سال میں ایک بار بولنے والوں جیسی تھی۔۔۔ اس نے لیڈی مہر کو کہانی سنائی پر لیڈی مہر نے اسے خود ہی روک دیا کہ وہ بس چپ چاپ گھر میں رہتی رہے۔ البتہ ویرا نے اپنے شہر سوچی میں ہونے والی بائیسویں سرمائی اولمپکس کی وہ وہ کہانیاں سنائیں کہ خود امرحہ کا جی چاہا کہ کاش وہ کوئی ایتھلیٹ ہوتی۔۔۔ کاش فارغ اوقات میں ویرا مانچسٹر کی سڑکوں پر دکھائی دیتی۔ اس کا قد چھ فٹ دو انچ تھا۔ بال کمر سے بہت نیچے تک لمبے تھے یا سائیکلنگ کرتی یا اسکیٹنگ۔۔۔ جب وہ یہ دونوں کام کرتی تو لگتا کہ کوئی پری بناپروں کے سڑکوں پر نیچی پرواز پر اڑ رہی ہے۔ اس کے بال جو اونچی پونی کی صورت میں بندھے ہوتے لہراتے اڑتے۔۔۔ ایک بار ویرا نے اسے اسکیٹنگ شوز پہنا دیے اور امرحہ منہ کے بل سڑک پر گری' ناک کی ہڈی اتنی بچ گئی کہ بس سرجری کی ضرورت نہ رہی۔ باقی ساری کسر پوری ہوگئی۔۔۔ امرحہ کا بس کا کرایہ بھی بچا' وہ ویرا کے ساتھ ہی اس کی سائیکل پر بیٹھ کر یونیورسٹی چلی جاتی۔۔۔ لیکن ویرا کے ساتھ سائیکل پر بیٹھنا بھی اتنا ہی مشکل تھا جتنا رولر کوسٹر پر بیٹھنا دل گردے کا کام تھا۔ کرایہ بچانے کے لیے وہ اپنے دل گردے روز مضبوط کرتی۔۔۔ وہ سائیکل پر ہزار' ہزار کرتب دکھاتی ہوئی جاتی۔ ویرا کچھ اخبارات کے لیے کالم لکھتی تھی۔ اس لیے اسے نوکری کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے شٹل کاک ہاؤس میں چھوٹے موٹے مرمت کے کام آسانی سے کردیے تھے۔ جس کی اسے لیڈی مہر نے اجرت بھی دی۔ اس کا سرنہ میں ہلاتے امرحہ نے کم ہی دیکھا تھا۔ اسے جیسے سب ہی کام کرنے آتے تھے۔

ڈیرک کی مدد سے اسے جوتوں کے ایک اسٹور میں کام مل گیا۔ اس کا کام بل بنانا تھا بس۔۔۔ کافی آرام دہ کام تھا اور اس کی ہفتہ وار تنخواہ بھی اچھی تھی۔ ہفتے میں ایک بار وہ کیفے ضرور جاتی اور اپنے سابقہ باس سے کافی کے ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی بات چیت کرکے آتی۔

اب تو دادی اور اماں بھی اس سے بات کرتے آب دیدہ ہوجاتی تھیں۔ اسے حیرت ہوئی۔ اس نے پہلی بار دادی کو اپنے لیے آنسو صاف کرتے دیکھا۔ حماد اور علی اسے کافی تمیز سے مخاطب کرتے۔ دانیہ اسے خاندان میں ہونے والی تقریبات کی ویڈیوز بھیجتی رہتی۔ جس میں اسے تو دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ سادھنا' لیڈی مہر اور ویرا کافی شوق سے ان ویڈیوز کو دیکھتیں۔

☆ ☆ ☆

ویسے تو موسم ابر آلود رہتا ہی تھا اور ہلکی پھلکی بارش بھی ہو ہی جاتی تھی۔ لیکن اس دن ہلکی لیکن مسلسل بارش ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ویرا کو کسی اخبار کے دفتر جانا تھا۔ اس لیے وہ اکیلی ہی آکسفورڈ سڑک پر واک کرتی سست روی سے چلتی رہی۔ اسے قطعاً" جانے کی جلدی نہیں تھی۔ وہ موسم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ گیلی گیلی عمارتیں۔۔۔ نم نم منظر اسے اچھا لگ رہا تھا اور بھلے سے وہاں کے مقامی اس موسم سے عاجز آچکے ہوں پر غیر ملکی خاص کر گرم ملکوں کے باشندوں کی جان تھی اس موسم میں۔۔۔ اس نے گہرے گلابی رنگ کے ویرا کے اسٹول کو گردن میں دو بل دے رکھے تھے۔ انہیں کھول کر اس نے سر پر اوڑھ لیا۔ پھر اس نے واپس گردن میں بل ہی دے دیے۔ بارش کی ہلکی ہلکی پھوار سر پر پڑتی اچھی لگ رہی تھی۔ ایک دم سے پیچھے سے ایک نیلی چھتری جس پر گل لالہ کے پھول بکھرے تھے۔ اس کے سر کے اوپر تن گئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پھر چھتری پکڑنے والے ہاتھ کو۔۔۔ وہاں عالیان کھڑا تھا۔

"تمہیں اپنی ٹوئیٹ واپس نہیں چاہیے۔ آج میں تمہیں برگر بھی کھلا سکتا ہوں اور کافی بھی۔"

"اتنی پرانی بات۔۔۔ انہیں اب نہیں چاہیے۔"

"کیوں۔۔۔ اب کیوں نہیں چاہیے؟" چھتری بدستور وہ اس کے اوپر رکھے ہوا تھا۔۔۔ خود وہ بھیگ رہا تھا۔

"تم سے نہیں چاہیے۔۔۔ تم بہت بدتمیز ہو۔"

"میں نے تم سے کب بدتمیزی کی؟"

"کب نہیں کی۔۔۔ ویسے تم مجھ سے اتنی نرمی سے کیوں بات کر رہے ہو؟"

"مجھے خود نہیں پتا چل رہا۔۔۔ میرا دماغ کھسکتا ہی جارہا ہے۔"

"علاج کے لیے پیسے نہیں ہیں تمہارے پاس؟ ایسا کرو' علاج کی بھی ٹویٹ لے لو۔"

"علاج تو میں کروالوں۔۔۔ لیکن اس بیماری کا کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔"

"ایک یونیورسٹی اسٹوڈنٹ کے ساتھ تم ایسی اونگی بونگی باتیں کیسے کرسکتے ہو؟"

"اور یہ یونیورسٹی اسٹوڈنٹ بھی تو سب اونگا بونگا کرتی ہے۔"

"سب کیا۔۔۔؟"

"سب مطلب سب۔۔۔" وہ ہلکے سے مسکرایا اور یہ کرتے وہ ایسا لگا کہ امرحہ نے سوچا۔

"کیا اس نے خدا سے الگ سے اپائنٹمنٹ لی تھی۔"

امرحہ نے ایک چاکلیٹ نکال کر اسے دی۔ "یہ کھاؤ' تمہاری کیلوریز تیزی سے کم ہو رہی ہیں۔"

"تمہیں ڈراپ کردوں۔" وہ چاکلیٹ لے کر کھانے لگا۔

"تمہارے پاس گاڑی ہے؟"

"نہ۔۔۔ سائیکل۔۔۔"

"میں ویرا کے علاوہ کسی کے ساتھ نہیں بیٹھتی۔"

"میں گراؤں گا نہیں۔"

"پر میں تمہیں ضرور گرادوں گی۔۔۔ بھاگ جاؤ' میرا سر نہ کھاؤ۔"

"یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا۔"

"خاص تمہارے لیے۔"

"میرے لیے کچھ خاص۔۔۔ واؤ۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ تم نے سینما دیکھے ہیں یہاں کے؟" اس کے بھورے سر پر بارش کے قطرے لکن میٹی کھیل رہے تھے۔

"ہاں! ویرا کے ساتھ گئی تھی۔"

"اس نے یقیناً" تمہیں ہنگر گیمز دکھائی ہوگی۔ اس کا ماننا ہے کہ وہ جینیفر سے مشابہہ ہے۔"

"لیکن وہ جینیفر سے زیادہ خوب صورت ہے۔"

"میں تمہاری کلاس فیلو جینیفر کی بات نہیں کررہا۔ ویسے میں تمہیں ایک اچھی انڈین مووی دکھا سکتا ہوں۔"

"میں انڈین موویز نہیں دیکھتی۔"

"پاکستانی۔۔۔؟"

"وہ تین' چار ہی ہیں۔۔۔ میں پاکستان سے دیکھ کر آئی ہوں۔"

"بنگالی۔۔۔؟"

"مجھے بنگالی نہیں آتی۔"

"ایرانی۔۔۔ افغانی' تاجکستانی' ترکمانی' عراقی' مصری اور ہاں انڈی میٹڈ۔ کیا تم نے کبھی سینما میں Animated فلم دیکھی ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا تم نے Ratatouille دیکھی ہے؟ دیکھو اگر تم نے اتنی عظیم فلم نہیں دیکھی تو میں تمہیں پہلے اس کی کہانی سنا سکتا ہوں۔ دیکھنا خود تمہارا دل چاہے گا کہ تم فلم دیکھو۔۔۔ یہ ایک قابل ذکر چوہے اور اس کے محسن کی کہانی ہے۔ چوہا جس کے ہاتھ میں کمال کا ذائقہ ہوتا ہے اور وہ دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے شیف سے زیادہ اچھا اور لذیذ کھانا بنا سکتا ہے۔ ایسا کھانا جس کی کھانے والے کو نظیر نہیں ملتی اور ایسی ترکیب اور سلیقے سے۔۔۔"

"چوہا شیف ہوتا ہے؟ مطلب جو کھانا بناتا ہے؟"

"ہاں۔۔۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ وہ کھانا بنانے سے پہلے ہاتھ دھوتا ہے۔۔۔ اس کے ہاتھ صاف ہوتے ہیں۔۔۔ بالکل تمہاری طرح۔۔۔"

"چوہا اور کھانا۔۔۔ آخ خ۔۔۔ خ۔۔۔" امرحہ نے سر کو زور' زور سے جھٹکا۔ "آخ خ۔۔۔ چوہا۔۔۔ اور میرے ہاتھوں جیسے صاف ہاتھ۔۔۔" عالیان نے چھاتے کو بند کیا۔ اس کا ہاتھ تھک چکا تھا اور چلتے چلتے وہ رک گیا اور اسے بھی روک لیا' اب بارش کے قطرے دونوں کے بالوں میں لک چھپ جارہے تھے۔



"پھر کرنا۔"

"کیا۔۔۔؟"

"یہ جو ابھی کیا تھا۔"

"کیا کیا تھا؟"

"وہی جو چوہے کے نام پر کیا تھا۔"

"آخ۔۔۔ خ۔۔۔" امرحہ کو پھر سے چوہے کا خیال آگیا۔

"ایک بار پھر کرنا۔۔۔ پی۔۔۔ پی۔۔۔ پلیز۔"

"تم پاگل ہو گیا کہہ رہے ہو۔"

"جب تم یہ آخ کرتی ہو تو تمہاری بھنویں اور آنکھیں بچکانہ سا رقص کرتی ہیں۔۔۔ اور تمہاری ناک۔۔۔ یہ دائیں بائیں لہرا کر اکساتی ہے کہ اسے پکڑ کر اس پر چٹکی بھری جائے۔"

"تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔" امرحہ کو لگا' وہ اس کی ناک کی چٹکی بھرلے گا۔

"اچھا تمہارا وقت بھی اب قیمتی ہوگیا ہے؟ اچھا چلو پھر فلم کے لیے پکا؟"

"اگر ویرا جانے کے لیے تیار ہو گئی؟"

"ویرا؟"

"ہاں۔۔۔ دادا نے کہا ہے' ہر جگہ اسے ساتھ لے کر جاؤں۔"

"دادا جی کو یہاں ساتھ لے آتیں وہ پھر بھی اچھا تھا۔"

"تم میرے دادا کا مذاق اڑا رہے ہو؟"

"چلو ویرا کو بھی لے آنا۔"

☼ ☼ ☼

اور وہ ویرا کو بھی لے گئی۔ ویرا تو جاتے ہی سو گئی۔۔۔ کیونکہ اسے خالص ایکشن فلمیں پسند تھیں جن میں ہر دو منٹ بعد ایک بم بلاسٹ ہو اور کم سے کم دو آدمی مر جائیں۔۔۔ اور ہیرو بس بڑی بڑی عمارتیں پھلانگتا رہے۔۔۔ اور کسی زمین پر کھڑا ہو ہی جائے تو چار اطراف فائر کھول دے۔

جب چوہے نے پہلی بار کھانا پکانا شروع کیا تو اس نے منہ ہی منہ میں کتنی ہی بار۔۔۔ آخ۔۔۔ آخ۔۔۔ کیا۔۔۔ پھر آہستہ آہستہ وہ دلچسپی سے فلم دیکھنے لگی۔۔۔ اور اختتام پر اس نے تالیاں بجائیں۔ اس نے اس قسم کی فلم پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ہیرو' ہیروئن کے لمبے جھمیلوں سے ہٹ کر۔۔۔ ایسی شان دار فلم۔۔۔ کمال ہوگیا۔

جب وہ ویرا کی سائیکل پر بیٹھ رہی تھی گھر جانے کے لیے تو عالیان نے بہت آہستگی سے اس سے فرمائش کی۔

"ایک بار کہہ دو۔۔۔ آخ۔۔۔ خ۔۔۔" اور وہ قہقہہ لگا کر ویرا کو مضبوطی سے پکڑ کر بیٹھ گئی۔

وہ وہیں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کچھ لوگوں کا آنا جتنی خوشی دیتا ہے۔ ان لوگوں کا جانا اتنی ہی تکلیف دیتا ہے۔ وہ اس وقت ننھی منی سی اسی تکلیف سے گزر رہا تھا۔

وہ عالیان مارگریٹ جو جب سیٹی بجاتا۔۔۔ دونوں ٹانگوں کو ہوا میں اچھال کر ان کی تالی بجاتا جاتا ہے تو کم سے کم پچاس لوگ اسے مڑ کر دیکھنا ضرور پسند کرتے ہیں۔ اگر وہ غصے سے بھی کسی کو دیکھتا ہے تو بھی اس پر پیار ہی آتا ہے۔

☼ ☼ ☼

لیڈی مہر شادی کے دس سال تک بے اولاد رہیں۔۔۔ پھر جب دونوں نے بچہ گود لینے کا سوچا تو ان کے شوہر احمد حسین کا کار کے حادثے میں انتقال ہوگیا۔ احمد حسین دل کے سرجن ڈاکٹر تھے۔ وہ ایک کامیاب انسان تھے اور ایسے کامیاب نرم خو انسان کے چلے جانے کے بعد ان کی بیوی اتنی کامیابی سے زندگی نہ گزار سکیں۔ پہلے فالج سے ان کا آدھا حصہ مفلوج ہوا۔ وہ دو سال پرائیویٹ ہسپتال میں رہیں۔۔۔ میکے کے نام پر ان کے خاندان میں صرف ایک باپ تھے جو ان کی دو سالہ بیماری کے دوران چل بسے۔۔۔ احمد حسین کے تین بھائی تھے۔ لیکن وہ اس صورت مہر سے ملنا چاہتے تھے۔ اگر وہ احمد حسین کی جائیداد ان کے نام

کردیتیں۔۔۔ ایک گھر اور میڈیسن کمپنی کے شیئرز۔۔۔ مہر بچہ گود لینا چاہتی تھیں۔ اب وہ بھی نہیں لے سکتی تھیں۔ ان کی حالت ہی ایسی نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتی تھیں۔۔۔ بچے کو کیسے... اور اس حالت میں انہیں کوئی بھی ادارہ بچہ نہ دیتا۔ تو انہوں نے بچوں کو ان اداروں میں رکھ کر ہی پالنا شروع کردیا۔ ایک ادارہ تھا اور کڈز (ہمارے بچے) جو بچہ پالنے کے خواہش مند افراد کو ایک بچے سے ملوا دیتے اور پھر اس کے اخراجات کے پیسے لیتے رہتے اور اسے اپنے پاس رکھ کر ہی اس کی تعلیم و تربیت کرتے۔

مہر نے یہاں ایک نہیں پورے دس بچوں کو لے کر پالا۔۔۔ وہ کمپنی سے ملنے والے منافع میں سے اپنے اخراجات کے لیے رقم نکال کر باقی سب اس ادارے کو دے دیتیں۔ بچے مہینے میں ایک بار ان سے آکر مل جاتے۔ ایک پورا دن ان کے پاس گزار کر جاتے۔ مہر کو ماما کہتے۔

یہ مختلف قوم و نسل سے تعلق رکھنے والے بچے تھے اور سب مہر کو بہت پیارے تھے۔۔۔ کرسمس۔۔۔ نیا سال وہ مہر کے ساتھ گزارتے۔ ان میں سے ایک مسلمان تھا۔ وہ اپنی عید مہر کے گھر آکر کرتا۔ جیسے جیسے بچے بڑے ہوتے گئے وہ مہر کے پاس رات بھی رکنے لگے۔ وہ سب نہ صرف اپنے کام خود کرتے تھے بلکہ مہر کے بھی کئی کام کردیتے۔ مہر مہینے کے اس ایک دن اور رات کا انتظار کرتیں جب وہ سب ان کے پاس ہوتے۔

یہی بچے بالغ ہوتے ہی اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے مختلف شہروں' ملکوں اور یونیورسٹیوں کی طرف بڑھتے گئے۔ کچھ شادی کرچکے تھے۔۔۔ کچھ نوکری کرتے تھے۔۔۔ کچھ ابھی بھی پڑھ رہے تھے۔ یہ سب دنیا کے کسی بھی کونے میں' کسی بھی حالت میں ہوتے مہر کو فون کرنا نہیں بھولتے تھے۔ لیڈی مہر ہمہ وقت ان کے فون سنتیں یا انہیں سالگرہ کے تحائف بھیج رہی ہوتیں۔۔۔ ان کی طرف سے بھیجے جانے والے فون میسجز یا کارڈز پڑھتی رہتیں۔ مہینے دو مہینے میں کوئی نہ کوئی ان سے ملنے آیا بھی ہوتا۔ جس کی آمد پر وہ ایسے خوش ہوتیں جیسے پاکستان میں مائیں اپنے بیٹوں کو سہرا باندھے دیکھ کر ہوتی ہیں۔

گاہے بگاہے یہ سب شٹل کاک آتے رہتے تھے۔ اسی لیے یہاں چار' پانچ سے زیادہ لوگوں کو پے انگ گیسٹ نہیں رکھا جاتا تھا۔ ایک' دو دن رہ کر وہ چلے جاتے۔ کوئی ڈاکٹر تھا' کوئی انجینئر' کوئی اپنا بزنس کررہا تھا۔ کوئی نرس تھی' کوئی اسٹوڈنٹ' لیکن یہاں آتے ہی وہ سب لیڈی مہر کے بچے بن جاتے۔ ان کے سارے کام خود کرنا پسند کرتے' انہیں کھانا کھلاتے' منہ دھلواتے' ہفتہ وار میڈیکل چیک اپ کے لیے لے کر جاتے' انہیں مختلف پارکوں میں لیے گھومتے رہتے اور رات کو انہیں کہانیاں سناتے' لیڈی مہران کے لیے مقدس ہستی جیسی تھیں۔

ان ہی میں سے ایک مورگن کیمبرج سے ایم فل کررہی تھی۔ وہ اپنے فرینڈ جوش کو بردکھوے کے لیے شٹل کاک لائی کہ اگر ماما ہاں کہتی ہیں تو وہ بھی جوش کو ہاں کہہ دے۔

"یہ گنجا کبوتر تمہیں واقعی۔ پسند ہے مورگن؟"

"اچھا انسان ہے ماما۔" مورگن مسکرائی۔

"کیا سوویت یونین کے برفیلے پہاڑوں میں کام کرتا رہا ہے۔ بہت ہی برفیلا سا ہے۔"

"اگلے سال جوش کی پی ایچ ڈی مکمل ہوجائے گی۔"

"مورگن! کسی ہیرو شیرو کو پسند کرتیں نا سنا ہے کیمبرج میں بہت سے فلم اسٹارز پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ میرا تو خواب ہی رہا کہ میرے کسی بچے کی کسی فلم اسٹار سے شادی ہو۔"

"تو میں جوش کو انکار کردوں ماما۔۔۔؟"

"تمہارے انکار سے تو یہ مر مرا جائے گا۔" انہوں نے بے چارے سے نظر آتے جوش کو دیکھا۔ جو ٹی وی پر ایک ڈاکومنٹری دیکھ رہا تھا' سادھنا اور امرحہ اسے ایسے دیکھ رہی تھیں کہ وہ بے چارہ بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ دراصل دونوں جان بوجھ کر اسے حواس باختہ کررہی تھیں۔

"بس ایویں۔۔۔ خوامخواہ کا مشرقی شغل۔۔۔"

"ہاں تھوڑا ڈر تو ہے۔" مورگن نے ماما کی تائید کی۔

"ٹھیک ہے ہاں کہہ دو پھر اسے۔۔۔ کب کروگی شادی۔۔۔؟ میں چاہتی ہوں تم بہار کی دلہن بنو۔۔۔ لیکن کرسمس کی چھٹیوں کے علاوہ تم کہاں فارغ ہوگی شادی کے لیے۔"

"نہیں۔۔۔ آپ کہہ رہی ہیں تو میں بہار ہی میں کروں گی۔"

"نہیں۔۔۔ کرسمس ٹھیک ہے۔۔۔ ہم کرسٹینا کو بہار کی دلہن بنادیں گے۔ آج کل میں بس وہ بھی آنے ہی والی ہے۔ ایسے ہی کسی نمونے کو لے کر۔"

امرحہ اور سادھنا نے بلند بانگ قہقہے چھوڑے نمونے کے نام پر۔ لیڈی مہر نے جوش کو رسٹ واچ دی تو بے چارہ نم نم سا ہوگیا۔ لیڈی مہر نے مورگن پر ایک خائف سی نظر ڈالی۔

"پھر سوچ لو مورگن۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے ایک' دو بار رونے سے ہی یہ پگھل کر ختم ہوجائے گا۔"

اس بار دونوں اتنا ہنسیں کہ انہیں نشست گاہ سے باہر جانا پڑا۔

جس دن سادھنا کو معلوم ہوا کہ اس کے اکلوتے بیٹے کو ایسی خطرناک بیماری ہوگئی ہے تو دونوں میاں' بیوی کئی دن اور راتوں تک روتے رہے۔ اس کا شوہر ایک کمپنی میں چند ہزار پر ملازم تھا۔ وہ اتنی بڑی بیماری کا علاج کیسے کرواسکتے تھے۔ حیدر آباد میں ایک چھوٹا سا گھر ان کا اپنا تھا۔ لیکن اسے بیچ کر بھی ان کے بیٹے کا علاج نہیں ہوسکتا تھا۔ کسی نے انہیں مشورہ دیا کہ گھر کو بیچ کر سادھنا کا شوہر یورپ کی طرف نکل جائے اور وہاں کام کرے' انہوں نے گھر بیچ دیا' لیکن اس کے شوہر کو ویزا نہ ملا۔ ویزا ایجنٹ نے ہی بتایا کہ آدمی کی نسبت عورت کو ویزا ملنے کے چانسز زیادہ ہوتے ہیں تو سادھنا نے ویزے کے لیے اپلائی کیا اور اسے ویزا مل گیا۔ وہ یہاں ایشیائی گھرانوں میں کام کرتی تھی۔ پاکستانی' ہندوستانی' سعودی گھرانوں میں جاکر وہ گھریلو کام کرتی۔۔۔ گھریلو کام کے لیے ہر گھر ہفتے میں دو دن اسے بلاتا اور فی گھنٹہ کے حساب سے پیسے ملتے۔ لیڈی مہر کے گھر وہ پہلے کرائے دار تھی۔ پھر لیڈی مہر نے اس کے حوالے سارا گھر کردیا۔ وہ لیڈی مہر کو بھی دیکھتی اور گھر کو بھی۔۔۔ دو سالوں میں اس نے کافی کمایا تھا۔ سنگاپور کے ہسپتال میں آریان کے دو آپریشن ہوچکے تھے۔ ایک آخری آپریشن ہونا تھا۔ پھر تین' تین ماہ کے میڈیکل چیک اپ۔۔۔ ڈاکٹر بہت پرامید تھے۔ آریان کی صحت یابی کے لیے اور ڈاکٹرز سے زیادہ سادھنا خود تھی۔

جن گھروں میں وہ جاتی تھی' وہ سب آریان کے لیے الگ سے پیسے دیتے تھے۔ لیڈی مہر بھی ہر آپریشن کے لیے ایک بڑی رقم دیتی تھیں۔

"آپ بہت بہادر ہیں۔" امرحہ کو جس دن ساری کہانی معلوم ہوئی اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"ہاں۔ میں بہادر ہوں' اسی لیے اللہ نے میرا انتخاب کیا کہ میں اس مشکل کو آسان کردوں۔ مجھے اپنے منتخب کیے جانے پر خوشی ہے۔"

"آپ کا بیٹا بہت بڑا انسان بنے گا۔"

"میں اسے بڑا ڈاکٹر بناؤں گی اور اچھا ہی ہوا کہ وہ اس تکلیف سے گزر رہا ہے۔ اس طرح اسے یاد رہے گا کہ تکلیف سے گزرنے والوں کی اس نے کیسے مدد کرنی ہے اور ان سے غفلت نہیں برتنی۔۔۔ قدرت کے ہر اقدام میں ایک گہرا راز ہوتا ہے۔ میں کچھ سمجھ رہی ہوں اس راز کو۔۔۔ کچھ سمجھ جاؤں گی۔"

"اگلا آپریشن کب ہے آریان کا؟"

"چھ ماہ بعد۔۔۔ اس سے زیادہ وقت میں بھی ہوسکتا ہے۔" سادھنا نے اطمینان سے کہا۔

امرحہ بہت متاثر تھی سادھنا سے۔ جب وہ پاکستان میں تھی تو خود کو دنیا کی دکھی اور مظلوم ترین لڑکی سمجھتی تھی۔ وہ رات کو پائن ایپل کی پلیٹ بھر کر کھاتی جاتی اور روتی جاتی۔ اسے لگتا' دنیا میں اس سے زیادہ مشکل اور مصیبت میں کوئی نہیں ہے۔ اس سے زیادہ گھٹن میں

کوئی نہیں رہ رہا۔ سب سے زیادہ تکلیفیں اسے ہی مل رہی ہیں۔ مل رہی ہیں۔ اگر انسان دنیا میں چل پھر کر دیکھے تو اسے خبر ہو کہ جس دکھ پر وہ ایسے واویلا مچاتا ہے' دہائی دیتا ہے' وہ تو کوئی دکھ ہے ہی نہیں۔ لوگ تو کیڑے پڑے زخموں کے ساتھ بھی گنگناتے ہیں۔۔۔ مسکراتے ہیں اور اصل میں وہی انسان بھی ہیں۔۔۔ جو سر کو آسمان کی طرف شکوے کے لیے نہیں شکر کے لیے اٹھاتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

ایک گاہک شو اسٹور میں پچھلے ایک گھنٹے سے گھوم پھر رہا تھا۔ لیکن کوئی جوتا اسے پسند نہیں آرہا تھا۔ ہر بار وہ کاؤنٹر کا چکر لگا کر ذرا آگے نکل جاتا اور پھر سے گھوم کر کاؤنٹر کے پاس آجاتا۔ امرحہ گو بہت مصروف تھی۔ لیکن اسے دیکھ بھی رہی تھی۔

"میں تمہیں یہ بتادوں کہ یہاں اس اسٹور میں جوتوں کی ٹوئیٹ نہیں ملتی۔" امرحہ اس کے پاس آئی۔

"اچھا۔۔۔ تم نے انہیں سکھایا نہیں ٹوئیٹ لینا اور دینا۔"

"تمہیں کیا چاہیے۔۔۔ تمہیں کوئی جوتا پسند نہیں آرہا؟"

"جو اچھا ہے وہ مہنگا ہے' جو مہنگا نہیں۔ وہ اچھا نہیں۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ تم یہاں کسی خریداری کے موڈ میں آئے ہو۔"

"ہاں۔ کچھ کچھ ایسا ہی ہے۔"

"اچھا دیکھو' ہمارے اسٹور روم میں کچھ نقص والے جوتے رکھے ہیں۔ ہم ورکرز چاہیں تو انہیں لے سکتے ہیں۔ میں ان سے بات کرلیتی ہوں' تم میرے ساتھ آکر اچھے والے لیکن سستے والے جوتے لے سکتے ہو۔"

"کتنی اچھی ہو تم۔۔۔ لیکن آج نہیں۔۔۔ شاید کل۔۔۔"

"پھر تم آج کیا کرنے آئے تھے یہاں۔"

"آج۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ میں پتا کرکے کل بتاؤں گا۔" گھڑی کو دیکھتا وہ چلا گیا۔ جیسے مقصد پورا ہوگیا۔

شیشے کے پار سے امرحہ نے اسے جاتے دیکھا۔ وہ "ہاؤ ڈیپ ان لو" کی دھن سیٹی پر بجا رہا تھا اور ایسے چل رہا تھا جیسے راک اسٹار اپنا کامیاب شو کرکے گھر لوٹ رہا ہو۔

کل وہ پھر آگیا۔۔۔ لیکن جوتے لے کر پھر بھی نہیں گیا۔۔۔ جب وہ اسے اسٹور روم میں لے گئی اور اس نے اس کا وہاں کافی وقت لے لیا تو عین وقت پر اسے یاد آیا کہ اس کے پاس تو کافی اچھی حالت میں دو' تین اچھے جوڑے جوتوں کے ہیں' پھر وہ نئے کیوں لے۔

"پھر تم یہاں آئے کیوں؟" وہ زچ ہوگئی۔

"پتا نہیں۔۔۔ بس کبھی کبھی میری یادداشت ایسے ہی چلی جاتی ہے۔ جب یادداشت گئی تو میں آگیا۔ اب واپس آگئی ہے تو مجھے جانا ہوگا۔"

"پاکستان میں ہم تم جیسے لوگوں کو باؤلا کہتے ہیں۔"

"باؤل۔۔۔ آ۔۔۔؟"

"ہاں باؤل۔۔۔ آ۔۔۔ چلو جاؤ اب۔ کتنا وقت ضائع کیا میرا۔"

جاتے جاتے وہ پھر رک سا گیا۔ "میرا خیال ہے اگر میں ایک جوڑا جوتا لے ہی لوں گا تو قومی اسمبلی میں اسے یقیناً "زیر بحث" نہیں لایا جائے گا۔" وہ پھر سے جوتے پہن پہن کر دیکھتا رہا۔

"ویسے مجھے یہ خیال بھی آرہا ہے کہ ایک اسٹوڈنٹ کو اتنا شاہ خرچ نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ اوہاں یاد آیا۔۔۔ میں نے سنا ہے کہ ایشیا میں لوگوں کے پاس اتنے کپڑے اور جوتے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اپنے کپڑے' جوتے دنیا بھر کے انسانوں میں تقسیم کرنے لگیں تو ہر ایک کو دو' دو جوتے اور کپڑے مل جائیں۔۔۔ کیا تمہارے پاس بھی اتنے ہی ہیں؟"

وہ گڑبڑا گئی۔ "پتا نہیں۔"

"یعنی اتنے ہی ہیں۔۔۔ ہر وقت تم لوگ کپڑوں اور ایسی چیزوں کے بارے میں سوچتے رہتے ہو اور پھر اصل باتوں پر سوچنے کے لیے دماغ میں اور جگہ ہی



نہیں رہتی۔"

"میرے دماغ میں بھی اور جگہ نہیں رہی' تمہاری اوٹ پٹانگ باتیں سن سن کر۔۔۔"

کندھے اچکا کر وہ چلا گیا۔۔۔ باہر بارش ہو رہی تھی اور سڑک کو پار کرتے فٹ پاتھ پر چلتے اس نے کم سے کم پانچ بار مڑ کر شیشے کے اس پار کاؤنٹر پر سر جھکائے کمپیوٹر میں بلز کی انٹری کرتے امرحہ کو دیکھا۔

اس بار اس نے سیٹی کی دھن بدل ڈالی۔ وہ ایک مشرقی دھن بجا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈیرک آرٹ کا اسٹوڈنٹ تھا اور اس نے ایک مقامی چینل کے لیے دو منٹ کی ڈاکومنٹری بنائی اور ڈبنگ کے لیے امرحہ کو بلایا۔ امرحہ جانتی تھی' وہ اب تک شرمندہ ہے۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ اس کی مدد کرتا ہے۔۔۔ دو منٹ کی ڈبنگ کے اسے اچھے خاصے پیسے مل گئے تھے اور کافی سے زیادہ معلومات بھی صرف ایک کیمرے کے ساتھ ڈیرک نے وہ ڈاکومنٹری بنائی تھی اور اچھے خاصے پیسے بنا لیے تھے۔

ڈیرک نے اسے اپنی پہلے سے بنائی گئی دوسری ڈاکومنٹریز بھی دکھائیں۔ اسے وہ سب اچھی لگیں' خاص کر ڈیرک کی کوشش اچھی لگی۔

چند دن سوچنے کے بعد اس نے ڈیرک سے مشورہ کیا۔ وہ مانچسٹر یونیورسٹی میں ایڈمیشن سے متعلق ایک تفصیلی ڈاکومنٹری بنوانا چاہتی تھی۔ تاکہ پاکستانی اسٹوڈنٹس کو اچھی طرح سے اپ ڈیٹ رکھا جائے۔ ڈیرک نے اسے بتایا کہ ڈاکومنٹری کے لیے بھی اسکرپٹ لکھا جاتا ہے۔ پہلے وہ اسکرپٹ لکھے۔ اس نے اپنے لکھے اسکرپٹ اسے دے دیے۔ تاکہ وہ ان سے سیکھ لے۔ انہیں کئی دن پڑھنے کے بعد اس نے پانچ منٹ کا اسکرپٹ لکھ لیا۔ ڈیرک نے کچھ بنیادی تبدیلیاں کیں اور انہوں نے ایڈمیشن سے متعلق ایک جامع ویڈیو بنالی۔۔۔ ڈیرک نے اس کی انگلش میں ڈبنگ کی اور امرحہ نے اردو میں۔۔۔ ویڈیو اس نے پاکستان کے چند ٹی وی چینلز کو بھیج دی اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔

تھوڑا وقت لگا اور جواب آگیا۔ وہ ویڈیو خریدنے کے لیے تیار تھے۔ پر وہ بہت ہی کم پیسے دے رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ اسے کم پیسوں پر ہی دے دینی چاہیے' لیکن ڈیرک نے روک دیا۔

"کبھی فیصلوں میں اتنی جلدی نہیں کرتے۔ جلد بازی ایک بڑے نقصان کا باعث بے شک نہ بنے۔ لیکن بڑے فائدے سے ضرور محروم کردیتی ہے۔ میری پہلی ڈاکومنٹری ایک سال میرے پاس پڑی رہی تھی۔ کوئی اسے خریدنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ ٹرائل کے لیے میں نے پھر اسے ایک جرنلسٹ کو دے دیا۔ اس نے اپنے بلاگ پر پوسٹ کردی۔ بس پھر مت پوچھو۔۔۔ جن چینلز نے انکار کیا تھا۔ وہ اس کے رائٹس لینے کے لیے تڑپنے لگے' یہاں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک جنہیں اچھی چیز چاہیے۔۔۔ دوسرے جنہیں اچھی بکنے والی چیز چاہیے' جو انہیں فائدہ دے۔۔۔ تمہیں ایک سے انکار ہوا ہے۔ تم دوسرے کے پاس جاؤ۔"

ڈیرک نے ہی اس کے ساتھ مل کر تھوڑی بہت ریسرچ کی اور اس بار انہوں نے ان پاکستانی کمپنیز کو ویڈیو بھیجی جو اسٹوڈنٹ ویزا کا کام کرتے تھے۔ انہیں ایک دوسرے درجے کی ویزا کمپنی نے ہاں کہہ دی اور نسبتاً "اچھی رقم آفر کی۔ امرحہ نے ہاں کہہ دی۔۔۔ یہ ہاں اچھی رہی۔ کیونکہ اسی کمپنی نے چند اور ایک ایک۔۔۔ دو' دو منٹ کی ویڈیوز کے لیے امرحہ سے بات کی۔ انہیں مانچسٹر یونیورسٹی کے چند دوسرے ڈیپارٹمنٹس کی تفصیلات چاہیے تھیں۔ جو وہ اپنے اسٹوڈنٹس کو دکھا سکتے۔ امرحہ اور ڈیرک نے وہ بھی بنا کر بھیج دیں۔ امرحہ کو اچھا خاصا فائدہ ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر یہی رفتار رہی تو وہ بہت جلد اپنا تھرٹی پرسنٹ کا قرض دائم کے ہاتھ میں تھمادے گی۔

☼ ☼ ☼

اس کی کفایت کا گراف اونچا ہوتا جا رہا تھا اور فضول

خرچی کا نہ ہونے کے برابر۔ سردیاں آچکی تھیں‘ تو اس نے اپنے لیے صرف گرم کوٹ لیے تھے۔ جو وہ پاکستان سے لائی تھی۔ وہ یہاں بے کار تھے۔ یہاں کی سردی اس کی سوچ سے بڑھ کر تھی۔

رات گئے ایک دن دادا کا فون آیا۔ اسے وہ کافی پریشان لگے۔

"پریشان نہ ہونا امرحہ۔ دھیان سے سنو تمہارے بابا ہسپتال میں ہیں۔ پوری اعظم مارکیٹ میں آگ لگی تھی۔ بس واجد خود کو سنبھال نہ سکا۔"

"کیا ہوا دادا؟" وہ چلا اٹھی۔

"وہ ٹھیک ہے۔ سینے میں درد ہوا تھا اس کے۔"

"میری بات کروائیں۔"

"ابھی وہ ہوش میں نہیں ہے تم دعا کرو۔"

وہ کمرے سے نکل کر باہر کا دروازہ کھول کر آسمان تلے آگئی۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ ایسے جیسے دنیا کی ہر چیز اسے دباؤ سے مار ڈالے گی۔ سادھنا اس کے پیچھے آئی۔

"پاکستان میں سب ٹھیک ہے امرحہ؟"

"میرے بابا ہسپتال میں ہیں۔" اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ "وہ ٹھیک ہوجائیں گے۔"

وہ منہ اٹھا کر سادھنا کو دیکھنے لگی۔

"تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو۔ دو دن پہلے تم مجھے کہہ رہی تھیں۔ تم شیر جوان ہو۔"

"میرے اندر گھبراہٹ بڑھ رہی ہے۔ میرا دل پھٹا جارہا ہے۔"

"یہ گھبراہٹ نہیں مایوسی ہے۔ جب انسان مایوس ہوتا ہے اس کے اندر ایسے ہی ابال اٹھتے ہیں۔ اسے بے چین کردیتے ہیں۔ یہ مایوسی ہی ہے۔ ورنہ تم ایسے نکل کر باہر کو نہ بھاگتیں۔ اپنی عبادت کرتیں۔ پہلا کام رونے کا نہ کرتیں دعا کا کرتیں۔ خود کو سنبھالو۔ اپنے گھر والوں کا حال احوال لو۔"

وہ سادھنا کی طرف دنگ سی دیکھتی رہ گئی اور امید کی طرف لپکی۔ فون کیا اور دادی‘ اماں سب کو جی جان لگا کر تسلی دی۔

"گھبرائیں نہیں‘ وہ ٹھیک ہوجائیں گے۔" اس کا انداز مضبوط تھا۔

"اگر انہیں کچھ ہوگیا تو۔" اماں روتی جاتی تھیں۔

"میرے پاس آپ کی مایوسیوں کے جوابات نہیں ہیں۔" دادا اس کی مختلف ڈاکٹرز سے بات کرواتے رہے۔ ٹھیک تین گھنٹے بعد انہیں ہوش آگیا اور دو دن بعد وہ گھر چلے گئے۔

دکان میں موجود بیں پچیس لاکھ کے قالین جل کر راکھ ہوچکے تھے۔ بابا کے سینے میں تکلیف کیوں نہ اٹھتی۔ کاروبار کے نام پر وہ کنگال ہوچکے تھے۔

پاکستان میں سب بے حد پریشان تھے کہ اب کیا ہوگا اور مانچسٹر میں وہ تن دہی سے ان معاملات کا حل نکالنے میں مصروف تھی۔ وہ فکر مند ضرور تھی۔ لیکن ہلکان یا پریشان نہیں۔

"واجد سود پر قرض لے رہا ہے۔" دادا نے فون پر جتایا۔

"سود پر؟" اسے دھچکا لگا۔

"ہاں۔ میری کوئی بات نہیں سن رہا۔ بنا سود کے قرض کہیں سے نہیں مل رہا۔"

"سود حرام ہے دادا۔" اسے دکھ ہوا جان کر۔

"یاد ہے مجھے اور واجد کو بھی یاد دلایا ہے۔ کہتا ہے سود نہیں ہے۔ بس وہ قرض پر منافع لیں گے۔" دادا آبدیدہ ہوگئے۔ "یا وہ گھر بیچے گا یا قرض لے گا۔ ورنہ دکان کیسے چلائے گا۔"

"بابا سے کہیے گا قرض نہ لیں‘ میں کچھ کرتی ہوں۔"

"تم کیا کروگی؟" دادا حیران ہوئے۔

"کیوں۔ بہت کچھ کرسکتی ہوں میں۔ جہاں ایک مشکل آتی ہے وہاں دائیں بائیں سو حل آتے ہیں۔ میں دائیں بائیں اوپر نیچے دیکھتی ہوں‘ حل ضرور کہیں آس پاس ہی ہے۔"



اس نے اب تک کی اپنی جمع کی گئی۔ تنخواہ اور ڈاکومنٹریز سے ملنے والے پیسے بابا کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروادیے۔ وہ پاکستانی چند لاکھ تھے۔ فی الحال اتنے بھی کافی تھے۔ پھر کافی سوچ بچار کے بعد اس نے لیڈی مہر کے سامنے اپنا مسئلہ رکھا۔

انہوں نے خاموشی سے ایک چیک کاٹ دیا۔ وہ حیران چیک دیکھتی رہ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ لیڈی مہر اسے مشورہ دیں گی کہ ایسے کرلو یا ویسے کرلو۔ لیکن انہوں نے مناسب رقم کا ایک چیک اسے لکھ دیا۔

"یہ قرض ہے۔" انہوں نے اسے یاد دلایا۔

"جی بالکل۔" اس نے سر ہلایا۔

"تمہیں معلوم ہے امرحہ! کہ میں تمہیں اور تم جیسی کئی لڑکیوں کو یہاں مفت بھی رکھ سکتی ہوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کرتی۔ اگر ایسا کیا میں نے تو تمہیں بے کار اور ناکارہ بنادوں گی۔ میرا ایک بیٹا اسی شہر میں رہتا ہے اور وہ میرے ساتھ نہیں رہتا۔ میں نے اسے کوشش اور مسلسل کوشش کرتے رہنا سکھایا ہے۔ میرے اس آرام دہ گھر کے شاہانہ بستروں پر اسے نیند نہیں آتی۔ میں اپنے بچوں کو اس دنیا کے کامیاب ترین انسان بنے دیکھنا چاہتی ہوں اور ایسا انسان بننے کے لیے انہیں ایک شاہانہ نہیں محنت کی زندگی گزارنی پڑے گی۔ انہیں زیرو ہونا پڑے گا‘ تاکہ وہ زیرو کے آگے اعداد لکھ کر اپنے نمبر بڑھا سکیں۔ میرے بابا ایک کسان تھے۔ اسکاٹ لینڈ میں ان کا اپنا فارم ہاؤس تھا۔ وہ کہا کرتے تھے۔ "محلوں میں زندگی گزارنے والے بدقسمت ترین لوگ ہیں‘ کیونکہ وہ ناکارہ ہیں۔" وہ اپنے مٹی سے اٹے ہاتھ اٹھا کر اعلان کرتے۔ "خوش قسمت تو ہم ہیں۔ کیونکہ ہم کار آمد ہیں۔ زندگی ہم میں سانس لیتی ہے۔ زندگی ہم میں دھڑکتی ہے۔" میں یہ رقم تمہیں ویسے بھی دے سکتی ہوں۔ اللہ نے مجھے بہت دیا ہے۔ لیکن یہ قرض اس لیے ہے۔ تاکہ اسے واپس کرنے کے لیے تم خود کو کار آمد بناؤ۔ ٹھیک ہے؟"

"جی۔ ٹھیک ہے۔"

اس نے چیک بھی بابا کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروادیا۔ بابا کا فوراً فون آیا۔

”امرحہ۔۔۔ اتنے پیسے۔ کہاں سے آئے اتنے پیسے؟“

”میں نے اپنی لینڈ لیڈی سے بنا سود کے ادھار لیے ہیں۔۔۔ اور کچھ میرے اپنے جمع کیے گئے ہیں۔“

”تم نے کیسے جمع کیے؟“ دادا کے سوا کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ وہاں جاب کرتی ہے۔ ایک، دو بار دادا نے بابا سے کہا کہ امرحہ کو پیسے بھیجنے چاہئیں، تاکہ وہ اپنی چھوٹی بڑی ضروریات پوری کرسکے تو بابا نے چند ہزار پاکستانی دادا کے حوالے کیے کہ اس سے اس کے تین، چار ماہ آرام سے گزر جائیں گے۔ امرحہ نے وہ پیسے دادا کے پاس ہی رہنے دیے۔

”میں جاب کرتی ہوں بابا۔“

”جاب۔۔۔ تم کام کرتی ہو وہاں۔۔۔ تم نے تو کبھی پاکستان میں چھوٹی سی بھی جاب نہیں کی۔“

”نہیں کی۔ غلطی کی۔۔۔ اب کررہی ہوں اور بہت خوش ہوں۔ بابا! یہاں سب کرتے ہیں۔“

بابا آب دیدہ ہوگئے۔ زندگی میں پہلی بار اس کے لیے۔ ”امرحہ! تم کب اتنی سمجھ دار ہوگئیں۔ علی اور حماد کو کھیلنے کودنے سے فرصت نہیں ہے اور تم نے مجھے وہاں سے لاکھوں بھیج دیے۔ میں نے تو تمہیں وہاں جانے کے لیے ایک روپیہ نہیں دیا تھا۔“

”علی اور حماد کو کھیلنے کودنے سے اس لیے فرصت نہیں ہے بابا کیونکہ آپ نے انہیں کھیل کود میں مصروف رکھا ہے۔ ان پر سختی کریں۔ اگر وہ پڑھنا نہیں چاہتے تو انہیں کوئی ہنر سکھائیں۔ ہم خود ہی تو اپنے بچوں کو ایسی آرام و آسائش کی زندگی دیتے ہیں۔ ہم خود ہی تو انہیں ناکارہ بنادیتے ہیں۔“

بابا خاموشی سے سنتے رہے۔ ”تمہارے دادا نے کہا: تم وہاں بڑی کلاس میں پڑھ رہی ہو۔ مجھے یقین آرہا ہے کہ واقعی تم بڑی کلاس میں پڑھ رہی ہو۔ مجھے بتاؤ میں اور کیا، کیا کروں؟“

بابا کی یہ بات ”مجھے بتاؤ، میں اور کیا، کیا کروں“ نے اس کے دل کی دھڑکن تیز کردی۔ خوشی سے اس کا برا حال ہوگیا۔

”بابا! پہلے تو سب کو کفایت کی عادت ڈالیں۔ فضول خرچی ترک کردیں۔ علی اور حماد سے کہا کریں صبح جلدی اٹھا کریں۔ دانیہ سے کہیں کہ وہ ساتھ ساتھ کوئی جاب کرے۔ بابا اپنے ذہن پر کوئی دباؤ نہ رکھیں۔ جو نقصان ہوگیا ہمارا اسی میں فائدہ ہوگا۔ ایک چھوٹا نقصان ہمیں بڑے نقصان سے محفوظ رکھتا ہے۔ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ بس یہی کافی ہے۔ آپ بس محنت سے نئے سرے سے اپنا کام کریں اور میری خواہش ہے کہ آپ یتیم خانے کے بچوں کو بلوا کر انہیں دکان میں بٹھا کر کھانا کھلائیں۔“

”میں خود جاکر انہیں لاؤں گا اور کھانا کھلاؤں گا۔۔۔ اور بتاؤ۔“

وہ آب دیدہ سی ہوگئی اور بابا سے کہہ نہ سکی کہ یہ والدین ہی ہوتے ہیں۔ جو اپنی اولاد کو وہ کل پرزے بناتے ہیں جو زندگی کی گاڑی میں شان سے فٹ ہوجاتے ہیں اور گاڑی چھکا چھک دوڑتی چلی جاتی ہے اور اگر والدین ان ہی پرزوں کو کند کردیں تو زندگی کی گاڑی جام ہوکر بند ہوجاتی ہے اور بہرحال اس کا ذمہ پہلے سربراہ پر آتا ہے، کیونکہ نومولود اپنے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔

”بس بابا! اپنا خیال رکھیں اور کبھی دل چھوٹا مت کیجیے گا۔“

”میری دکان پھر سے چل نکلی تو میں تمہیں پیسے بھیجا کروں گا۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے بابا۔۔۔! میرے پاس میری ضرورت کے لیے کافی پیسے ہوتے ہیں۔“

”تم تھک جاتی ہوگی؟“

”بالکل نہیں۔۔۔ مجھے اچھا لگتا ہے سب کرنا۔“

☆ ☆ ☆

کرسمس آنے میں ابھی وقت تھا۔ موسم اس کی سوچ سے زیادہ ٹھنڈا ہوچکا تھا۔ یونیورسٹی میں وہ ہر وقت مونگ پھلی کھاتی ہوئی پائی جاتی اور جس تعداد میں اس کی ہائے ہیلو بڑھ چکی تھی یونیورسٹی میں اسی حساب سے جتنی مونگ پھلی منہ میں جاتی تھی، اس سے کہیں زیادہ دوسروں کے ہاتھوں میں جاتی تھی۔ اب روز کی کلو دو کلو مونگ پھلی تو وہ نہیں لے سکتی تھی نا۔ اس لیے جہاں ذرا سا سناٹا سا دیکھتی، منہ میں ڈال لیتی۔ ایک دن ایسا کرتے اسے اپنے پیچھے عالیان کا قہقہہ سنائی دیا۔

”کتنی چالاک ہو تم، کیسے چھپ چھپ کر کھا رہی ہو۔“

”نہیں تو۔۔۔“ وہ صاف مکر گئی۔

امرحہ انگلش لٹریچر کی اسٹوڈنٹ تھی اور عالیان بزنس کا۔۔۔ اور امرحہ تو پھر اپنی عادت کے مطابق پوری یونیورسٹی کا ہفتے میں ایک چکر ضرور لگالیتی۔ ورنہ حصوں میں تو ضرور ہی چکر کو مکمل کرلیتی۔ لیکن عالیان کم ہی کہیں چلتا پھرتا، کھڑا ٹہلتا نظر آتا۔ ہاں کبھی کبھی وہ ایسے ہوجاتا کہ ہر وقت ہر ایک کو نظر آتا اور کبھی ایسے کہ ہر کوئی اس کا پوچھ رہا ہوتا کہ وہ کہاں ہے۔

اب وہ پھر ایسے اچانک سے نمودار ہوا تو امرحہ کو اچھا لگا۔ اس نے جیب سے مونگ پھلی نکال کر اسے دی اور ساتھ ساتھ وہ اسے بتاتی رہی کہ لاہور میں مونگ پھلی کیسے بکتی ہے۔ کیسے اسے گرم کیا جاتا ہے۔ کیسے ہیٹر کے پاس بیٹھ کر اسے اڑایا جاتا ہے۔ پھر اس نے اسے بتایا کہ بچپن میں وہ مونگ پھلی کے چھلکوں کے ڈھیر کو چپکے چپکے کھنگالا کرتی تھی کہ اس میں سے اسے کوئی مونگ پھلی مل ہی جائے۔ عالیان دیر تک ہنستا رہا۔

”میں یقین کرتا ہوں۔۔۔ مجھے یقین ہے، تم نے یہی کیا ہوگا۔“

وہ ہنستا رہا۔ پھر اپنی انگلی کی پور سے اپنی آنکھ کی نمی صاف کی اور اپنے کراس بیگ میں اس سے مونگ پھلی بھروا کر اپنی کلاس لینے چلا گیا اور پھر وہ اسے ایک ایسے وقت نظر آیا کہ اس نے حیرت سے کتاب بند کردی۔ رات بارہ بجے سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ وہ اپنے کمرے میں پڑھ رہی تھی اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے ذرا دور گھر کے دوسرے کنارے کی طرف اسے وہ نظر آیا۔ پہلے اس نے سر کو اٹھا کر جیسے سارے گھر کا بھرپور جائزہ لیا۔ پھر وہ ایک کھڑکی کی طرف بڑھا۔ امرحہ نے جھٹ اپنے کمرے کی بتی بجھادی اور کھڑکی سے سر نکال کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس کھڑکی سے اچھل اچھل کر اندر جھانک رہا تھا۔ پھر اس نے یہی کام دوسری کھڑکیوں کے ساتھ کیا۔ پھر وہ کھڑکی کی چوکھٹ پر کھڑا ہوکر پائپ کا سہارا لے کر اوپر کی منزل کے ایک بیڈ روم کی کھڑکی میں جھانکنے لگا۔ امرحہ کا حیرت سے برا حال تھا۔ وہ اتنی مشاقی سے یہ سب کررہا تھا جیسے اسپائیڈرمین ہو اور ایک عرصے سے ایسے کرتب کرتا رہا ہو۔ پھر وہ اس کھڑکی سے زمین پہ کود آیا اور ٹہلنے سا لگا۔ امرحہ نے سر کو ذرا پیچھے کرلیا۔ اب وہ اسی۔ کھڑکی کے پاس آرہا تھا۔ امرحہ نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ وہ اسی کی کھڑکی کے پیچھے کھڑا تھا۔ اب وہ کھڑکی بھی بند نہیں کرسکتی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے چند منٹ انتظار کیا اور کھڑکی سے پیچھے جھانکنے کے لیے آگے ہوئی اور اس کی چیخ نکل گئی۔ عالیان ایک دم سے اس کے سامنے آیا۔۔۔ وہ کھڑکی پر چڑھ چکا تھا۔

”امرحہ۔۔۔!“ عالیان نے سرگوشی سی کی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

# کوئی سے جانا تو

## عائشہ نصیر احمد

"کتنی عجیب بات ہے۔" اس کی پوری بات تفصیل سے سننے کے بعد تاسف سے سرہلاتے ہوئے میں محض اتنا ہی کہہ سکا۔ اگرچہ کہنے کو دل میں بہت کچھ ابل رہا تھا۔

"اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جب میں نے اپنا پرس کھولا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہاں میری لپ اسٹک، فیس پاؤڈر، مرر اور سیل فون کے علاوہ ـــــ ایک سکہ تک نہیں۔ کریڈٹ کارڈ تک میں لے جانا بھول گئی تھی۔ اف! فاخر۔ میرے تو مانو شرمندگی سے پسینے چھوٹ گئے۔" اس وقت کے شرمندگی کے اثرات میں ابھی بھی اس کے چہرے پر دیکھ سکتا تھا۔

"تم کیوں شرمندہ ہوئیں۔ شرمندہ تو اسے ہونا چاہیے تھا۔ لڑکی کو لنچ پر لے جارہا ہے اور جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہیں۔ یعنی کہ حد ہے کنگلے پن کی۔" ایک ضبط مسلسل سے بیٹھ کر اس کی کہانی سنتے سنتے مجھے اس کی آخری بات پر غصہ ہونا ہی پڑا۔ وہ ٹھنک کر میری صورت دیکھنے لگی۔

"اس کا کیا قصور فاخر۔ اس کی تو جیب کٹ گئی تھی۔" اس نے پھر سے مجھے یاد دلایا۔

"مجھے تو اس بات میں بھی شک ہے۔" میں نے یقین سے کہا۔ اس نے چند لمحے میری بات سمجھنے کی کوشش کی اور پھر جیسے اچھل پڑی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہوگا۔"

"ظاہر ہے۔ کیا تم نے اس کی جیبیں ٹٹول کر دیکھی تھیں۔ نہیں نا۔ اس نے بھی یہی سوچا ہوگا۔ اس لیے جو جی میں آیا بول دیا۔ کیونکہ اسے پتا ہے تم آنکھیں بند کرکے یقین کرلوگی۔"

"اگر وہ اتنا ہی گھٹیا ہوتا تو کبھی اپنی مہنگی رسٹ واچ اتار کر نہ دیتا۔" وہ سلگ کر بول اٹھی۔

"تو اس کے پاس اس کے سوا اور چارہ بھی کیا تھا۔ اینڈ لیٹ می ریمائنڈ یو کہ یہ واچ بھی اسے تم ہی نے گفٹ کی تھی۔" میں بڑی کوشش کررہا تھا۔ اس خبیث انسان کے لیے ہالہ کے سامنے میرے منہ سے کوئی گالی نہ نکلے۔ مگر اس کے باوجود میں اپنے لہجے کی تلخی پر قابو نہیں رکھ پایا اور وہ بگڑتے تیوروں کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"فاخر۔ بس بھی کرو۔ تمہیں احساس ہی نہیں ہے کہ تم کیا بول رہے ہو۔ یقیناً تم میرے پیٹھ پیچھے میرے بارے میں بھی ایسی ہی باتیں کرتے ہوگے۔ میں بھی کتنی پاگل ہوں ناکہ ہر بار اپنی اتنی پرسنل باتیں تم سے شیئر کرنے لگ جاتی ہوں۔" اس نے انتہائی غصے سے کرسی سے لٹکا اپنا پرس کھینچا۔

"اور اس سے بڑا پاگل میں ہوں جو بیٹھ کر تمہاری باتیں سنتا ہوں۔" میں نے بھی کوئی لحاظ نہ رکھا۔

"تو مت سنو نا۔ کس نے کہا ہے سننے کے لیے اور اب تو میں تم سے یہ باتیں کروں گی ہی نہیں۔ بلکہ میں تم سے بالکل ہی کوئی بات نہیں کروں گی۔" ٹیبل پر رکھا سیل فون اٹھاتے ہوئے اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور اپنی اونچی ہیل کی سینڈل سے کھٹ کھٹ کرتی میری نظروں سے دور ہوتی چلی گئی۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر بالوں میں ہاتھ پھنسائے۔

مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ ناراض ہوگئی تھی۔ کیونکہ اس کی ناراضی مجھ سے زیادہ دیر نہیں چلتی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس مسٹر فراڈیے کے ساتھ واقعی سیریس ہو رہی تھی۔ یہ بھی اپنے طرز کی ایک انوکھی اور عجیب و غریب ہی کہانی تھی۔ میں کسی اور سے سنتا تو کبھی یقین نہ کرتا۔ مگر فی الحال یہ میری اپنی ہی زندگی سے وابستہ ہوگئی تھی اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا کردار بننے پر مجبور تھا۔

اور اس وقت جب میں ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کے پاس آیا تو میرے سیل نے مجھے کسی کال کی اطلاع دی۔ میں نے موبائل نکال کر دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیا۔ اس کی ناراضی پانچ منٹ بھی نہیں چلی تھی۔

"کہاں ہو تم؟" اس کی پریشان سی آواز ابھری۔

"جہاں تم چھوڑ کر گئی تھیں۔" جواب دیتے ہوئے مجھے تھوڑی حیرت بھی ہوئی اور آس پاس بھی نظر دوڑائی۔

"اوکے۔ آکر مجھے پک کرلو۔ میں یہیں ہوں مطلب۔ اس سڑک پر سیدھے۔ ذرا آگے آؤ گے تو۔ میں رکشے میں بیٹھ گئی تھی۔ مگر بیٹھنے کے بعد اسے پیسوں کا معاملہ طے کرنے کا خیال آیا۔ اس پر ہمارا جھگڑا ہوا اور وہ مجھے بیچ سڑک پر اتار کر چلا گیا۔" اس کا شرمندہ سا لہجہ روہانسا ہوگیا۔

"تو تم سے کس نے کہا تھا اتنی ضد دکھانے کو۔"

میں نے بدقت خود کو یہ کہنے سے روکا۔ اسے ڈرائیونگ نہیں آتی تھی۔ ریسٹورنٹ میں بھی وہ میرے ساتھ آئی تھی۔ پھر یوں ناراض ہو کر بنا سوچے سمجھے جانے کا تو یہی نتیجہ نکلنا تھا۔

"اچھا۔ میں آرہا ہوں۔" اسے تسلی دے کر میں فون بند کرکے گاڑی میں آبیٹھا۔ میرے بغیر اس کا گزارا نہیں ہوتا تھا اور شادی وہ اس فراڈیے سے کرنا چاہتی تھی۔ خیر میں نے بھی سوچ لیا تھا۔ جب تک اس ٹوپی باز کا پورا بائیو ڈیٹا معلوم نہ کرلوں، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ میری اچھی بھلی زندگی میں کسی تھرڈ کلاس ڈرامے کے بدترین ٹوئسٹ کی طرح آنے والے اس رقیب کا خاتمہ اب میرے ہی ہاتھوں ہونا تھا، یہ طے ہوچکا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہالہ میرے آفس میں کام کرتی تھی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ میں اس کے آفس میں کام کرتا تھا۔ کیونکہ وہ اس کمپنی کے مالک کی بھتیجی تھی۔ شوقیہ جاب کرتی تھی۔ جیسے اس جیسے نوے فیصد اپر کلاس لڑکے، لڑکیاں کیا کرتے تھے۔ ٹائم پاس کے لیے اور اس کے لیے ان کے باپ، تایا، چچا اور ماموں کے آفسز کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔

اگرچہ وہ میری اسسٹنٹ تھی۔ مگر ہمارے درمیان رعب و تکلف والا کوئی رشتہ نہ تھا اور وجہ صاف ظاہر ہے۔ پھر وہ خود بھی بہت دوستانہ مزاج کی تھی اور بہت جلد گھل مل جانے والوں میں سے تھی اور۔ میں تو ویسے بھی دن کا آدھا حصہ اسی کے ساتھ گزرتا تھا۔ یوں مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ میں کب اس کا دوست کم سہیلی بن گیا اور وہ مجھ سے ہر وہ بات کرنے لگی جو وہ اپنی کسی بھی لڑکی دوست سے کرسکتی تھی۔ غیبتیں، چغلیاں ادھر ادھر کی ڈھیر ساری گوسپ۔ پریشانی مجھے تب ہوئی جب اس کی گفتگو میں کسی برائن کا تذکرہ تواتر سے ہونے لگا۔ برائن نے یہ کیا، برائن نے وہ کیا، برائن ایسا ہے، برائن ویسا ہے، ایک بار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اس سے پوچھا تھا۔ اسے اپنے لیے کیسا لڑکا چاہیے؟

"ٹال۔ ڈارک اینڈ ہینڈسم۔" اس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا اور میں اندر سے بجھ سا گیا۔ یعنی وہ میرے منہ پر مجھے ریجیکٹ کر رہی تھی۔ کیونکہ نہ تو میں اتنا ٹال تھا اور نہ اتنا ڈارک، خالی خولی ہینڈسم سے کیا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود میں نے ڈھیٹ بن کے دوبارہ پوچھا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا۔ ٹال اور ڈارک سے کم پر معاملہ طے نہیں ہوسکتا۔" میرا انداز اس سیلز مین جیسا تھا جو کسی گاہک کو اس کی مرضی کے بجائے اپنی مرضی کی چیز خریدنے پر مجبور کر رہا ہو۔

"بالکل نہیں۔ اگر مجھے برائن لارا نہیں مل سکتا تو کم از کم برائن لارا جیسا تو کوئی ہو۔" اس دن مجھے اندازہ ہوا کہ ہالہ بھی ان پاگل اور سرپھری لڑکیوں میں سے ایک ہے جو کسی بھی انٹرنیشنل اسٹار کو اپنا آئیڈیل بنا لیتی ہیں اور پھر اسی طرح کی بے وقوفیاں کرتی ہیں جو ہالہ کر رہی تھی۔ وہ برائن جو کوئی بھی تھا اسے فیس بک پر اسی نام سے ملا تھا اور ہالہ صرف اس کے نام پر ہی ریجھ گئی اور میں جو اس کی محبت میں کرس گیل بھی بننے کو تیار تھا۔ صرف دیکھتا رہ گیا۔

ان کا یہ تعلق بہت تیزی سے آگے بڑھا تھا اور یہ دونوں فیس بک کے علاوہ فیس ٹو فیس بھی ملنے لگے تھے اور ہر ملاقات کا احوال اپنی جزئیات سمیت میرے علم میں بھی بنا کسی تعطل کے آتا رہا۔ اس کے بیان کردہ اس برائن کی باتوں اور حرکتوں سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ فلرٹ اور فراڈ شخص ہے۔ مگر ہالہ یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھی۔ میرے لیے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ ہالہ اتنی بونگی اور بے وقوف لڑکی تھی کہ اسے کوئی بھی آسانی سے دھوکا دے سکتا تھا۔ یہ میری ہی قسمت تھی کہ جذبے کھرے اور نیت صاف رکھنے کے باوجود میں اسے اپنے سچے پیار کی قدر بلکہ خبر بھی نہیں کروا پایا تھا اور اب تو بات ہی کچھ اور ہوگئی تھی۔

مجھے جلد ہی کچھ کرنا تھا، مگر کیسے؟ پہلے میں اس سوال کا جواب ڈھونڈ لیتا۔ پھر ہالہ کو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا تھا۔ یہ خالصتاً "فلمی ولنوں والی بڑھک" تھی، مگر میرے ارادوں کی مضبوطی ظاہر کرنے کے لیے بہترین تھی۔

☼ ☼ ☼

"امی! یہ کیا ہے؟" اسے دیکھ کر اگر میں اچھل نہیں پڑا تو یہ میرے ضبط کی اعلا ترین مثال تھی۔

"بجلی کا بل ہے۔" انہوں نے نہایت اطمینان سے جواب دے کر ٹیبل سے چائے کے برتن سمیٹنے شروع کردیے۔

"وہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے۔ مگر اتنا زیادہ۔" اسے دیکھ دیکھ کر میرا فشار خون بلند ہونے لگا۔

"ہاں۔ اس میں پچھلے ماہ کا بل بھی شامل ہے۔" بنا پلٹے ہی جواب دے کر وہ کچن کی سمت بڑھ گئیں۔

"مگر کیوں۔ پچھلے ماہ تو بل جمع کروایا تھا نا؟" میں بھی اٹھ کر ان کے پیچھے چلا آیا۔

"اف فاخر۔ کتنی جلدی باتیں بھول جاتے ہو تم۔ پچھلے ماہ کی بات ہے۔ پچھلے سال کی تو نہیں، جب ولید بل کے پیسوں کے ساتھ ساتھ اپنا موبائل بھی لٹا کر گھر آگیا تھا۔"

انہوں نے میری یادداشت پر ماتم کرتے ہوئے مجھے یاد دلایا۔ میں ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ واقعی میں کیسے بھول گیا۔ جب پیسوں اور موبائل پر لعنت بھیجتے ہوئے ہم نے ولید کے صحیح سلامت آنے پر شکر ادا کیا تھا۔ جبکہ ولید کئی دن اداس رہا تھا۔ اپنے مہنگے موبائل فون کے لیے جو اس کی تیئسویں سالگرہ پر میں نے اسے گفٹ کیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ ابھی میں اسے اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔ صبح آفس جاتے ہوئے جمع کروادوں گا۔" میں

نے ڈوبتے دل سے ایک نگاہ اس رقم پر ڈالی۔ ہالہ کی برتھ ڈے آنے والی تھی اور میں اسے کوئی اچھا اور قیمتی گفٹ دینے کا سوچ رہا تھا۔ مگر اب لگ رہا تھا' کسی سستے گفٹ پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔ پتا نہیں وہ برائن کا بچہ اسے کیا دے گا اور کچھ دے گا بھی کہ نہیں۔

"فاخر!" امی کی آواز نے مجھے چونکایا۔ "آج کل ولید کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔"

"کیوں۔ کیا ہوا اسے؟" میں حیران ہو کر ان کی صورت دیکھنے لگا۔

"اسے کیا ہونا ہے۔ اسے تو بلکہ اور بھی ڈھیل مل گئی ہے۔ جب سے اس کا موبائل چھنا ہے۔ میں تو عاجز آگئی ہوں۔ یوں لگ رہا ہے۔ جیسے اسے اسی موقع کی تلاش تھی۔ سارا سارا دن آوارہ گردیاں کرتا پھرتا ہے۔ صبح کا گیا رات کو شکل دکھاتا ہے۔ موبائل ہے نہیں' تاکہ کوئی خیر خبر ہی رکھ سکوں۔ کتنی بار کہا تم سے۔ اسے کوئی سستا سا فون دلا دو مگر نہیں۔" وہ برہم سا لہجہ لیے بولتی چلی گئیں۔

"امی! آپ بھول رہی ہیں۔ میں کئی بار اس سے کہہ چکا ہوں۔ مگر اسے اسمارٹ فون چاہیے' سستا والا نہیں۔ دوستوں میں بیٹھ کر شو آف کرنے کے لیے وہ میری جیب کا کباڑا کر دیتا ہے۔ مگر ان دنوں میں ایسا خرچا برداشت کرنے کا بالکل متحمل نہیں ہو سکتا۔ اگر اسے چاہیے تو میرا فون لے لے۔ تین' چار ماہ بعد میں اس کی پسند کا سیل فون لے دوں گا۔"

مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی غصہ آگیا۔ اگرچہ میں جانتا تھا' وہ ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ کچھ دن پہلے ہی اس نے کہا تھا۔ گھر والوں کی پل پل کی روک ٹوک سے دور رہنا ہے تو موبائل فون سے دور رہو۔

"خیر۔ آج اسے آنے دیں۔ میں خود اس سے بات کروں گا۔" انہیں تسلی دے کر میں لاؤنج میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ ولید کی آمد ہوئی۔

"ہائے برو۔ آج تو بڑی جلدی گھر آگئے۔" دروازے اور صوفے کا درمیانی فاصلہ ایک جست میں پھلانگ کر وہ میرے قریب آبیٹھا۔ چوبیس کا ہونے والا تھا۔ مگر حرکتیں سولہ' سترہ سال کے کسی ٹین ایجر سے کم نہیں تھیں۔ اس کے پاس سے اٹھتی دل فریب سی مہک نے میرے اندر تک تازگی کی لہر دوڑا دی۔

"یہ بات تو مجھے تم سے پوچھنی چاہیے۔ کہاں ہوتے ہو سارا سارا دن۔ فون بھی نہیں رکھتے اور یہ پرفیوم۔ کیا پوری بوتل انڈیلی تھی خود پر۔" یہ خوشبو مجھے حقیقتاً" اچھی لگی تھی۔ اسی لیے ایک گہری سانس لے کر دوبارہ سانسوں میں اتاری۔

"ہاں۔ واقعی۔ پوری نہیں تو آدھی تو ضرور ہی انڈیلی تھی۔ دوست کی تھی نا۔ اپنی ہوتی تو صرف چھینٹیں مار کر کام چلاتا۔ آپ کو اچھی لگی کیا۔ لا کر دوں؟" اس نے جس سادگی سے پوچھا تھا۔ میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"تم اس قابل ہوتے تو میں ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہوتا۔" اس بھونڈے مذاق پر میرا جی چاہا' میں اسے ناک آؤٹ کر دوں۔ اس کا بے اختیار سا قہقہہ بلند ہوا۔

"ماں۔ تیرے بیٹے کو نوکری مل گئی ہے۔ اب تجھے کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس گھسے پٹے ڈائیلاگ سے وہ میرا جی مزید جلا گیا۔

"بھائی! میں نے کب کہا کہ میں کسی شاپ سے لا کر دے رہا ہوں۔ میں نے تو عدیل سے لانے کی بات کی تھی۔" وہ اب بھی ہنس رہا تھا۔

"ایک نمبر کا کمینہ اور ڈھیٹ انسان ہے تو۔ کیسے دوست ہیں تیرے جو تجھے اتنی بے دردی سے اپنی چیزیں برباد کرنے دیتے ہیں۔" میں اسے گھور رہا تھا۔

"آپ ہوں گے اپنی چیزوں کے معاملے میں کنجوس۔ ہم دوستوں میں کوئی تیرا' میرا نہیں ہے۔ سنا نہیں آپ نے۔ یہ یاری سب پہ بھاری محبتوں میں حساب کیسا۔" شرارت سے مسکراتے ہوئے اس نے دونوں بازو پھیلا کر انگڑائی لی۔

"تو ایسا کرو۔ اپنے ان ہی دوستوں میں سے کسی کے موبائل پر امی کو اپنے آنے جانے کی اطلاع بھی دے دیا کرو۔ وہ پریشان ہوتی رہتی ہیں۔ تمہیں کوئی شرم ہے یا نہیں۔" ذمہ داری تو بڑی بات تھی۔ وہ تو کبھی سنجیدگی کو بھی پاس نہیں پھٹکنے دیتا تھا۔

"آپ نے کبھی غور کیا ہے بھائی۔ پرانے زمانے کے لوگ اتنے بڑے بڑے کام کیسے کر گئے؟" اس نے جس انداز میں پوچھا تھا' میں حیران ہو گیا۔

"کیا مطلب۔؟"

"کیونکہ اس زمانے میں موبائل نہیں تھا۔ آج کل کے نوجوانوں کو تو موبائل سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ ملک کی تعمیر و ترقی میں وہ کیا خاک اپنا حصہ ڈالیں گے۔"

"کیا بات ہے۔ پچھلے ایک مہینے سے تو تو بھی اپنے موبائل سے فارغ ہی ہے نا۔ کون سا کشمیر آزاد کرا لیا تو نے۔" میں سلگ اٹھا اس کی بے تکی بات پر۔ "دیکھ ولید۔ بہت ہو گئی تیری مسخری۔ میرا موبائل اٹھا اور اسے اپنے پاس رکھ۔"

"واہ۔ بھائی ہو تو ایسا۔ مگر ایک مسئلہ ہے بھائی۔ اس پر آپ کے فرینڈز اور خاص الخاص فرینڈز کے فون بھی آئیں گے تو میں ان کا کیا کروں گا۔" وہ بھول پن سے پوچھنے لگا۔

"گدھے۔ اس میں اپنی سم رکھ۔" میں نے دانت پیسے۔

"مگر میری سم تو موبائل کے ساتھ ہی گئی۔ خیر' آپ وہ سب چھوڑیں۔ مجھے چار ہزار دیں۔ میں خود ہی اپنے لیے کوئی سستا سا سیٹ خرید لیتا ہوں۔" کیا شان بے نیازی تھی۔ میں نے بمشکل غصہ ضبط کیا۔

"چار ہزار اور سستا۔ آج کل چار ہزار میں اچھا خاصا فون آجاتا ہے۔"

"مگر مجھے چائنا مال نہیں چاہیے۔" وہ نروٹھے پن سے بولا۔

"کیوں۔ چائنا تو ہمارا بہترین دوست ہے اور تھوڑی دیر پہلے تو خود ہی تو کہہ رہا تھا۔ یہ یاری میں حساب کیسا۔ اگر عدیل اپنی الیکٹرونکس کی دکان چھوڑ کر مٹھائیوں کی دکان کھول لے تو کیا تو رس گلوں کے لیے تب بھی رمضان حلوائی کے پاس ہی جایا کرے گا۔" میں نے اس کی بات اسے لوٹائی تھی۔ اس کا منہ بن گیا۔

"بھائی! آپ کہاں کی بات کہاں لے کے جا رہے ہیں۔ اچھا ٹھیک ہے۔ چار نہ سہی' تین ہزار ہی دے دیجیے۔ میں اسی سے کام چلا لوں گا۔" میں بغور اسے دیکھنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا اسے واقعی پیسوں کی ضرورت تھی۔ جو وہ اس بہانے مجھ سے نکلوانا چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر اگلے چھ ماہ تک۔ تم دوبارہ مجھ سے موبائل کے لیے کسی رقم کی کوئی ڈیمانڈ نہیں کرو گے۔"

اس کے چہرے پر لحہ بھر کو الجھن ابھری پھر بے تابی سے بولا۔ "اور چھ ماہ بعد؟"

"تمہاری نوکری لگ چکی ہوگی۔ پھر تم اپنی کمائی سے اپنے لیے جیسے چاہو فونز خریدو۔"

"تو یوں کہیے نا۔ مجھے اپنی ساری زندگی اسی موبائل کے ساتھ گزارنی پڑے گی۔" بے دلی سے کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تجھ جیسا ڈھیٹ انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" والٹ نکالتے ہوئے میں نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"کیا خیال ہے۔ گنیز بک میں نام آسکتا ہے۔" جینز کی جیبوں میں ہاتھ پھنساتے ہوئے وہ ذرا آگے کو جھکا۔

"تیرا نہیں میرا آنا چاہیے جو تجھے برداشت کرتا ہوں۔" تپ کر کہتے ہوئے میں نے ہزار' ہزار کے چار نوٹ اس کی طرف پھینکے۔ وہ حیران ہوا۔

"رکھ لے۔ کیا یاد کرے گا تو بھی۔" میرے یہ کہتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"واہ بھائی میرے۔ جگ جگ جیو۔" نوٹوں کو جیب میں ٹھونستے ہوئے اس نے پرجوش ہو کر نعرہ

لگایا۔

"شام تک تیرے پاس موبائل آجانا چاہیے۔" میں نے اسے جاتے دیکھ کر ہانک لگائی۔

"بے فکر رہیں' ایسا ہی ہوگا۔" وہ بڑی جلدی میں نکلا تھا۔ میں مسکرا کر رہ گیا۔

وہ حد سے زیادہ کھلنڈرا تھا۔ کچھ اس نے طبیعت ایسی پائی تھی۔ کچھ میری بے جا ڈھیل نے اسے ایسا بنا دیا تھا۔ پھر اس کی یہ عمر فکریں اور ذمہ داریاں اٹھانے والی تھی بھی نہیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس عمر میں جو کچھ میں نے سہا تھا وہی سب ولید بھی برداشت کرے۔ بابا کی وفات کے بعد بڑا بیٹا ہونے کے ناتے میں نے وقت سے پہلے ہی بہت سی ذمہ داریاں اور پریشانیاں اپنے کاندھوں پر لے لی تھیں۔ میری تو مجبوری تھی مگر ولید کا تو بڑا بھائی موجود تھا اور ویسے بھی یہ کچھ ہی عرصے کی بات تھی۔ اس کا ماسٹرز کمپلیٹ ہوجاتا تو میں اپنے ہی آفس میں اس کی جاب کا بندوبست کرنے والا تھا اور یہ میں نے بہت پہلے سے سوچ رکھا تھا۔ جو پوسٹ میرے پاس تھی' اس کا فائدہ میں اپنے بھائی کو نہ پہنچاتا تو اور کسے پہنچاتا۔

☆ ☆ ☆

"میں اندر آجاؤں؟" وہ تقریباً" اندر گھس کر اجازت مانگ رہی تھی۔ میں نے فائل بند کرکے اس کی سمت دیکھا۔

"تم اندر آچکی ہو۔"

"ہاں۔۔۔ تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اجازت مانگ کر آیا جائے یا آکر اجازت مانگی جائے۔" چکنے فرش پر اس کی ہیل کی ٹک ٹک نے میرے دماغ پر ہتھوڑے برسائے۔ ایک یہ ہی چیز تھی اس کی جس سے میں بے زاری کی حد تک چڑتا تھا۔ اچھی خاصی قدو قامت رکھنے کے باوجود اسے نجانے ہیل والی سینڈل پہننے کا کیا خبط تھا۔

"تمہارے چاچو کا آفس نہ ہوتا تو تمہیں پتا چل جاتا کہ اس سے کیا فرق پڑ سکتا ہے اور تم سے کتنی بار کہا ہے یہ ہیل والے جوتے پہن کر آفس مت آیا کرو۔" میں کبھی کبھی اسے یہ جتانے پر مجبور ہو ہی جاتا تھا کہ میں اس کا باس ہوں۔ یہ الگ بات کہ وہ میری یہ بات ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کی طرح اڑا دیتی تھی۔

"چھوڑو بھی۔۔۔ زیادہ پرنسپل مت بنو۔ اب کیا تم آفس میں بھی مجھ سے اسکول والے رولز فالو کرواؤ گے۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ میرے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"تمہیں پتا ہے۔۔۔ آج ڈیٹ کیا ہے۔" سبز رنگ کے سوٹ میں کھلی کھلی رنگت لیے وہ میز پر ذرا جھک کر چمکتی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی میں الجھ گیا۔

"کوئی خاص تاریخ ہے؟" ایک نگاہ کیلنڈر پر ڈالتے ہوئے میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہاری سالگرہ تو نہیں ہے۔" اس کی ڈیٹ آف برتھ مجھے پتا تھی۔ اس کے باوجود میں نے ہونق بن کر یہ پوچھ لیا۔

"نہیں بھئی۔۔۔ آج چودہ فروری ہے۔" اس کا بے تاب سا لہجہ چھلکا تھا۔

"تو۔۔۔ کیا ہوتا ہے چودہ فروری کو؟ کہیں اس برائن کی برتھ ڈے تو نہیں؟" مجھے یکایک ہی خیال آیا تو میں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"اف فاخر! کتنے فضول ہو تم۔" وہ جھنجلا گئی۔

"چودہ فروری مطلب ویلن ٹائن ڈے۔"

"اچھا۔۔۔ تو وہ ویلن ٹائن ڈے چودہ فروری کو ہوتا ہے۔" میں نے حیرانی کا مظاہرہ کیا۔

"تم مذاق کر رہے ہو نا؟" وہ بے یقینی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"دراصل میں نے منائی نہیں کبھی۔" میں نے بے زاری سے کندھے اچکائے۔

"تمہاری کوئی ویلن ٹائن ہوگی تو تم یہ دن مناؤ گے نا۔" طنز سے کہتے ہوئے اس نے ابرو چڑھائے۔

"تم یہی بات کرنے کے لیے آئی تھیں؟"

"نہیں۔۔۔ بتانے تو کچھ اور آئی تھی۔ مگر کیا فائدہ۔۔۔ جب تمہیں اس بارے میں کچھ پتا ہی نہیں ہے تو۔۔۔" جھلاہٹ اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"تو ٹھیک ہے۔ تم اپنی ٹیبل پر جاؤ اور مجھے بھی میرا کام کرنے دو۔ میں فارغ نہیں ہوں۔" دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے رکھائی سے کہا تو اس کے چہرے پر خفت چھا گئی۔

"تم۔۔۔ تم انتہائی سڑیل مزاج آدمی ہو۔ تم دیکھنا۔۔۔ تمہیں کبھی کوئی لڑکی نہیں ملے گی۔" غصے سے کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تب ہی میری نظر اس گلاب پر پڑی۔

"کیا تم یہ پھول میرے لائی تھیں؟"

"نہیں۔۔۔" اس نے جلدی سے وہ پھول اٹھالیا۔ گویا میں اسے جھپٹ ہی لیتا۔

"یہ مجھے برائن نے دیا۔۔۔ یو نو واٹ۔۔۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے مجھے ویلنٹائن ڈے وش کیا۔" اس کا جوش دیدنی تھا۔

"تو صرف یہ ایک پھول۔۔۔" میں اپنے لہجے کا استہزا ءچھپا نہیں پایا۔

"ہاں تو۔۔۔ کیا پوری نرسری میرے نام کردیتا۔ میرے لیے یہ ایک پھول ہی کافی ہے۔ جو وہ اپنے گھر کے باغیچے سے صرف اور صرف میرے لیے توڑ کر لایا۔" اترا کر کہتے ہوئے وہ اس بڑے سے گلاب کو پوروں سے سہلانے لگی۔

"ہمارا آفس اس کے راستے میں پڑتا ہے۔ صبح ہی صبح میرے آنے سے بھی پہلے وہ یہ پھول لے کر آفس کے باہر میرا انتظار کررہا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو حیران ہوگئی۔ اس نے پہلے سے مجھے کچھ جتایا بھی نہیں۔ ایک تو جب سے اس کا موبائل چھنا ہے' یہ بڑی مصیبت ہوگئی ہے۔"

"کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا؟" میں نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔۔۔ "اس کا موبائل چھن گیا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ اسی وجہ سے تو ہم آج کل آن لائن چیٹ کرتے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی۔ اس کا برتھ ڈے تو ابھی بہت دور ہے۔ کیوں نہ آج کے دن کے بہانے میں اسے ایک اچھا موبائل گفٹ کردوں۔" پرسوچ لہجے میں کہتے ہوئے وہ تائید طلب نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی اور میں سناٹے میں آگیا۔

"ہالہ! تم پاگل ہوگئی ہو۔" شرٹس' پرفیوم' گھڑی سے بات اب موبائل تک آگئی تھی۔ میں بے یقینی سے اس کا چہرہ تک رہا تھا۔

"اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے۔ کیا ہم اپنے فرینڈز کو گفٹس نہیں دیتے۔ میں بھی ایز آ فرینڈ اسے یہ گفٹ دوں گی' اوکے۔" دبے لہجے میں ایک کمزور سی تاویل دے کر وہ مزید رکے بغیر باہر گئی۔ مبادا میں کچھ اور نہ کہہ دوں۔ میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔ یہ بات اب حد سے بڑھ رہی تھی۔ مگر میں کیا کرتا۔ کیا صدیقی صاحب سے بات کرتا۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ تو نری حماقت ہوتی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کیسے پتا لگاؤں اس کمینے کا جو نہایت دھڑلے سے ایک لڑکی سے مال سمیٹ رہا تھا۔

ایسے لڑکے تو بہت دیکھے تھے جو خوشی خوشی اپنی گرل فرینڈ کے ہاتھوں لٹتے تھے۔ مگر یہ۔۔۔ اس نے بے غیرتی کی انتہا کردی تھی اور میری بے بسی کی انتہا تھی کہ میں اس کے لیے نت نئی گالیاں ایجاد کرنے کے سوا کچھ نہیں کرپا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"فاخر۔۔۔ تم نے کیا سوچا؟"

شام کی چائے امی کو لان میں لانے کا کہہ کر میں خود بھی باہر چلا آیا تھا اور اس وقت جب میں گلاب کے پودے کے پاس الجھا ہوا کھڑا تھا۔ امی نے آکر جس طرح بات شروع کی۔ مجھے چونکنا ہی تھا۔

"صبح جب میں جارہا تھا تو اس میں لاتعداد منہ بند کلیاں تھیں۔ اب ایک بھی نہیں۔" میں ان کے سوال کا مقصد تو نہیں سمجھا' مگر اپنی سوچ ضرور بتادی۔ ان کے چہرے پر جھنجلاہٹ ابھری۔

"مجھے کیا پتا۔۔۔ کہاں گئیں کلیاں۔۔۔ میں کیا سارا



دن چوکیداری کرتی رہتی ہوں۔ تم مجھے میرے سوال کا جواب دو۔"

"کون سا سوال۔۔۔؟" مجھے ان کی برہمی پر حیرانی ہوئی۔

"سبرین کے دو' تین اچھے رشتے آئے ہوئے ہیں۔ سعید بھائی تو ایک کے بارے میں سنجیدہ بھی ہوگئے ہیں۔ آپا کو جلد از جلد جواب چاہیے۔ پہلے ہی تمہاری اس ٹال مٹول نے انہیں خاصا برگشتہ کردیا ہے۔ ایسا نہ ہو وہ سبرین کی بات کہیں پکی کردیں۔" ان کے لہجے میں اندیشے آسمائے۔ میں نے ایک نظر ان کے متفکر چہرے پر ڈالی۔

"تو کردیں۔۔۔ آپ کیوں پریشان ہورہی ہیں۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے میں نے ہاتھ بڑھا کر ایک ڈال جھکائی۔ وہ بھی خالی۔۔۔ اف۔۔۔ کہاں گئیں وہ ساری کلیاں۔۔۔ میرا پارہ پھر سے چڑھنے لگا۔

"فاخر۔۔۔ تمہیں شادی کرنی ہے یا نہیں۔" "نہیں یقیناً" میری بے نیازی پر غصہ آگیا تھا۔ "تئیس سال کے ہوگئے ہو۔ کب تک کنوارے پھوگے۔ اپنا نہیں تو میرا ہی کچھ خیال کرلو۔"

"کیا ہوگیا ہے امی۔۔۔ کرلوں گا شادی بھی۔۔۔ مگر ابھی نہیں۔ آمنہ خالہ کو جلدی ہے تو وہ جہاں چاہیں سبرین کا رشتہ طے کرسکتی ہیں۔۔۔ انہیں مزید انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے آج بات صاف کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ ان کی آنکھوں میں تاسف و بے یقینی منجمد ہوگئی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ پہلے دن سے میں آپ سے کہہ رہا ہوں' مجھے سبرین میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔ مگر آپ مان ہی نہیں رہیں۔ الٹا خالہ کو بھی فضول میں آپ نے اتنا عرصہ امید دلائے رکھی۔ اب ان تک میرا انکار پہنچائیں گی تو انہیں کتنا برا لگے گا۔ یہ سب صرف آپ کی غلطی ہے۔" جھنجلا کر کہتے ہوئے میں کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔

"ہاں۔۔۔ تو تم نے کون سا مجھے صاف انکار کردیا تھا۔ یہی کہتے رہے کہ ابھی شادی نہیں کرنی۔ ابھی شادی نہیں کرنی۔ اگر اسی وقت کہہ دیتے کہ سبرین سے ہی شادی نہیں کرنی تو میں کیوں انہیں لٹکائے رکھتی اور اب الزام میرے سر تھوپ رہے ہو۔" ملامت آمیز لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے مجھے شرمندہ کرنے کی پوری کوشش کی۔

"تو ٹھیک ہے۔ بگڑا تو اب بھی کچھ نہیں۔ کون سا سبرین کی عمر نکل گئی ہے۔ کسی بھی اچھی جگہ رشتہ طے کردیں' بات ختم۔" میں لمحہ بھر کو شرمندہ ہو کر پھر سے ڈھیٹ بن گیا۔

دراصل دو سال پہلے جب امی نے میرے سامنے سبرین کا نام لیا تھا تب مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ کیونکہ تب ہالہ میری زندگی میں نہیں آئی تھی۔ آئی تو خیر اب بھی نہیں تھی۔ مگر میں اپنی سی کوشش تو کر ہی رہا تھا نا۔ بس یہ برائن نام کا روڑا درمیان سے نکل جاتا۔

"تو تم کب کروگے شادی۔۔۔ کوئی لڑکی پسند کر ہی لی ہے تو مجھے بھی بتادو۔"

میرے واضح انکار کے بعد تو انہیں یہی خیال آنا تھا۔ مگر میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اسی لیے خاموشی سے چائے کا کپ اٹھالیا۔

"تمہاری باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔ اب تو سوچ رہی ہوں۔ ولید کے لیے ہی لڑکی دیکھنا شروع کردوں۔ میرا اکیلا پن تو دور ہوگا ہی۔ لوگوں کی زبانیں بھی بند ہوجائیں گی۔ جسے دیکھو ایک ہی سوال پوچھتا رہتا ہے۔ بہو کب لارہی ہو۔ ارے میں تو کل ہی لے آؤں' مگر بیٹا راضی تو ہو۔" ان کا لہجہ تاسف و ناگواری سے بھرپور تھا' میں مسکرادیا۔

"ہاں۔۔۔ واقعی۔۔۔ یہ ٹھیک کہا آپ نے۔ ایسا کریں ولید کے لیے ہی لڑکی دیکھ لیں۔ مجھے جب شادی کرنی ہوگی میں خود آپ سے کہہ دوں گا' پرامس۔" میں نے ان کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔ مگر ان کا موڈ بری طرح آف ہوچکا تھا۔ سو وہ زیادہ نہیں ٹھہریں اور میں حیران ہو کر سوچ رہا تھا۔ کیا ولید واقعی شادی کے قابل

ہو گیا ہے۔

☼ ☼ ☼

"بھائی پلیز۔۔۔ ذرا ٹین اسپورٹس تو لگائیں۔ ریسلنگ شروع ہو گئی ہو گی۔" وہ صوفے کے پیچھے سے چھلانگ لگا کر دھم سے میرے برابر آ بیٹھا۔ میں اچھل پڑا۔

"ولید۔۔۔ حرکتیں ٹھیک کرو اپنی۔۔۔ تم بچے نہیں رہے۔" مجھے شدید غصہ آیا تھا۔ اتنے انہماک سے اپنے پسندیدہ اینکر کو اس حکومتی نمائندے کے بخیے ادھیڑتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی مداخلت پر جی بھر کے بد مزا ہوا۔

"اسی لیے تو ریسلنگ لگانے کا کہا ہے۔ سی این این لگانے کا نہیں کہا اور آپ کو ملتا کیا ہے ایک ہی قسم کے بور سیاسی ٹاک شوز دیکھ دیکھ کر۔ ان زبانی کلامی جھگڑوں سے اچھا ہے 'حقیقی داؤ پیچ دیکھ لیں۔ آج بڑا زبردست میچ ہونے والا ہے۔ اینڈی اور ڈینیل برائن کا۔"

"کس کا؟" میں یکدم ہی چونکا تھا۔ اس نام پر میرے کان تو کیا بال تک کھڑے ہو جاتے تھے۔

"ارے وہی۔۔۔ جسے دیکھ کر آپ نے کہا تھا کہ اس کی شکل آپ کے مینیجر سے ملتی ہے۔ ویسے ایک بات کہوں' آج آپ کے مینیجر کو میں نے پھولوں کی دکان میں دیکھا۔"

"تو تم وہاں کیا کر رہے تھے؟" مینیجر کی بات تو میرا دھیان کیا کھینچتی' اس نے مجھے ٹھٹکا دیا۔

"میں۔۔۔" وہ قدرے بوکھلایا۔ "میں تو وہاں پھولوں کے ریٹ معلوم کرنے گیا تھا۔"

"کس خوشی میں۔۔۔ کسی دوست کی سیج سجانی تھی یا پھر اپنے سہرے میں پھول لگانے تھے۔" گھور کر کہتے ہوئے میں اس کے چہرے کے تاثرات جانچنے لگا۔

"وہ تو اولیس نے کہا تھا۔ آپ کو پتا ہے۔ ایک نمبر کا جگاڑی ہے وہ۔ کہہ رہا تھا۔ آج کے دن ایک گلاب دو' دو' تین' تین سو کا ملتا ہے اور احمق لڑکے تیار بھی ہو جاتے ہیں۔ اتنے پیسے دینے کے لیے۔۔۔ تو میں وہی دیکھنے گیا تھا۔" وہ وضاحت دے کر معصوم سی شکل بنا کر مجھے دیکھنے لگا۔ مگر میں معاملے کی تہ تک پہنچ چکا تھا۔

"اچھا۔۔۔ تو میرے پیارے پودے کا وہ حشر تم نے کیا تھا۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے میں نے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔

"ہاں۔۔۔ میرے منہ سے نکل گیا تھا اس کے سامنے کہ ہمارے گھر بڑے گلابوں والا پودا ہے۔۔۔ بس پھر وہ میرے پیچھے پڑ گیا۔ اس نے سارے گلاب بیچ ڈالے اور جانتے ہیں' مجھے کیا دیا۔ صرف ایک جوس اور ایک برگر۔" اس نے منہ بناتے ہوئے شکایت کی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں اس کے لیے کن گالیوں کا انتخاب کروں۔

"تم گھٹیا سے گھٹیا ہوتے جا رہے ہو ولید۔" میں تاسف سے بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"ہاں واقعی۔۔۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ مجھے آپ کے لیے ایک کلی چھوڑ دینی چاہیے تھی۔"

ندامت کا اظہار وہ بھی اس انداز میں۔ میرا پارہ تو چڑھنا ہی تھا۔ "شٹ اپ"

"آئم سوری۔۔۔" وہ اب مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔ اس وقت اچانک ہی مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ولید۔۔۔ کسی لڑکی کا چکر تو نہیں ہے نا؟"

"توبہ کریں بھائی۔۔۔ میں آپ کو ایسا لگتا ہوں۔" وہ یوں بدکا جیسے میں نے پتا نہیں کیا کہہ دیا ہو۔

"تم مجھے کیسے کیسے لگتے ہو۔ جس دن تمہیں پتا چل گیا۔ شرم سے ڈوب مرو گے۔" ریموٹ اس کی طرف اچھالتا میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"پھر تو کبھی مت بتائیے گا۔" میرے اٹھتے ہی اس نے فوراً" چینل چینج کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں اس وقت اپنے دوست کے ساتھ باہر ڈنر کر رہا تھا۔ جب مجھے ہالہ کا میسج موصول ہوا۔ میں نے اسی



وقت اسے کال ملائی تھی اور اس کی روتی ہوئی آواز سن کے بری طرح ڈسٹرب ہو گیا۔

"ہالہ۔۔۔"

"ہم اسپتال میں ہیں۔" اس کا لہجہ بھرایا۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا' سب خیریت تو ہے نا؟" پریشانی سے کہتے ہوئے میں ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔

"پھپھو۔۔۔ ان کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ ہم ابھی ابھی انہیں اسپتال لے کے آئے ہیں۔"

"ہم کون؟" میں الجھ گیا۔

"میں اور رشید۔۔۔ چاچو بھی یہاں نہیں ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میں کیا کروں۔ اس لیے تمہیں میسج کر دیا۔" وہ رو پڑی۔

"اوہ۔۔۔ بہت اچھا کیا۔۔۔ رونا بند کرو ہالہ۔۔۔ میں آ رہا ہوں۔" اسے تسلی دیتے ہوئے میں نے فون بند کر کے دوست سے معذرت کی اور اسی وقت وہاں سے نکل آیا۔ بے چاری ہالہ۔۔۔ اس کا یقیناً" اکیلے میں کسی ایسی صورت حال سے واسطہ نہیں پڑا ہو گا' جب ہی تو وہ اتنی گھبرائی ہوئی تھی۔ پھر صدیقی صاحب بھی کسی کام کے سلسلے میں دو دن کے لیے دبئی گئے ہوئے تھے۔ اس نے اپنی پریشانی میں اگر سب سے پہلے مجھے پکارا تھا تو میں کیسے لبیک کہتا ہوا نہ جاتا۔

میں وہاں پہنچا تو پتا چلا زیادہ خطرے کی کوئی بات نہ تھی۔ اس کی پھپھو کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ مگر اب وہ بہتر تھیں اور تھوڑی دیر میں انہیں چھٹی ملنے والی تھی۔ اس کا گھریلو ملازم اس کے ساتھ تھا' مگر میں نے بہتر یہی سمجھا کہ خود انہیں گھر چھوڑنے جاؤں۔

"میں بہت زیادہ گھبرا گئی تھی فاخر۔۔۔ جب تمہیں میسج کیا تو یقین نہیں تھا کہ تم آؤ گے۔"

سفید لباس میں ستا ہوا چہرہ لیے وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس وقت جب میں اس کے عالی شان ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ اس کی پھپھو مجھ سے چند باتیں کرنے کے بعد ادویات کے زیر اثر سو گئی تھیں۔ میں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

"تم بلاؤ اور میں نہ آؤں' ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" یہ

بات میں نے دل سے کہی تھی۔ مگر وہ اسے ایک ہمدرد دوست کی ہمدردی سمجھی اور اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"پھپھو کہتی ہیں میں کبھی کبھی بچوں کی طرح ری ایکٹ کرجاتی ہوں۔ مگر میں کیا کروں ان کے معاملے میں میرا دل بہت کمزور ہے۔ میرا ان کے سوا اور ہے ہی کون۔"

"میں بھی تو ہوں۔ تم بھروسا کر کے تو دیکھو۔" میں اظہار کے معاملے میں ہمیشہ سے اناڑی رہا تھا۔ اب بھی صرف سوچ کر رہ گیا۔ اس کی بھیگی ہوئی پلکوں کو دیکھتے ہوئے مجھے اس لمحے حقیقتاً "بہت دکھ ہوا تھا۔

اس کا تعلق ایک بروکن فیملی سے تھا۔ اس کی ماں نے اسے سات سال کی عمر میں ہی چھوڑ کر اس کے باپ سے علیحدگی اختیار کرلی تھی اور اس کے باپ نے بیوی کی جدائی کا غم ایسے دل سے لگایا کہ اسے بھی بھول کر ملکوں ملکوں کی خاک چھاننے نکل گئے۔ بعد میں پتا چلا کہ انہوں نے وہیں کہیں شادی کرلی تھی۔ سوہالہ کو بھی انہیں بھول بھال کر پھپھو اور چاچو کے ساتھ خوش رہنا پڑا۔ اس کے چاچو یعنی میرے باس صدیقی صاحب نے بھی ایک بار شادی کی تھی مگر اس معاملے میں گویا یہ پورا خاندان ہی بدقسمت واقع ہوا تھا۔ کیونکہ جس عورت سے انہوں نے شادی کی تھی جب اس نے اپنی اصلیت ظاہر کی صدیقی صاحب کے ہوش اڑ گئے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اس بلا سے چھٹکارہ پانے کا کوئی باعزت طریقہ اختیار کرتے وہ خود ہی ان کا کافی سارا مال سمیٹ کر انہیں گڈبائے کہہ گئی۔ مگر اتنا ضرور ہوا کہ اس کے بعد صدیقی صاحب نے پھر کبھی کسی عورت پر بھروسا نہیں کیا اور دوبارہ شادی نہیں کی اور اس کی پھپھو... مجھے لگتا تھا بھائیوں کا حشر دیکھ کر انہوں نے توبہ کرلی تھی۔

"تمہاری پھپھو مجھے جانتی ہیں... مجھے حیرت ہوئی سن کر۔" اسے اس موڈ سے نکالنے کی خاطر میں نے بات بدلی وہ چونک گئی۔

"ہاں... میں ان سے تمہاری باتیں کرتی رہتی ہوں۔ چاچو بھی ذکر کرتے ہیں تمہارا... وہ مجھ سے کئی بار کہہ چکی ہیں کہ میں تمہیں کسی دن گھر پر بلاؤں۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔ مجھے جھٹکا سا لگا۔

"مگر تم نے تو مجھے آج تک نہیں بلایا۔" میں خفگی سے شکوہ کر بیٹھا۔

"اوفوہ... مجھے یاد کہاں رہتا ہے۔" وہ ہلکا سا جھنجلائی۔

"ہاں... تمہیں برائن سے فرصت ملے تو کچھ اور یاد رہے۔" طنز سے کہتے ہوئے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر لگ رہا تھا وہ اس وقت بھی کہیں اور ہی الجھی ہوئی تھی۔ خالی خالی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"تم نے اپنی پھپھو کو برائن کے بارے میں بھی بتایا ہوگا۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلے۔

"بالکل نہیں۔ میں ابھی اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔" اس نے فوراً" ہی میرے خیال کی نفی کی۔

"تو میرے بارے میں کیا جانتی ہو۔" مجھے اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ میرے خیال میں تو برائن اس کے لیے مجھ سے زیادہ تھا۔ اگر وہ واقعی اس کے ساتھ سیریس تھی تو اسے میرے بجائے برائن کے لیے راہ ہموار کرنی چاہیے تھی۔

"بہت کچھ جانتی ہوں۔ سب سے بڑھ کر چاچو تمہیں جانتے ہیں۔ تمہاری ایک پوزیشن ہے۔ تمہاری کریڈیبلٹی پر کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔"

اس نے جس طرح کہا میں ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ یعنی وہ اتنی بھی بے وقوف نہیں تھی جتنا میں اسے سمجھتا تھا۔ میں نے دروازے کی سمت قدم بڑھائے تھے۔ وہ اٹھ کر میرے پیچھے آئی۔

"میں اس کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہوں۔ مگر میں جب بھی اس کے گھر والوں سے ملنے کی بات کرتی ہوں وہ ٹال دیتا ہے۔"

"وہ ہمیشہ ایسا ہی کرے گا۔" میں پھر سے سلگا۔ یہ ایک تضاد تو تھا ہمارے بیچ۔ وہ اپنے گھر والوں سے



میرے تذکرے تو کرسکتی تھی مگر اس نے کبھی میرے گھر والوں سے ملنے میں دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔

"تم نے اسے موبائل گفٹ کیا۔" ہم پورچ تک چلے آئے تھے کہ اچانک مجھے پوچھنا یاد آیا۔

"زیادہ مہنگا نہیں۔ بس ایک سمپل سا کیمرہ موبائل ہے۔" دھیمے سے اعتراف کرتے ہوئے وہ مجھے مزید چڑا گئی۔

"بس کرو... مجھے برانڈ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کتنا بے شرم انسان ہے۔ لڑکی نے گفٹ دیا اور اس نے رکھ بھی لیا۔" میں نے ایک جھٹکے سے اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا تھا۔

"آئم سو سوری فاخر... بجائے تمہیں روکنے کے میں تو خود بھی اٹھ کر تمہارے ساتھ یہاں تک چلی آئی۔" آس پاس نظر دوڑاتے ہی وہ جیسے کسی نیند سے جاگی اور چہرے پر شرمندگی بکھر گئی۔

"ہاں... تم جیسا میزبان ہو تو مہمان کو سوکھے منہ ہی رخصت ہونا پڑتا ہے۔" میں نے ذرا رک کر اسے مزید شرمندہ کیا۔

"چلو چھوڑو نا۔ اندر چلو۔ میں تمہیں اپنے ہاتھ کی بنی اچھی سی چائے پلواتی ہوں۔" وہ اپنی بدتہذیبی کے اثرات زائل کرنے کی کوششوں میں تھی۔ میں نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"تمہارے ہاتھ کی چائے ہوگی تو اچھی کیسے ہوسکتی ہے اور ویسے بھی گیارہ بج رہے ہیں اور میں ناشتے سے پہلے ڈنر کرنے کا عادی ہوں۔" جتا کر کہتے ہوئے میں ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا۔

"او مائی گاڈ۔" اس کی آنکھیں پھیلی تھیں اور اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"تم کھانا کھا کر نہیں آئے تھے؟"

"نہیں... مگر اب گھر جا کر میں سب سے پہلا کام یہی کرنے والا ہوں۔ میرا خیال ہے تم صبح آفس تو نہیں آؤگی۔ بلکہ میرا مشورہ ہے۔ پرسوں بھی مت آنا۔ جب تک کہ تمہاری پھپھو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوجاتی۔ میں تمہارے بغیر کام چلالوں گا۔ اوکے خدا حافظ۔"

رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے میں نے جلدی جلدی میں الوداعی کلمات ادا کیے اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔ جب میں وہاں سے نکل کر مین روڈ پر آیا تو میرے موبائل کی تھرتھراہٹ نے مجھے چونکا دیا۔ شاید ہالہ ہو... یہی سوچ کر میں نے سیل نکالا تھا۔ مگر اسکرین پر کسی اجنبی نمبر سے کالنگ آرہی تھی۔ کچھ الجھتے ہوئے میں نے کال ریسیو کر ہی لی۔

"بھائی! کہاں ہیں آپ؟" ولید کی پریشان سی آواز ابھری تھی۔

"اوہ... تو یہ تم ہو۔"

"جی ہاں... آپ کے بنائے گئے رولز کو فالو کرنے کی کوشش میں آج نو بجے سے پہلے ہی گھر پر موجود ہوں۔ مگر آپ کہاں ہیں جناب...؟" وہ آواز سے خاصا چڑا ہوا لگ رہا تھا اور وجہ بھی اس نے بیان کردی۔ میرے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔

"آہی رہا ہوں یار... اب فون پر کیا قصے سناؤں... گھر آکر بتاتا ہوں۔ یہ بتاؤ تم نے موبائل خرید لیا؟" میں نے پوچھا تھا۔

"نہیں... ایک خاص ایڈوانس سسٹم کے تحت یہ سم کسی بھی الیکٹریکل آلے میں چل جاتی ہے۔ اور اس آلے سے بات کرنا ممکن ہوجاتا ہے۔"

"کیا...؟" اس بے تکی بات پر تو مجھے چلانا ہی تھا۔

"آف کورس... خرید لیا ہے بھائی۔" وہ میرے ری ایکشن پر ہنسنے لگا۔

"اچھا... میں امی کو آپ کے آنے کا بتادوں۔ تھوڑی دیر اور گزرتی تو وہ آپ کی تلاش پر کسی ڈیٹیکٹیو (سراغ رساں) کو ہائر کرنے والی تھیں۔" اس نے یہ کہہ کر فون بند کردیا تھا اور میں نے اپنی تمام تر توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کردی۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا ہے؟" پلیٹ میں پڑے اس عجیب و غریب ملغوبے کو دیکھتے ہی میں نے حیران ہوکر امی کی سمت

دیکھا۔

"بینگن کا بھرتا۔" وہ جواب دے کر سامنے والی کرسی پر آبیٹھیں۔

"اُف۔۔۔ یہ بن موسم کے بینگن کب تک چلتے رہیں گے۔"

"تو تم یہ بھنڈی کھالو نا۔" امی نے دوسری پلیٹ سامنے کی۔

"ہاں۔۔۔ بھنڈی تو جیسے میری پسندیدہ ترین سبزی ہے۔ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں ویجیٹیرین بن گیا ہوں۔ کوئی ایک ڈش تو چکن یا مٹن کی بنالیتیں۔" ایک تو ویسے ہی اتنی دیر ہوگئی تھی۔ بھوک سے میرے معدے میں گرہیں پڑ رہی تھیں۔ کتنی بے تابی سے میں کھانے کی ٹیبل پر بیٹھا تھا اور اب۔۔۔

"کیا ہوگیا ہے فاخر۔۔۔ تم نے تو کھانے میں کبھی اتنے نخرے نہیں کیے اور تم تو آنے والے تھے بھی نہیں۔ یہ سبزی تو میں نے اپنے لیے بنائی تھی۔" انہیں میری بات پر غصہ آگیا۔ "ایک فون کردیتے تو بنا دیتی تمہارے لیے کچھ۔"

میں شرمندہ سا ہوگیا۔ میں کیوں یہ بھول گیا تھا کہ میرا آج کا ڈنر تو ہادی کے ساتھ تھا۔ جسے کفران نعمت کرتے ہوئے میں خود چھوڑ کر گیا اور جس کے لیے چھوڑ کر گیا۔ اس نے سوکھی گھاس تک نہ ڈالی اور اس وقت سامنے صوفے پر بیٹھے اپنے نئے فون سے چھیڑ چھاڑ کرتے ولید نے جیسے میری سوچ پڑھ لی۔

"کیوں بھائی۔۔۔ جس حسینہ کی مدد کو آپ سپرمین کی طرح اڑ کر گئے تھے۔ اس نے آپ کو چائے پانی نہیں پوچھا۔"

"چائے پانی پوچھا تھا۔ میرے لیے دسترخوان سجا کر نہیں بیٹھی تھی۔" اندر ہی اندر کھسیانے کے باوجود میں بظاہر بستہ تپ کر بولا۔

"چلو۔۔۔ اب بس کرو۔۔۔ کھانا کھالو۔۔۔ رزق کی یوں ناقدری نہیں کرتے۔" امی نے ڈپٹا تھا۔ میں بے دلی سے لقمہ توڑنے لگا۔

"ولید۔۔۔ جا کر ذرا چائے کا پانی تو چڑھا دو۔" وہ گردن موڑ کر ولید سے مخاطب ہوئیں۔

"کس پر۔۔۔" وہ سر اٹھا کر معصومیت سے پوچھنے لگا۔

"چولہے پر اور کس پر۔۔۔ کیا تم نے کبھی تندور میں چائے ابلتی دیکھی ہے۔" مجھے غصہ آگیا۔

"اُف۔۔۔ آپ لوگوں نے بالکل ہی مجھے چھوٹا بنا دیا ہے۔ اس سے تو اچھا ہے کسی ڈھابے میں نوکری کرلوں۔ تنخواہ تو ملے گی۔" اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ ابھر آئی۔

"چھوٹا۔۔۔" میں نے ایک طنزیہ نگاہ اس پر ڈالی۔ اسی پل وہ اٹھ کھڑا ہوا اور میں چونک سا گیا۔ بلیک جینز اور گرے کلر کی شرٹ میں اس کی دراز قامت کچھ زیادہ ہی نمایاں تھی۔ میں نے اس کے چہرے کی سمت دیکھا۔ سانولی رنگت پر بڑی بڑی سیاہ آنکھیں۔۔۔ پیشانی پر بکھرے گھنے سیاہ بال مجھے ایک خوش گوار سے احساس نے آگھیرا۔

"کمال ہے۔۔۔ میرا بھائی اتنا ہینڈسم ہے۔ میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔"

"فاخر۔۔۔ کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟" امی کی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

"کھا چکا۔۔۔ بس۔۔۔" میں نے کرسی پیچھے کھسکاتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھایا۔

"اتنا سا۔۔۔" وہ حیرت سے بولیں۔ "کچھ اور بنا دوں؟" انہیں اب افسوس ہو رہا تھا۔

"نہیں رہنے دیں۔۔۔ ناشتے میں کسر نکال لوں گا۔" میں اٹھ گیا۔ بھوک ویسے بھی ختم ہوچکی تھی۔ سینٹر ٹیبل پر پڑے ولید کے موبائل کو دیکھنے کی خاطر میں اس طرف آیا۔ اسی وقت اس پر کوئی کال آنے لگی۔

"ولید۔۔۔ تمہارا فون ہے۔" میں نے باآواز بلند پکارا اور میری بات پوری ہونے سے بھی پہلے وہ ہاتھ میں چھلنی لیے جس طرح بھاگتا ہوا آیا تھا میں ہکا بکا رہ گیا۔

"آرام سے۔"

"میں کافی دیر سے اویس کی کال کا انتظار کر رہا تھا۔" کھسیا کر کہتے ہوئے اس نے جھپٹ کر فون اٹھایا۔

"مس کال تھی۔" میں نے تصحیح کی۔ فون اب خاموش ہوچکا تھا۔ "تھوڑا انتظار تو کرلیتے یار۔ فون ہے بھی یا تمہارے کنگلے دوستوں کی مس کال ہے۔" طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے میں نے اس کے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کا جائزہ لیا۔ "یہ چار ہزار کا موبائل تو نہیں ہے ولید۔" مجھے حیرت بھی ہوئی اس سیاہ جدید سے اسمارٹ فون کو دیکھ کر۔

"ہاں نہیں ہے مگر اس کی کوئی وارنٹی بھی نہیں ہے۔ دوست نے کچھ عرصہ یوز کیا۔ اب بیچنا چاہ رہا تھا تو میں نے خرید لیا۔" وضاحت دے کر وہ سیل فون کو جیب میں ڈال کر واپس کچن کی طرف پلٹ گیا تھا۔ میں الجھا ہوا سا اس کی پشت دیکھتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"بھائی! ایک منٹ رکیں۔" صبح مجھے آفس کے لیے تھوڑی دیر ہوگئی تھی۔ عجلت میں تیار ہو کر میں گاڑی تک آیا ہی تھا کہ ولید نے بھاگتے ہوئے آکر مجھے روکا۔

"مجھے دس بجے ایک ضروری لیکچر اٹینڈ کرنا ہے۔ میری بائیک خراب ہوگئی ہے۔ آپ مجھے اپنے آفس تک چھوڑ دیں۔ آگے سے میں لفٹ لے لوں گا۔" ہانپتے ہوئے کہہ کر وہ اگلا دروازہ کھولتے فرنٹ سیٹ پر گر سا گیا۔

"کیا ہوا تمہاری بائیک کو۔ کئی دنوں سے دکھائی نہیں دے رہی۔" ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں۔ اسٹارٹنگ میں مسئلہ کر رہی تھی۔ میں نے ظفر کے حوالے کردی۔ وہ کہہ رہا تھا آج شام تک ٹھیک ہوجائے گی۔"

"میں تمہیں یونیورسٹی ڈراپ کردیتا مگر آج پہلے ہی کافی دیر ہوگئی ہے۔ تم چاہو تو گاڑی لے کر جاسکتے ہو۔" میں نے اسے آفر کی۔

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ تھوڑا سا ہی تو راستہ ہے۔ میں مینیج کرلوں گا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" میں کندھے اچکا کر رہ گیا۔

میری توقع کے عین مطابق ہالہ نہیں آئی تھی۔ امید ٹوٹے تو برا لگتا ہے۔ کوئی توقع اس طرح سے پوری ہوجائے تو اور بھی برا لگتا ہے۔

پتا نہیں۔ میں کسی ٹین ایج عاشق کی طرح اس دبی چھپی خاموش محبت سے کیا حاصل کرنے کی امید لگائے بیٹھا تھا۔ عمر کے جس حصے میں میں تھا وہاں ایسی یک طرفہ احمقانہ بچکانہ محبت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں سنجیدہ تھا۔ تمنائی تھا اور بھرپور کوشش کرنے کے قابل بھی تو پھر وہ کیا چیز تھی جو مجھے روک رہی تھی۔ میں مدعا زبان تک نہیں لا پا رہا تھا میں جو بڑی بڑی ڈیلز منٹوں میں فائنل کرلیتا تھا اس لڑکی کے سامنے آکر گنگ ہوجاتا تھا۔ میں کیوں یہ سوچتا تھا کہ وہ انکار ہی کرے گی۔ وہ اقرار بھی تو کرسکتی تھی۔

جانے کیسی خوش گمانی تھی یہ کہ اس دن اسی خیال کے زیر اثر میں بے اختیار اسے فون کر بیٹھا۔

"اوہ۔ فاخر یہ تم ہو ناں۔ کام کیسا چل رہا ہے میرے بغیر۔" اس نے کال ریسیو کرنے میں دیر نہیں کی تھی۔ لہجہ بشاشت سے بھرپور تھا۔

"ٹھیک چل رہا ہے۔ تم بتاؤ۔ پھپھو کی طبیعت اب کیسی ہے؟" میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"اب تو بہتر ہیں اور۔۔۔ میرے چھٹی کرنے کا کوئی جواز تو نہیں تھا مگر تم نے کہا تھا مت آؤ اسی لیے نہیں آئی۔ کل آف ڈے ہے اور میری سالگرہ بھی ہے تو میں نے سوچا کچھ شاپنگ ہی کرلی جائے۔ ابھی میں یہاں ہوں شاپنگ مال میں۔"

اب مجھے اس کے لہجے کی تازگی کی وجہ سمجھ میں آئی۔ اور ایک لمحے کے لیے دل میں برہمی کی بڑی بھرپور لہر اٹھی۔

"میں نے تمہیں آفس نہ آنے کا کہا تھا تاکہ تم اپنی پھپھو کے ساتھ رہ سکو اس لیے نہیں کہ اپنی سالگرہ کی خریداری کے لیے بازاروں کی خاک چھانتی پھرو۔

حد ہوتی ہے غیر ذمہ داری کی بھی۔"

میرے لہجے میں رکھائی آئی تھی وہ یکدم خاموش سی ہوگئی۔ یہی تو مسئلہ تھا جہاں کہیں اسے حال دل کہنے کا موقع آتا میرے اندر کا وہ درشت اور سخت گیر باس بیدار ہو جاتا۔

"مجھے تمہیں یہ بات بتانی ہی نہیں چاہیے تھی۔ تم لمحوں میں جھاڑ کر رکھ دیتے ہو۔ خود ہی مجھ سے کہا میں نہ آؤں۔ اب میری مرضی۔ میں اپنے اس دن کا استعمال جیسے بھی کروں۔" وہ رہانسی ہو گئی۔

"ہاں!" میں نے ایک گہری سانس کھینچی۔ "آئی کس کے ساتھ ہو؟"

"اکیلی آئی ہوں۔ مگر اس بات پر مجھے ڈانٹنے مت لگ جانا۔ تم آفس کی حد تک میرے باس ہو ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ میرے سرپرست بننے کی کوشش مت کرو۔" میرے یوں پوچھنے پر وہ مزید چڑ گئی۔

"اچھا۔ مجھے بتاؤ تم کہاں ہو۔ میں آرہا ہوں۔" میں نے رسٹ واچ دیکھی۔ لنچ ٹائم ہونے ہی والا تھا۔

"کیا!" اس کی آواز بلند ہو گئی۔ "تم آرہے ہو۔ تم کیوں آؤ گے؟"

"وہ آکر ہی بتاؤں گا۔" میں نے جواب دیا تو وہ ایک پل کو چپ ہو گئی۔ پھر قدرے توقف سے اس نے مجھے شاپنگ مال کا نام بتایا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا ہے؟" وہ حیرت بھری نظروں سے سامنے رکھے کیس کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا برتھ ڈے گفٹ۔" میں نے کہتے ہوئے بغور اس کا جائزہ لیا۔ اس وقت میں اسے مال کے فوڈ کورٹ لے آیا تھا۔

"مگر میری سالگرہ تو کل ہے۔" اس نے ابھی تک اسے اٹھانے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

"کل آف ڈے ہے۔ شاید میں تم سے نہ مل سکوں۔ اسی لیے سوچا۔ آج ہی تمہارا گفٹ دے دوں۔"

"تم مل سکتے تھے۔" اس نے کیس اٹھا کر کھولا۔ ایک پل کو اڈنے والی حیرت ستائش میں بدلی تھی۔ وہ عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ "یہ بہت ایکسپینسیو ہے فاخر۔" اس نے اس خوبصورت بریسلٹ کو ہاتھ میں اٹھالیا۔

"نہیں۔ اتنا زیادہ بھی نہیں۔" یہ سچ تھا اسے خریدنے میں میری ایک مہینے کی سیلری چلی گئی تھی۔ اور اسے خرید کر میں نے آفس ٹیبل کی دراز میں ڈال دیا تھا کیونکہ مجھے پتا تھا اس کی سالگرہ چھٹی والے دن آئی ہے۔ سوچا تھا پہلے سے اسے دے دوں گا۔

"تم کوئی چھوٹا موٹا گفٹ دے دیتے۔ کیا میں اسے پہن لوں؟" کہتے ہوئے اس نے اچانک میری طرف دیکھا۔ میں مسکرا دیا یعنی اس نے میرا تحفہ قبول کر لیا تھا۔

"ضرور۔"

"یہ لو۔ تم ہی پہنا دو۔" اس نے بریسلٹ میری طرف کھسکا کر ہاتھ بھی میری طرف بڑھا دیا اور میں ساکت رہ گیا۔ وہ کبھی کبھی حیران کر دیتی تھی۔ بریسلٹ اٹھا کر اس کی کلائی میں ڈالتے ہوئے میں نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"برائن کو پتا ہے تمہاری سالگرہ کا؟" یہ کوئی موقع نہیں تھا کہ میں اس کا نام لیتا مگر میں خود کو یاد دلانا چاہتا تھا کہ فاخر بچے اپنی اوقات میں رہو۔

"ہاں۔ وہ کہہ رہا تھا اس نے میری سالگرہ کے لیے کچھ الگ سے پلان کیا ہے۔" سرہلا کر کہتے ہوئے وہ اپنی کلائی کا جائزہ لینے لگی۔

"کیا مطلب۔ کیا وہ تمہیں کہیں کھانے پہ لے کے جا رہا ہے۔ حالانکہ اس کی امید ہے تو نہیں۔ لے بھی گیا تو بل تم ہی سے ادا کروائے گا۔" ان کی سابقہ ملاقاتوں کی روشنی میں یہ بات بعید از قیاس نہیں تھی۔ اس کی شہد رنگ آنکھوں میں جلال سا ابھرا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ ایسا ہوا ہوگا ایک دو بار۔"

"ہر بار۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر یاد دلایا۔

"اور جب جب ایسا نہیں ہوا تب تب وہ لنچ اور ڈنر کے لیے تمہیں برنس روڈ کی فوڈ اسٹریٹ لے گیا تھا۔ فائیو اسٹار ہوٹل سے ڈائریکٹ فوڈ اسٹریٹ امیزنگ۔" میں لاکھ خود کو قابو میں رکھتا اس اچکے کے نام پر تلخی اُمڈ اُمڈ پڑتی تھی۔

"ہاں۔ تو کیا ہوا۔ برنس روڈ کی نہاری اور سیخ کباب تو پورے پاکستان میں مشہور ہیں۔" وہ اپنی خجالت اسی طرح مٹا سکتی تھی۔ میں چند لمحے اس کے چہرے کی سرخی دیکھتا رہا۔

"تم نے اس سے اس کی پلاننگ نہیں پوچھی؟"

"نہیں۔ سرپرائز بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کچھ ایسا کرے۔ جس سے میں حیران رہ جاؤں۔" کچھ سوچ کر کہتے ہوئے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ میں ہنس پڑا۔

"وہ ہر بار ہی کچھ ایسا کرتا ہے۔ جس سے تمہارے ساتھ ساتھ میں بھی حیران رہ جاتا ہوں۔ بائی دا وے تمہیں لنچ پر لے کے جا رہا ہے یا ڈنر پر؟"

"کھانا نہ۔ مجھے نہیں پتا۔" وہ قدرے جھنجلائی۔

"اور لے کے جائے گا کس پہ۔"

"کاش اس کے پاس ایک گاڑی ہوتی۔ ایک پرانی کھٹارا بائیک ہے تو وہ بھی خراب۔" وہ متاسف ہوئی تھی۔

"کمال ہے۔" استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے میں نے سر جھٹکا۔ "عجیب کٹی ہوئی موبائل چھنا ہوا بائیک خراب۔ کیا چیز ہے یہ بھی۔ کہیں اب تمہارا ارادہ اسے گاڑی دینے کا تو نہیں۔"

کہتے کہتے میری چھٹی حس کا الارم بڑے زوردار آواز میں بجا تھا۔ میں یک لخت خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا؟" اس نے ابرو اچکائے۔

"میں نے ابھی کیا کہا؟" ذہن جو مجھ سے کہہ رہا تھا دل اسے ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"تم نے کہا۔ میں اسے تحفے میں گاڑی دوں گی اور میں کہتی ہوں نہیں۔" وہ پُر زور انداز میں بولی۔

"اس کا۔۔۔ اس کا نام کیا ہے ہالہ؟" میں اس کا چہرہ تک رہا تھا۔ اس کا اپنا نام؟"

اس کی آنکھوں میں الجھن سمٹ آئی۔ "عاشر۔۔۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا تم اسے جانتے ہو؟"

"نہیں۔" میں نفی میں سرہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے ہالہ! تم ٹیکسی سے گھر چلی جانا۔ منڈے کو آفس میں ملاقات ہوگی۔" میں اس سے نگاہیں ملائے بغیر بعجلت کہتا وہاں سے چلا آیا۔ پیچھے میں نے اس کی کئی پکاریں سنیں۔

☼ ☼ ☼

میں اس وقت ولید کے کمرے میں اس کے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا اور خود کو انتہائی احمق محسوس کر رہا تھا بلکہ کسی حد تک چور بھی حالانکہ میں پہلے بھی کئی بار اس کا کمپیوٹر استعمال کر چکا تھا مگر آج تو مجھے میری طبیعت کی کھوج یہاں کھینچ لائی تھی۔ کسی کی ٹوہ لیتا جو مجھے دنیا کا ذلیل ترین کام لگا کرتا تھا۔ آج میں خود وہی کرنے جا رہا تھا۔ مجھے گمان سا تھا کہ شاید وہ فیس بک سے لاگ آؤٹ نہ ہوا ہو۔ دل میں عجیب ہی جذباتی طوفان لیے میں نے اس کا کمپیوٹر آن کیا تھا اور میری دھڑکنیں تھم تھم گئیں جب فیس بک پر آتے ہی میں نے اسے لاگ آن پایا۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے میں نے اپنے ہیجان پر قابو پا کر اسکرین کی سمت دیکھا۔

اس کی آئی ڈی میرے سامنے کھلی پڑی تھی، مگر ولید سبحانی۔۔۔ ولید سبحانی؟ جھنجلاہٹ یکایک ہی مجھ پر حملہ آور ہوئی۔ یہ وہ چیز تو نہیں تھی جس کی میں توقع کر رہا تھا۔

ہونٹ کاٹتے ہوئے میں خالی خالی نظروں سے کچھ دیر تو اسکرین کو دیکھتا رہا۔ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے میسجز چیک کرنے شروع کیے۔ مگر کوئی سرا ہاتھ نہ لگا۔ اس کے وہی دوست۔۔۔ جنہیں میں ذاتی طور پر جانتا تھا۔ مگر یہ کوئی بڑی بات تو نہ تھی۔ اگر اس نے جعلی نام سے کوئی آئی ڈی بنائی بھی تھی تو وہ اسے یوں کھلا چھوڑ کر کیوں جائے گا جبکہ وہ جانتا تھا کہ میں اس کی غیر موجودگی میں اس کا کمپیوٹر یوز کر چکا ہوں۔

مایوسی سے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے میں نے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کردیا۔

"یہ کیا ہوگیا ہے مجھے ۔۔۔ یقیناً" یہ میرا وہم ہے اور کچھ نہیں۔" میں خود کو سمجھا رہا تھا۔

"مگر وہ سارے اتفاقات محض اتفاقات تو نہیں ہو سکتے۔" پھر سے آیا یہ خیال میرے ذہن و دل میں اضطراب بھر گیا۔

"کیا یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ جن دنوں ولید کا موبائل چھنا' برائن بھی اسی صورت حال کا شکار تھا اور پھر چودہ فروری کا دن ۔۔۔ کیا وہ بھی اسی یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ ہے جہاں ولید پڑھنے جاتا ہے۔ ولید کی مہنگی مہنگی شرٹس اس کے پاس سے اٹھنے والی دلفریب مہک ۔۔۔ جنہیں وہ دوستوں کی دریادلی قرار دیتا ہے۔ ولید کا محض چار ہزار میں خریدا جانے والا اتنا مہنگا سیل فون ۔۔۔ ٹھیک اسی دن جب ہالہ نے برائن کو سیل فون گفٹ کیا۔ ولید کی بائیک خراب ہوئی تو برائن کی بھی ہوگئی۔ ہالہ نے اس کا نام عاشر بتایا تھا۔ لیکن کیا فرق پڑتا ہے اس بات سے جب یہ سارے شواہد چیخ چیخ کر مجھے یہ بتا رہے ہیں کہ ولید اور برائن ایک ہی شخص کے دو الگ نام ہیں۔ جس طریقے سے وہ ہالہ کو بیوقوف بنا رہا ہے' وہ اسے اپنا نام بھی کیونکر ٹھیک بتائے گا۔

میرا چھوٹا بھائی ۔۔۔ میرا پیارا چھوٹا بھائی ۔۔۔ جو کل تک میری نظر میں کسی فرشتے کی طرح معصوم تھا۔ کیا نکل آیا۔ سوچ سوچ کر میرے دماغ کی چولیں ہل گئی تھیں۔ اسی وقت میرا سیل بجا۔ اٹھا کر دیکھا تو ہالہ کال کر رہی تھی۔ میں جس طرح وہاں سے اٹھ کر آیا تھا' اسے پریشانی لاحق ہوگئی ہوگی پھر بھی میں نے اس کی کال ڈسکنکٹ کردی اور ولید کے کمرے سے نکل آیا۔

☆ ☆ ☆

"اف ۔۔۔ آج تو میں بہت ہی تھک گیا۔" نڈھال سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ آکر صوفے پر نیم دراز ہوا تھا۔ میں نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔ وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں مسل رہا تھا۔

"کیوں؟ کیا گدھوں سے اظہار یکجہتی کے لیے آج کے دن کی بار برداری کا کام تم نے سنبھال لیا تھا۔" میرے الفاظ خود بخود نوکیلے ہوگئے۔ وہ چونکا تھا۔

"کون دیتا ہے آپ کو میری خبریں۔"

میں نے اپنی جھلاہٹ پر بمشکل قابو پایا۔ اس پر کسی بات کا اثر ہونا مشکل تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے آپ کسی فولادی ریوالور کو پتھر ماریں اور وہ اس سے ٹکرا کر واپس آپ کے منہ پر آلگے۔

"کہیں کسی نے میری ویڈیو تو نہیں بنالی۔ عدیل کی گاڑی کو دھکا لگاتے ہوئے۔ اف عدیل کی گاڑی کو دھکا لگانا عدیل سمیت ۔۔۔ کسی گدھا گاڑی کو گدھے سمیت کھینچنے سے کم نہیں ہے اس کے بعد دو گھنٹے سی این جی کی لائن میں لگنا ۔۔۔ اگر وہاں سے گھر تک کا فاصلہ اتنا زیادہ نہ ہوتا تو میں تین حرف بھیجتا عدیل پر بھی اور عدیل کی گاڑی پر بھی۔" اس نے بنا رکے پوری کتھا سنائی۔

"تمہاری بائیک ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئی۔ تم تو کل کہہ رہے تھے کہ شام تک ٹھیک ہوجائے گی۔"

"ہاں وہ ۔۔۔" وہ گڑبڑا سا گیا۔ "وہ تو ٹھیک ہوگئی ہے۔ اویس کو کوئی کام تھا۔ وہ لے گیا ۔۔۔" وہ سر جھکائے جوتوں کے تسمے کھولنے لگا تھا۔

"بائیک اویس لے گیا تو ہالہ کو لینے کیسے جاؤ گے؟"

یہ سوال میری نوک زبان پر مچل گیا۔ دل تو چاہ رہا تھا مار مار کر اسے اس کی ساری ایکٹنگ بھلادوں۔ ڈھیٹ پن میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

"امی کہاں ہیں؟" وہ جوتے لے کر اٹھتے ہوئے بولا

"خالہ کی طرف گئی ہیں۔ شام تک گھر میں ہوں گی' اگر ایک گھنٹے میں تم انہیں لینے جاؤ گے۔" سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے میں نے اس کا بدکنا واضح طور پر محسوس کیا۔

"میں ۔۔۔ میں تو انہیں لینے نہیں جارہا۔"



اس کے چہرے پر پریشانی پھیلی تھی۔ یہی تو میں دیکھنا چاہتا تھا۔ آج ے تھا یعنی ہالہ کی سالگرہ کا دن برائن یہ دن ہالہ کے ساتھ گزارنے والا تھا تو ولید کیسے کوئی اور پروگرام بنا سکتا تھا۔

"کیوں نہیں جاسکتے۔ میری گاڑی لے جاؤ۔ وہاں زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتے تو تمہاری مرضی۔ ایک گھنٹے کے اندر واپسی ہوجائے گی۔"

"میں نہیں جاسکتا ناں بھائی! میرے سب دوست آج بیچ پر جانے والے ہیں۔ اور ایک گھنٹے میں فریش ہو کر مجھے بھی نکلنا ہے۔ مجھے دیر ہوجائے گی بھائی ۔۔۔ پلیز آپ چلے جائیے۔"

اس کا لہجہ ملتجی ہوگیا۔ میں اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ وہ کافی حد تک حقیقی تھے اور ظاہر ہے عین وقت پر کسی کی ڈیٹ کینسل ہونے لگے تو وہ اتنا ہی بوکھلائے گا جتنا کہ اس وقت ولید۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے سرہلایا "کیا یاد کروگے تم بھی۔ چلا جاتا ہوں۔"

"تھینک یو بھائی۔" وہ مسکرایا تھا اور یقیناً اطمینان کی سانس بھی لی ہوگی۔ وہ اپنے کمرے کی سمت بڑھا تھا۔ شاید اب وہ ہالہ کو فون کرکے اپنے آنے کا بتائے گا۔ مگر وہ جائے گا کس پر؟ اس سوال کا جواب ہنوز اندھیرے میں تھا کہ یکایک ہی ایک خیال برق کی طرح میرے دماغ میں کوندا۔ عدیل کی گاڑی ۔۔۔ ہاں یہ ممکن ہے بلکہ یقینی ہے اس کے سوا اور چارہ بھی کیا ہے۔

میں نے گھڑی کی سمت دیکھا۔ ہالہ اب تیار ہو رہی ہوگی۔ دل یکدم ہی بجھ سا گیا۔

وہ شام میری زندگی کی سب سے بری شام تھی۔ امی کو گھر لانے کے بعد میں کتنی ہی دیر بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ ذہن و دل پر مستقل ایک ہی خیال حاوی تھا۔ ہر گھڑی صرف ایک ہی سوچ بے قرار کر رہی تھی۔ وہ اب کہاں ہوں گے۔ وہ اب کیا کر رہے ہوں گے۔ میرے تخیل نے ہالہ کے ساتھ اس ہیولے کی جگہ اب ولید کو دے دی تھی۔ شام سات بجے کے قریب میں گھر آیا تھا اور آتے ہی اپنے کمرے میں آکر پڑ گیا۔ مجھے نہیں پتا میری آنکھ کب لگی۔ مگر کھلی میرے سیل فون کی بجتی ٹون سے تھی۔ میں نے بنا اسکرین کی طرف دیکھے کال ریسیو کی تھی۔

دوسری طرف سے سسکیاں ابھریں اور میں تعجب میں گھر گیا۔ ایک نظر سیل کو دیکھتا میں اٹھ بیٹھا۔

"فاخر ۔۔۔ سیوی۔" ہالہ کا گلوگیر لہجہ مجھے اچھلنے پر مجبور کرگیا۔

"ہالہ ۔۔۔ تم کہاں ہو؟ کیا ہوا ہے؟" میں ازحد بوکھلا گیا۔

"میں یہاں ہوں ۔۔۔" آگے ۔۔۔ اس نے جو کچھ بھی کہا' میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

پھر مجھے نہیں پتا۔ میں کیسے اٹھا' اپنی گاڑی تک آیا اور کتنی دیر میں متعلقہ تھانے پہنچا۔

میرا دل سینکڑوں اندیشوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا۔ میں وہاں کیا دیکھوں گا۔ مگر اتنا ضرور یقین تھا کہ جو بھی ہوگا' وہ خوشگوار ہرگز نہیں ہوسکتا اور ہوا بھی یہی ۔۔۔ میرے بدترین اندیشے صحیح ثابت ہوئے جب میں نے وہاں ولید کو اپنے دوستوں سمیت دیکھا اور ہالہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑی رو رو کر آنکھیں سجا چکی تھی۔ مجھے معاملے کا کوئی آئیڈیا نہیں تھا مگر یہ صورت حال دیکھتے ہی میرا خود پر سے اختیار اٹھ گیا تھا اور میں نے ولید کے قریب جا کر پوری قوت سے اس کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ دے مارا۔ وہ سکتے میں آیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی باقی سب بھی۔

☆ ☆ ☆

اس دن ایس ایچ او سے معاملات طے کرتے کرتے اور تھانے سے نکلتے نکلتے ہمیں رات کے دس بج گئے تھے۔ ہالہ کو اس کے گھر ڈراپ کرنے کے بجائے میں اپنے گھر لے آیا تھا۔ میرے اعصاب شل ہوگئے تھے۔ حسیات سن سی ہو رہی تھیں۔ اور اس وقت جب میں صوفے پر نڈھال سا بیٹھا تھا ولید میرے قدموں میں آبیٹھا۔

"آئم سوری بھائی۔۔۔ آئم ریئلی ویری سوری۔" اس کا لہجہ ندامت سے چور تھا۔ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ "میں آپ کو بتانا چاہتا تھا مگر بتا نہیں پایا۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ پتا نہیں آپ کا کیا ری ایکشن ہو' اس لیے بہانے بناتا رہا۔ یہ کوئی چھوٹی چیز نہیں تھی۔"

میں نے ہالہ کی سمت دیکھا۔ امی اس کے پاس بیٹھی شاید مورل سپورٹ دے رہی تھیں حالانکہ اُسے دیکھ کر لگ نہیں رہا تھا کہ اسے اس کی کوئی ضرورت ہو۔ اس مشکل صورت حال سے نکلتے ہی اس کا کروفر لوٹ آیا تھا۔

"وہ ساری زندگی جیل میں سڑتا رہے گا۔ آپ دیکھیے گا۔ میں اس چیٹو کا جینا حرام کردوں گی۔"

"میں نے تھانے میں چوری کی رپورٹ بھی درج کروادی تھی۔ مگر مجھے امید نہیں تھی کہ بائیک مل بھی جائے گی شاید ایک دو دن بعد میں آپ کو بتا بھی دیتا کہ بائیک چوری ہو گئی ہے مگر آج اچانک ہی جب ہاکس بے کی طرف جاتے ہوئے ہماری گاڑی اس بڑے سے جنرل اسٹور پر رکی تو اولیس نے وہ بائیک دیکھ لی' جس پر یہ محترمہ اور ان کے دوست سوار تھے۔ نمبر چینج تھا مگر مجھے سو فیصد یقین تھا کہ وہ میری ہی بائیک تھی۔ بس پھر ان سب نے آناً"فاناً" ہی گاڑی سے اتر کر اس لڑکے کو پیٹنا شروع کردیا۔ نجانے کس نے پولیس کو فون کیا اور یوں ہم سب تھانے پہنچ گئے۔" کہتے کہتے اس کا لہجہ دھیما ہوگیا۔

تو یہ تھا اس ساری کہانی کا لب لباب' جس نے میرا چین و سکون غارت کر رکھا تھا۔ آج شام کو جب میں تھانے جارہا تھا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ صورت حال یہ رخ اختیار کرجائے گی۔ ولید کو تھپڑ مارنے کے پیچھے میری بھرپور ذہنی اذیت اور اتنے دن کا غصہ تھا وہ سمجھا کہ میں اس کے ہالہ کو چھیڑنے اور اس الزام میں پولیس کسٹڈی میں آنے پر آپے سے باہر ہوا۔ بے چارا میرا بھولا بھائی اور اس اثنا میں جب روتی ہوئی ہالہ میرے کندھے سے آ کے لگی تو وہ ہکابکا رہ گیا تھا اور تب ہی میں نے حقیقی برائن کو بھی دیکھ لیا۔

سچ تو یہ تھا شکل و صورت میں وہ ولید کے پاسنگ بھی نہیں تھا اور اس وقت ان کے مارے گئے پنچوں کی بدولت تو اس کے چہرے کی حالت اور بھی بگڑ گئی تھی۔ وہ رو رو کے چلا چلا کے پولیس والوں کو بتانے کی کوشش کررہا تھا کہ یہ بائیک وہ اپنے دوست سے مانگ کرلایا تھا اور اسے بالکل نہیں پتا تھا' یہ چوری شدہ بائیک ہے مجھے تو خیر اس کی بات پر ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا اور پولیس والے۔۔۔ انہیں تو تلاش ہی ایسے کیسوں کی ہوتی ہے۔ میں جانتا تھا وہ اب اس معاملے کو لمبا کھینچیں گے۔ وہ تو ہالہ کو بھی اسی گینگ کا حصہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے اگر میں بیچ میں نہ آتا۔ درمیان کی راہ نکال کر میں ہالہ کو نکال تو لایا تھا مگر مجھے پتا تھا۔ بات یہاں ختم نہیں ہوئی۔ مجھے اس کے چاچو کو یہ بات بتانی ہی تھی اگرچہ ہالہ نہیں چاہتی تھی کہ انہیں اس کی اس حماقت کا پتا چلے۔

"مجھے فاخر نے کئی بار سمجھایا۔۔۔ کتنی ہی بار خبردار کرنے کی کوشش کی۔ مگر میں بے وقوف پتا نہیں کیسے اس فراڈ کی باتوں میں آتی گئی۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ اتنا بڑا دھوکے باز نکلے گا۔ صرف اس کی وجہ سے آج میں کتنی بڑی مصیبت میں پھنس گئی۔ اگر فاخر نہ آتا تو پتا نہیں کیا ہوتا۔۔۔ فاخر ہی ہر مشکل وقت میں میری مدد کو آتا ہے۔ ہی از لائیک آ سپر ہیرو۔" وہ ممنونیت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ولید نے معنی خیزی سے کھنکھار کر مجھے دیکھا۔

"تو اب کیا ہوگا؟؟"

"کیا؟" میں چونک گیا۔

"مجھے میری بائیک مل تو جائے گی ناں۔" وہ امید بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"ضروری نہیں ہے۔ زیادہ امید نہ ہی پالو تو بہتر ہے۔ یہاں کسی گمشدہ چیز کا واپس ملنا ہفت اقلیم کی دولت ملنے سے کم نہیں۔" مگر میں نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ سچ تو یہ ہے میں ان لمحات میں اس کے سامنے بہت شرمندگی محسوس کررہا تھا۔ میں سوچتا تھا جب ہالہ کو پتا چلے گا کہ برائن میرا ہی بھائی ہے تو میں



اس سے نظریں کیسے ملاپاؤں گا۔ مگر اب جب مجھے برائن کی حقیقت پتا چلی تھی میں ولید سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔ ان پے در پے ہونے والے واقعات و اتفاقات نے مجھے اتنا الجھا دیا تھا کہ میں اپنے ہی بھائی پر شک کرنے لگا تھا۔ مجھے اپنے آپ پر شرم آرہی تھی۔

"ویسے ایک بات کہوں۔۔۔ آپ کی یہ کولیگ مجھے عقل سے بالکل پیدل لگتی ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے دھیرے سے بڑبڑایا۔ میں نے ہالہ کی طرف دیکھا۔

"اٹھو ہالہ۔۔۔ میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے میں نے اپنی جگہ چھوڑی۔ ابھی ایک اور سفر درپیش تھا۔

"تم چاچو کو تو نہیں بتاؤ گے ناں؟" وہاں سے نکلتے ہی وہ مجھ سے یقین دہانی چاہنے لگی۔

"بالکل بتاؤں گا۔" میری تمام تر توجہ سامنے سڑک پر تھی۔

"لیکن کیوں فاخر؟" وہ تڑپ گئی۔

"بچی مت بنو ہالہ! یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ان سے چھپائی جائے۔ بعد میں کوئی مسئلہ ہوگیا۔ جس کا کافی امکان ہے تو وہ معاملہ سنبھال تو سکیں گے' انہیں اس سارے قصے سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ سمجھیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنی بات پر زور دیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے مرے ہوئے لہجے میں کہتے سر ہلا دیا۔ "تمہیں پتا ہے میں نے تمہارا بریسلٹ بھی کھودیا۔" اداسی سے کہتے ہوئے وہ اپنی کلائی سہلا رہی تھی۔" میں نے چونک کر ایک نظر اس کے ہاتھ پر ڈالی۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ میں تمہیں دوسرا دلادوں گا۔"

"کب۔۔۔؟" وہ اچھل پڑی۔

"تمہاری اگلی سالگرہ پر۔" میں اس کی بے تابی پر کچھ حیران سا ہوگیا۔

"یعنی اگلے سال۔" وہ میری بات سنتے ہی جھاگ کی مانند بیٹھ گئی۔

"نہیں ہم اس سے پہلے بھی دے سکتا ہوں۔۔۔ اگر تم لینا چاہو تو۔" میں مسکراہٹ دباتے بولا۔ اس نے آنکھوں میں تعجب سمو کر مجھے دیکھا۔ "میں ضرور لینا چاہوں گی۔"

"کہیں تم میں برائن کی روح تو حلول نہیں کرگئی؟" میں نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ نام مت لو اس کمینے کا میرے سامنے۔" وہ بری طرح بگڑ گئی۔ "اس بار مجھے واقعی جھٹکا لگا۔

"تم گالیاں بھی دینے لگی ہو۔ یہ واقعی اس کی سنگت کا اثر ہے۔"

"اب اگر تم نے اس کا ذکر کیا ناں فاخر۔۔۔ تو میں اس چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دوں گی۔" وہ انگلی اٹھائے کہہ رہی تھی۔ میں نے بغور اس کے چہرے کی برہمی دیکھی۔

"تمہیں تو وہ بہت پسند تھا۔"

"ہاں۔۔۔ میں اسی قابل ہوں کہ مجھے اس کے نام کا

طعنہ ملتا رہے۔" وہ تاسف سے کہتی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔" میں اس کی باتوں میں آگئی تھی۔ مجھے لگا وہی میرا رائٹ مین ہے۔ حالانکہ وہ شروع سے ہی اپنی اصلیت ظاہر کر چکا تھا۔ پتا نہیں میں اس شاک سے کیسے نکلوں گی۔ میں کیسے خود پر یقین کروں گی جب کہ مجھ پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ میں اس دنیا کی سب سے بے وقوف لڑکی ہوں۔" وہ اضطرابی کیفیت میں ناخن کترنے لگی تھی۔ میرا دل پھر سے مچلنے لگا۔

جو کچھ بھی ہوا اس میں ساری غلطی اس کی نہیں تھی۔ حقیقت تو یہ تھی وہ رہنمائی و تربیت سے محروم ایک ٹوٹی پھوٹی لڑکی تھی اور یہی سارا مسئلہ تھا۔ اسے وہ ماحول نہیں ملا تھا جو ملنا چاہیے تھا۔ اس کے انکل اپنے کاروبار میں مصروف رہتے تھے۔ اور پھپھو صرف پھوپھی ہونے کا فرض نبھا رہی تھیں۔ اس پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ کوئی پابندی نہیں تھی کوئی اچھا برا بتانے والا نہیں تھا۔ اس کی شخصیت کی کمی یا کمزوری اس باعث تھی کہ اسے مکمل فیملی اور متوازن ماحول نہیں ملا تھا۔

"مجھ سے شادی کرو گی بالہ ۔۔۔ ؟" میں خود بھی نہیں جانتا میرے منہ سے یہ سوال کیسے نکل گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھنے لگی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ میں نے کچھ پوچھا ہے؟" اس کا گھر آگیا تھا میں نے گاڑی روک دی۔

"تم مذاق کر رہے ہو؟"

"نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے اس کی حواس باختہ صورت دیکھی۔ "ٹھیک ہے۔ میں برائن لارا کی طرح نہیں دکھتا مگر ۔۔۔ مجھے لگتا ہے میری شکل نکولس کیج سے تو ضرور ملتی ہے۔" اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ یہ بات ایک دن اسی نے مجھ سے کہی تھی۔

"تم مجھ جیسی اسٹوپڈ لڑکی سے شادی کرنا کیوں چاہو گے۔"

"تاکہ تمہیں تھوڑی چالاکی سکھا سکوں۔" اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھ کر میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"صرف اسی لیے۔" وہ کچھ مایوس سی ہو گئی۔

"باقی کی وجوہات پہ میں بعد میں روشنی ڈالوں گا۔ تم یہ بتاؤ میں تمہارے انکل سے بات کر لوں؟" میں اس کی بات کا مطلب سمجھ گیا تھا پھر بھی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔ وہ چند لمحے مجھے دیکھتی رہی پھر اگلے ہی پل دروازہ کھول کر گاڑی سے اتر گئی۔

"بالہ ۔۔۔ جواب تو دو۔" میں حیران رہ گیا۔

وہ گھوم کر میری کھڑکی کی طرف آئی تھی۔

"میں بے وقوف ہی ٹھیک ہوں ۔۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ تم محض اس لیے اتنی زحمت اٹھاؤ۔ چاچو سے بات ضرور کرنا اگر تمہارے پاس مجھ سے شادی کرنے کا کوئی اور سولڈ ریزن ہو تو۔"

میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے دھیمے سے کہا تھا۔ کچھ دیر حیران سی نظروں سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد میں بے اختیار ہنس پڑا۔

"واہ! کیا بات ہے۔ تم بے وقوف ہونے کے ساتھ ساتھ جلد باز بھی ہو۔ مگر ٹھیک ہے۔ جس دن تمہارے چاچو سے بات کرنے آؤں گا۔ اپنے ساتھ ایک لسٹ بھی لیتا آؤں گا۔ ایک اچھا بھلا دماغ رکھنے والا ذی ہوش انسان بغیر کسی وجہ کے تو تم سے شادی کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔" میری بات سمجھ میں آتے ہی اس کے چہرے پر سرخی چھائی تھی۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکان بکھری اور دوسرے ہی پل وہ پلٹ گئی۔

رات کے سناٹے میں سڑک پر اس کی ہیل کی ٹک ٹک کافی گونج پیدا کر رہی تھی۔ مگر پہلی بار اس سے چڑنے کے بجائے مجھے وہ کسی دلآویز موسیقی کی طرح اپنی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہوتی لگی۔

اس کے گیٹ سے داخل ہوتے ہی میں نے گاڑی آگے بڑھائی تھی۔ دوبارہ بہت جلد واپس آنے کے لیے ۔۔۔ کیونکہ مجھے بالہ کی مسکراہٹ میں اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔



رشکِ حنا

# ایک تھا ستارا ایک بٹیر

وہ بھیگی جنوری کا بھیگا بھیگا دن تھا۔ گہرے بادلوں سے ڈھکے آسمان میں کہرے کے لحاف سے کبھی چھپتا کبھی جھانکتا نرم گرم سنہرا سورج زمین والوں کے لیے خاصا لطف آمیز تھا۔ پیڑ پودوں کی نکھرتی، ترو تازگی بخشتی ہریالی نے موسم کی خوشگواریت کا سامان کر رکھا تھا۔ لیکن موسم کی یہ خوشگواریت اس گھر کے مخصوص پر تپش ماحول پر رتی بھر بھی اثر انداز نہ ہوتی تھی۔ اور ہوتی بھی کیوں؟۔ گھر کے ماحول کی گرماگرمی تو افراد خانہ کے ابلتے کھولتے مزاجوں کی مرہون منت تھی۔

گئے وقتوں کی مثل مشہور ہے کہ "دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں" مگر امید واثق کہ اس گھر کی دیواروں کے اگر کان ہوتے تبھی تو اب تک حس

سماعت سے محروم ہوگئے ہوتے کہ اتنا شور شرابا اور چیخ پکار سنتے رہنا یقیناً "حس سماعت کے لیے نقصان دہ ہے۔

یادش بخیر۔۔۔! حس سماعت کی بات ہو رہی ہے تو لگے ہاتھوں تذکرہ ہو جائے اس گھر کی سربراہ عالیہ سطوت بیگم کا جن کی حس سماعت محرومی کی حد تک کمزور ہے اور ان کی یہ کمزوری ان کے لیے پریشانی کا سبب ہو تو ہو مگر ان کی بہوؤں کے لیے خاصی فائدہ مند ہے۔

مرزا استاد جہانزیب کو دار فانی سے کوچ کیے سال ہونے کو ہے۔ یوں تو باپ کی زندگی میں بھی دونوں سپوت پوری طرح ماں کے تابعدار عرف عام میں۔۔۔ منھی میں تھے مگر والد کے انتقال نے دونوں کو جذباتی حد تک ماں کا طرف دار کر دیا تھا۔ دونوں تھے بھی خاصے "مفصہ ور" ادھر ماں نے کچھ جھوٹی سچی بتائی۔۔۔ ادھر بیویوں کی جان عذاب میں آئی۔

دونوں بہوویں بالترتیب اپنی ازدواجی زندگی کی آٹھ اور سات بہاریں دیکھ چکی تھیں۔ بڑی دلہن کے بھی دو بچے منی اور گڈو تھے تو چھوٹی دلہن نے بھی مقابلہ خوب نبھایا اور بلی اور ببلو کو مرزا منزل کی رونق بڑھانے کو لے آئیں۔

مگر قابل ذکر عرصہ سسرال میں گزار لینے کے باوجود آج تک دونوں بہوؤں نے ساس سسر یا شوہر کے سامنے چوں کرنے کی بھی ہمت نہ کی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ دونوں سیدھی سادھی شریف النفس عورتیں تھیں۔

دونوں آپس میں ہی لڑ بھڑ کر اچھی طرح بھڑاس نکال لیا کرتی تھیں۔

یونہی کسی چھوٹی سی بات پر پہلے ایک نے اٹھا پٹخ کی۔۔۔ جواباً" دوسری نے چیخ پکار مچائی۔

سطوت بیگم کا نچلا دھڑ مفلوج تھا۔ سو وہ سارا وقت یا تو ٹی وی پر سیاسی ڈراموں سے استفادہ کرتیں یا تسبیحات پر توبہ استغفار۔۔۔ باہر بہوؤں نے کون سی آفت اٹھائی ہے انہیں خبر نہ ہوتی۔۔۔

آج بھی بھیگے بھیگے ٹھنڈے موسم سے بے نیاز جٹھانی جی گرم تندور جیسی گفتگو کر رہی تھیں۔

دونوں مرد حضرات روزگار کی دوڑ دھوپ میں نکل چکے تھے۔ منی گڈو بلی اور ببلو۔۔۔ چاروں بچے اپنے اپنے باپوں کے ساتھ صبح سویرے ہی بیدار ہو گئے تھے۔ یوں بھی بچپن اور عہد ضعیفی میں نیند کم ہی نزدیک آتی ہے۔

چاروں بچے برآمدے میں کھلونوں کا ڈھیر لیے بیٹھے تھے۔ منی البتہ اسکول کا بیگ لیے کھلونوں کے ڈھیر سے دور تھی۔ دیورانی جی کل ہی ہفتے بعد میکے سے سسرال آئی تھیں سو اب میاں کو روانہ کرنے کے بعد تھکن اتارنے کی غرض سے دوبارہ محو استراحت تھیں۔

تڑاخ، تڑاخ، تڑاخ۔۔۔!

یہ آوازیں دائیں طرف والے کچن سے سنائی دیں نقص امن کے خدشات کے پیش نظر دونوں بہوؤں کا کچن کچھ سال پہلے ساس محترمہ کی ایما پر علیحدہ کر دیا گیا تھا۔

جیٹھانی صاحبہ نے شدید غصے میں وہ تین پلیٹیں دانستہ پٹخ کر توڑی تھیں جن کی پہلی تین پلیٹیں منی اور گڈو کے ہاتھوں وقتاً" فوقتاً" چکنا چور ہو چکی تھیں۔ اس خاصی نازیبا حرکت کا مقصد دن چڑھے تک دیورانی صاحبہ کے کمرے میں روپوشی پر برہمی ظاہر کرنا تھا۔

طریقہ کارگر رہا کہ دیورانی جی کے کمرے سے بھی بڑبڑاہٹ بلند ہوئی۔

صحن میں پھدکتی ننھی منی چڑیائیں۔۔۔ پھر اڑ گئیں۔ برآمدے میں کھلونوں سے کھیلتے بچے پہلے چونکے پھر سہم گئے۔ منی نے کلر بک میں رنگ بھرتے سر اٹھایا۔۔۔ بلی پہلے ہی ڈری ڈری نظروں سے کچن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چار اور پانچ برس کی منی اور بلی اتنی سمجھ دار تو تھیں کہ ماحول کی کشیدگی بھانپ لیتیں۔ البتہ ببلو ان سب میں سب سے چھوٹا تھا اور جو ٹرین کی چھوٹی چھوٹی پلاسٹک کی بوگیوں کا بند دروازہ ننھی ننھی انگلیوں سے کھولنے کی بے کار سعی میں مصروف



تھا۔ پلیٹیں ٹوٹنے کی زوردار اور متواتر آوازوں سے سہم کر ایک دم حلق پھاڑ کر چلایا۔

سمجھو جنگ کا طبل بج گیا۔

"بلی! چپ کروا دو اس کم بخت کو۔ رونے کے لیے اس منحوس کی تائی اماں کافی ہے۔ اس کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔" ماں کی اونچی چنگھاڑتی آواز پر بلی فوراً" آگے بڑھ کر گڈو کے قریب بیٹھے ببلو کو بہلانے لگی۔

"سکون نہیں اس گھر میں۔ ذرا جو دو گھڑی آرام کو مل جائے۔ صبح ہی صبح جاہلوں کی طرح حلق پھاڑ پھاڑ کے اپنے اگلے پچھلوں کو کوسنے دینا ضروری ہے۔" دیورانی جی کمرے سے نکل آئیں گویا کمر کس کے میدان میں اتر آئیں۔

"ہاں ہاں ہم جاہل ہی بھلے! ہفتہ ہفتہ بھر ماں کے گھر ٹھہر کر تمیز تہذیب کی کلاسیں لینا ہمیں گوارا ہے نہ ہم اس کے مجاز۔۔۔ ہونہہ۔۔۔! عیاشیاں کرنے کو مہینے کے دس پندرہ دن میکے جا کر مرنا ضروری ہے۔ پیچھے ان کی بلا سے کوئی جیے یا مرے۔ گھر آکر بھی مہارانی آدھا دن اور پوری رات کمر توڑے پڑی رہتی ہیں۔"

جیٹھانی جی کا میکہ لاہور میں تھا اسی وجہ سے وہ سال میں فقط دو مہینے ہی میکے قیام کے مزے لوٹتیں۔ مگر دیورانی جی کے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہ تھی خیر سے ان کے میاں بھی گندم کے کاروبار کے سلسلے میں اکثر بیرون شہر ہفتہ پندرہ دن کے لیے روانہ ہو جاتے۔ اس دوران دیورانی جی بھی میکے کا قصد باندھ لیتیں۔ خوش قسمتی سے سطوت بیگم وضع داری اور دنیاداری کا برملا لحاظ رکھتیں سو دونوں بہوؤں کو میکے کی طرف سے کبھی پابند نہ کیا۔ وہ تو بڑی دلہن کا میکہ ہی دور تھا سو وہ دل مسوسنے پر مجبور ہو جاتیں۔

اس بار دیورانی جی کے میکے سدھارنے کے بعد جیٹھانی جی بیمار پڑ گئیں اور مصیبت یہ ہوئی کہ گھر کی دیکھ ریکھ سے لے کر ساس امی کی خدمت اور میاں جی کے ناز نخرے علاوہ ازیں بچوں کے ہزاروں کام۔۔۔ اور ایک تھی بے چاری جیٹھانی جی وہ بھی بیمار مگر اس بیماری میں بھی وہ جیتے مرتے ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہوتی رہیں کہ بیماری کم تھی اور ان کی ہائے وائے زیادہ اندر کی کھولن نکالنے کو دیورانی جی آج ہی میسر آئی تھیں۔

"بڑی دلہن! چائے نہیں آئی ابھی تک۔" ساس امی کے کمرے سے صدا بلند ہوئی۔ بڑی بہو ہونے کی وجہ سے جیٹھانی جی پر ذمہ داری بھی زیادہ تھی۔

"اٹھا پٹخ سے فرصت ملے تو کوئی کام بھی ہو۔" دیورانی جی نے موقع سے وار کیا۔ جیٹھانی جی گویا توے پر جا بیٹھیں۔

"تمہیں تو مل گئی نا پلنگ توڑنے سے فرصت۔" جواب دینے کی جلدی میں جیٹھانی جی نے چائے میں چینی کی جگہ نمک ملا دیا۔ دیورانی جی کو ان کا طعنہ ہضم نہ ہوا۔ مارے اشتعال کے دال کی چھوٹی دیگچی سنک میں الٹ دی جس میں ابھی کچھ سالن موجود تھا۔

جیٹھانی جی کو بھی آؤ تاؤ دیکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کھینچ کے وہی کپ زمین پر دے مارا جس میں ساس امی کے لیے چائے نکالنے لگی تھیں۔

چھناکے کی آواز کے ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کپ یہاں سے وہاں تک زمین پر بکھر گیا۔ ببلو کھیلنا ترک کر چکا تھا۔ اب ٹکر ٹکر کبھی دائیں بائیں کی آوازوں پر کان دھر رہا تھا۔

"تڑاخ، تڑاخ، تڑاخ۔۔۔" اب کے برتن ٹوٹنے کی آواز چھوٹی دلہن کے کچن سے برآمد ہوئی تھی۔

"میرے بھی امی، ابا نے جہیز میں برتن دیے ہیں مجھے۔" ساتھ ہی دیورانی جی کی پاٹ دار آواز بھی بلند ہوئی۔

"برتن، کپڑے لتے ضرور دیے۔ نہ دیے تو شریفانہ اطوار نہ دیے۔۔۔" ساس کو دوسرے کپ میں چائے پہنچا کر کمرے سے نکلتے ہوئے جیٹھانی جی نے حساب بے باق کیا۔ ساتھ کنارے پڑی جھاڑو اٹھائی اور کچن کے فرش پر بکھرے کانچ کے ٹکڑے سمیٹنے شروع کیے۔

"صبح سے طوفان اٹھا رکھا ہے شریفانہ اطوار سے بہرہ مند لوگوں نے۔ میں باز آئی ایسی شرافت سے۔" دیورانی جی اب واش روم میں میاں کی رنگین داغ دار

شرٹ دھونے کی غرض سے موجود تھیں۔ غلطی سے شرٹ بھگونے کے لیے سرف پانی میں حل کرنے کے بعد۔۔۔ بلیچ انڈیل دی۔ سوئے بدحواسی احساس بھی نہ ہوا۔

"میکے سے زبان دودھار کروالائیں ہیں محترمہ! اب بھلا باتوں میں کون جیت سکے ان سے۔" جیٹھانی جی نے ناک کروار کیا۔ کانچ اٹھاتے ہوئے بے احتیاطی سے کئی بار انگلیوں میں کانچ کے ٹکڑے پیوست ہوئے مگر غصے میں درد کا احساس نہ ہوا۔

"ہاں! تو میں نے کس کو زنجیریں ڈال رکھی ہیں، مگر یہاں تو پہلے ہی ماشاءاللہ سے لوگوں کی زبانیں کاری وار کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں۔ ضرورت ہی نہیں ہے دوبارہ سے رندہ لگانے کی۔" دو پلیٹیں اور دیورانی جی کے غضب کا نشانہ بنیں۔

ایک تھا تیتر' ایک بٹیر
لڑنے میں تھے دونوں شیر

منی نے ہل ہل کے نظم یاد کرنی شروع کی۔

جیٹھانی جی نے اب کانچ سمیٹ کر دیورانی محترمہ کو کرارا جواب دینا چاہا تو بات کچھ بن نہ پڑی۔ غصہ سر پہ سوار تھا۔ سجھائی نہ دیا کہ کریں تو کیا کریں۔۔۔ اسی دم گڈو کی چیخ بلند ہوئی۔ ببلو اور گڈو دونوں کھیلتے گتھم گتھا تھے۔

ایک تھا تیتر' ایک بٹیر
لڑنے میں تھے دونوں شیر

منی کی آواز مزید بلند ہوئی۔

"گڈو! چھوڑو اسے۔" جیٹھانی جی پل کے پل بچوں کے سر پہ پہنچیں اور دھما دھم دھموکے گڈو کی پشت پر پڑے اور گڈو کا حلق اونچے سروں پہ کام کرنے لگا۔

دیورانی صاحبہ کیوں پیچھے رہتیں' وہ بھی جائے وقوعہ پر پہنچی پھر تھا ببلو کا گال اور کرارے کرارے چماٹ۔۔۔!

چٹاخ پٹاخ کئی چانٹوں سے استفادہ کرنے کے بعد دونوں بچے بلا تکلف "راگ بھیری" الاپنے لگے۔

بچوں کو پیٹ کر دونوں اماؤں کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑا۔ دونوں گہری گہری سانسیں لینے کے بعد حواسوں میں لوٹ آئیں تو دونوں معصوم بچوں کے سرخ سرخ چہرے اندرونی ملال سے دوچار کرنے لگے۔

مگر پھر اندرونی کیفیت پر چار حرف بھیج کر پہلے دیورانی جی نخوت سے منہ پھیرے کچن میں روپوش ہوئیں۔ پھر جیٹھانی جی نے بھی کمرے میں پناہ تلاشی۔

ایک تھا تیتر' ایک بٹیر
لڑنے میں تھے دونوں شیر

منی کے لیے یہ سارے مناظر مانوس تھے اور وہ بچوں میں سب سے بڑی بھی تھی سو سارے ماحول سے بے نیاز اپنی نظم یاد کرنے میں مگن تھی۔

بلی البتہ خوف اور ترحم بھری نظروں سے ببلو اور گڈو کو دیکھ رہی تھی۔ جن کے چہرے آنسوؤں سے بھیگ گئے تھے۔

دیورانی جی اس بار مکمل حواسوں کے ساتھ کچن میں گئی تھیں' سو جلد ہی انہیں قیمتی اور عزیز پلیٹوں کے ٹوٹنے کا غم لے بیٹھا۔

جیٹھانی جی نے ہاتھ کی انگلیوں پر مرہم لگاتے ہوئے خود کو سرزنش کی۔ پہلے ہی بے دھیانی میں کانچ ہاتھ سے اٹھانے لگی تھیں۔ نتیجتاً" ہاتھ زخمی ہوئے اور پھر جو گڈو کی دھلائی کی تو کٹے ہوئے حصوں میں مزید چوٹ لگ گئی۔

لڑتے لڑتے ہو گئی گم
ایک کی چونچ اور ایک کی دُم

منی نے نظم کا اگلا حصہ رٹنا شروع کیا۔ بلی جو کافی دیر سے منی کو ہل ہل کر نظم پڑھتے دیکھ رہی تھی۔ کسی سوچ میں غرق نظر آئی۔

دیورانی جی پہلے پلیٹوں کے ٹوٹنے اور پھر رات کا سالن ضائع ہو جانے کا غم تمام کرکے اب جو غسل خانے کی طرف آئیں تو ان کا دل بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے کی ضد کرنے لگا۔

اور کیسے نہ کرتا۔۔۔!

میاں جی کی پسندیدہ رنگین شرٹ پر پھیلتے اور پھیکے ہوتے رنگ کے بڑے بڑے دھبے بہار دکھا رہے تھے۔ کچھ دیر ہی بلیچ میں بھیگے رہنے کے باعث شرٹ اپنی



اصل حالت سے محروم بدرنگ اور بے رونق ہو چکی تھی اب تو اس شرٹ پہ آٹھ آٹھ آنسو بہانے کے علاوہ کچھ چارہ نہ تھا۔

میاں جی کے عتاب کا سامنا کیسے ہوگا۔ دیورانی جی کی حالت پتلی ہونے لگی۔

ادھر جیٹھانی مرہم لگانے کے بعد کچن میں آکر اپنے لیے چائے نکال رہی تھیں۔ زبان ضرور رک گئی تھی مگر دل ہی دل میں صلواتیں ابھی بھی جاری تھیں۔ اسی کیفیت میں چائے کا گھونٹ بھرا۔۔۔ سرعت سے گھونٹ بھری چائے واپس پیک کی مانند پچکاری بن کر باہر آئی۔۔۔

چائے نمکین تھی نا!

شومئی قسمت۔۔۔! ساس امی کو یہی چائے پہنچائی تھی۔ فوراً" ادھر کا رخ کیا۔

"امی جی! وہ چائے۔۔۔" ان کی بات ساس جی غضبناک نظروں نے بھلوادی۔ انہوں نے آنا" فانا" چائے کا کپ اٹھایا اور کمرے سے نکل آئیں۔

"میں ابھی دوسری بنا کر لاتی ہوں۔"

منمنا کر کہتے ہوئے بھی وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ خواہ کچھ بھی کرلیں اب رات میں میاں جی کی حاضری لگنی ہے اور ان کی "جھاڑ پھونک" بھی یقینی ہے۔

ساس امی کا "ساس پنا" وہ پہلے بھی دیکھ چکی تھیں۔

ایک تھا تیتر ایک بٹیر
لڑنے میں تھے دونوں شیر
لڑتے لڑتے ہو گئی گم
ایک کی چونچ اور ایک کی دم

دوسری چائے میں دھیان سے دودھ' پتی اور چینی ڈالتیں جیٹھانی جی اور روتی صورت' بھیگتی آنکھوں کے ساتھ صحن کے تار پہ بدرنگ شرٹ سوکھنے کو پھیلاتی دیورانی جی۔۔۔ دونوں نے لہک لہک کر نظم پڑھتی منی کی آواز سنی بے دھیانی سے۔

"منی! تیتر کی چونچ گم ہو گئی تو وہ پریشان ہوا ہوگا نا؟" بلی کی آواز بھی دونوں نے سنی مگر غیر محسوس سی توجہ دی۔

"ہاں! ہوا تو ہوگا۔" منی نے لاپرواہی سے کہہ کر پھر توجہ نظم پر مرکوز کی۔

ایک تھا تیتر' ایک بٹیر

"پھر تو بٹیر بھی رویا ہوگا۔ اس کی بھی تو دم کا مسئلہ ہے نا۔" وہ پھر بلاوجہ پریشان ہوئی۔

"ہاں! وہ بھی رویا ہوگا۔" منی نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

لڑنے میں تھے دونوں شیر

"زیادہ درد کس کو ہوا ہوگا۔ تیتر کو یا بٹیر کو؟"

بلی متواتر سوالات سے منی کی پڑھائی میں خلل ڈال رہی تھی۔

"دونوں کو ہوا ہوگا۔" منی نے کچھ سوچ کر بتایا۔

لڑتے لڑتے ہو گئی گم

"وہ دونوں آخر لڑتے کیوں تھے؟" بلی نے ایک بار پھر اس کے ردھم میں رکاوٹ ڈالی۔

"گندے تھے نا۔" منی نے اس بار تڑخ کر کہا۔

"میری ٹیچر کہتی ہیں۔ گندے بچے جھگڑا کرتے ہیں یہ دونوں بھی گندے تھے۔" منی نے اپنی معلومات اس تک پہنچائی۔

ایک کی چونچ اور ایک کی دم

منی کی نظم پوری ہو گئی۔ اس نے کتاب بند کر دی مگر بلی ابھی بھی الجھی ہوئی تھی۔

"منی۔۔۔!" اس نے کسی سوچ سے سر اٹھا کر منی کو پکارا تھا۔

"یعنی ماما اور تائی ماما بھی گندی ہیں کیا؟" دونوں امائیں ایک لمحے کے لیے سناٹے میں آگئیں۔

"پتا نہیں! میں اپنی ٹیچر سے پوچھوں گی۔" منی نے متانت سے کہا اور کتابیں سمیٹ کر بیگ بند کرنے لگی۔

لیکن منی اور بلی کے معصومانہ مکالمے نے دیورانی جی اور جیٹھانی جی کی بند عقل کا قفل ضرور کھول دیا۔

اور اگر آپ کی بند عقل کا قفل کھل گیا ہے تو بلاوجہ لڑنے بھڑنے سے توبہ کرنے میں دیر مت کیجئے!

☼

حالانکہ نہیں ہے کچھ بھی آگے
پھر بھی میں قدم بڑھا رہا ہوں

جب سب نے بھلا دیا ہے اس کو
تب میں اُسے یاد آ رہا ہوں

بے وجہ نہیں مری خموشی
اک عمر میں بولتا رہا ہوں

بھولا ہوا یاد آ رہا ہے
یاد آیا ہوا بھلا رہا ہوں

وعدہ تھا، جسے نبھا رہا ہوں
ورنہ میں کہاں ترا رہا ہوں

مت روک ظفر کہ سوئے مقتل
میں اپنی خوشی سے جا رہا ہوں

صابر ظفر

## راج ہنس،

پہلے پہل جب شہر کو میں نے دیکھا تھا
شہر ہمارا
راج ہنس کی صورت قدم بڑھاتا تھا
شبنم کے قطرے جب صبح کو گرتے تھے
راج ہنس کی خاطر
سچے موتی ارزاں کرتے تھے
پنکھ پسارے اپنی دُنیا ساتھ لیے
وہ پیہم رقص میں رہتا تھا
چترکار اپنی تختی پر اس کا روپ سجاتے تھے
دور دیس سے آنے والے
اس کی ایک جھلک پانے کو
وقت کی صورت رُک جاتے تھے
اور اب ایسا تہر مچا ہے
زندہ رہنے کی کوشش میں
راج ہنس کو خون کے قطرے ہی ملتے ہیں

سحر انصاری



دلِ سودائی کو پیکار میں رکھ آئے ہیں
ہم کہانی کو بھی کردار میں رکھ آئے ہیں

وہ جو اک تیرے بچھڑنے کی گھڑی تھی اُس کو
کب کا ہم عمرِ طلب گار میں رکھ آئے ہیں

وہ جو اک لمحۂ جاں سوز تھا حاصل تیرا
اُس کو بھی وقت کی رفتار میں رکھ آئے ہیں

کیسے پائے گی بقا رسم شناسائی کی
جب تعلق کو بھی بازار میں رکھ آئے ہیں

اک زمانہ ہے شریک وہ منزل اب تو
عزم وہ جراتِ انکار میں رکھ آئے ہیں

نثار ترابی

میں سفر میں تھا، میں سفر میں ہوں تجھے قربتوں کی خبر کہاں
جسے راستوں کا پتہ نہیں اسے منزلوں کی خبر کہاں

مرے بے خبر! تجھے کیا خبر، کہاں کون تجھ سے بچھڑ گیا
تجھے اپنی ذات عزیز ہے، تجھے دوستوں کی خبر کہاں

تو عروج ہے، میں زوال ہوں، تو یقین ہے میں گمان ہوں
یہ ہمارا رشتہ اٹوٹ ہے، ہمیں فاصلوں کی خبر کہاں

یونہی کٹ گئے مرے روز و شب، تجھے کوئی کیسے بتائے اب
ترے ہجر میں جو ملے مجھے، تجھے اُن دکھوں کی خبر کہاں

مجھے تجھ سے کوئی گلہ نہیں، مجھے حوصلہ ہی ملا نہیں
مرے مہربان! تجھے بھلا، مری خواہشوں کی خبر کہاں

سید علی سلمان

## وجہ تعاقب

ٹام کار میں اپنی بیوی کے ساتھ سسرال جارہا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے ایک خاتون ڈرائیور آرہی تھیں۔ انہوں نے اوورٹیک کرنے کے لیے ہارن بجایا اور ٹام نے بڑی سعادت مندی سے انہیں راستہ دے دیا۔ وہ خاتون آگے نکل گئیں۔ لیکن آگے جاتے ہی خاتون نے اس حد تک اپنی کار ہلکی کرلی کہ مجبوراً" ٹام کو آگے نکلنا پڑا۔ خاتون نے دوبارہ اسے اوورٹیک کیا۔

یہ کھیل دیر تک چلتا رہا۔ پہلے وہ خاتون ٹام کو اوورٹیک کرتیں' پھر کار ہلکی کرکے اسے اوورٹیک کرنے کا موقع دیتیں۔ وہ انہیں اوورٹیک کرلیتا تو ایک بار پھر ان پر اوورٹیک کا بھوت سوار ہوجاتا۔ کئی میل کے اس کھیل کے بعد کسی حادثے کے باعث آگے ٹریفک جام تھا۔ خاتون اور ٹام کو اپنی اپنی کاریں روکنا پڑیں۔ کار سے اتر کروہ ان خاتون کے پاس گیا اور بڑے ادب سے کہا۔

"محترمہ... میں سمجھتا ہوں کہ میری ڈرائیونگ میں ایسی کوئی خامی نہیں تھی جس کی وجہ سے آپ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آسکی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو مسلسل اوورٹیک کیوں کرتے رہے ہیں؟"

"اوہ... " خاتون نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں اس سویٹر کا نمونہ ذہن نشین کرنے کی کوشش کررہی تھی' جو تمہاری بیوی نے پہن رکھا ہے اور اس کی ایک ہی صورت تھی کہ تمہیں اوورٹیک کرا کے سویٹر دیکھوں اور دوبارہ اپنے آپ کو اوورٹیک کرا کے سویٹر پر نظر ڈالوں۔"

حمیرا شیراز... لیاقت آباد

## آخری خواہش

خاتون پر نزع طاری تھا۔ زندگی کی آخری سانسیں لیتے ہوئے اس نے پاس بیٹھے اپنے شوہر سے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ جب میرا جنازہ قبرستان جارہا ہو تو تم میت گاڑی میں میرے بھائی کے ساتھ بیٹھو۔"

"یہ ناممکن ہے۔" شوہر نے قدرے ناراضی سے کہا۔ "تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں تمہارے بھائی سے سخت نفرت کرتا ہوں۔"

"مگر یہ میری آخری خواہش ہے جان... کیا تم یہ بھی نہیں کرسکتے میرے لیے۔" خاتون نے آخری ہچکیاں لیتے ہوئے کچھ افسردگی سے کہا۔

"اچھا... تم کہتی ہو تو میں اس کے ساتھ بیٹھ جاؤں گا۔" شوہر نے فرماں برداری سے کہا۔ "مگر سوچو ذرا... جنازے کا سارا مزا کرکرا ہوجائے گا۔"

مہناز زبیر... نارتھ کراچی

## سوچ

ایک خاتون کمبل کی دکان پر گئیں اور کمبل دیکھنے شروع کیے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں احساس ہوا کہ سیلزمین انہیں کمبل دکھا دکھا کر تھک گیا ہے تو انہوں نے جھینپی جھینپی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے... اصل میں... میں نے یہ خریدنے نہیں ہیں... یہ تو میں یہ اپنی سہیلی کے لیے دیکھ رہی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں میڈم!" سیلزمین نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ وہ اس میں لپٹی ہوئی ہیں تو میں یہ آخری کمبل بھی آپ کو کھول کر دکھا دیتا ہوں۔"

غزالہ شہباز... ہجرت کالونی



## غلط فہمی

عدالت میں جج نے ایک گواہ عورت سے کہا۔

"تم نے حیرت انگیز بہادری کا مظاہرہ کیا۔ ایک ڈاکو پر یوں پل پڑیں... زبردست..."

"مجھے یہ پتا ہی کب تھا۔" عورت نے صفائی پیش کی۔ "میں تو یہ سمجھی تھی کہ میرا شوہر دیر سے گھر آیا ہے۔"

حنا شاہد... ملیر

## امپورٹڈ جہاز

ایک جہاز سمندر پر سے گزرتے ہوئے فضا میں ہچکولے کھانے لگا۔ جس پر مسافروں میں بھگدڑ مچ گئی اور انہوں نے چیخنا چلانا شروع کردیا۔ اسی وقت اسپیکر پہ کپتان کی آواز سنائی دی۔

"خواتین و حضرات... گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ایک بہترین امپورٹڈ جہاز ہے۔ غیر ملکی ماہرین روزانہ اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ بالکل مطمئن ہوکر سفر کریں... کھڑکی سے باہر دیکھیں۔ نہایت خوب صورت نظارہ ہے... شام ہونے کو ہے... سورج کا سرخ گولا سمندر میں غروب ہورہا ہے... لوگ رنگ برنگی کشتیوں میں سمندر کی سیر کررہے ہیں۔ آپ ایک لال رنگ کی کشتی بھی دیکھ رہے ہوں گے... میں اسی کشتی سے بول رہا ہوں۔"

نورین فیاض... پاپوش نگر

## میرا نام

ایک ریٹائر پروفیسر صاحب کو ان کے دوست نے مذاق میں ایک مشروب پلا دیا۔ پروفیسر صاحب گھر جانے کو باہر نکلے تو راستہ بھول گئے۔ آدھی رات کو انہیں سڑک پر جھومتے دیکھ کر ایک کانسٹیبل ان کے پاس پہنچا اور نام دریافت کیا۔

"معلوم نہیں۔" پروفیسر صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہیں اپنا نام بھی نہیں معلوم؟" کانسٹیبل کو شدید غصہ آیا تو پروفیسر صاحب ڈر گئے' پھر اپنے تئیں عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے۔

"آپ ایسا کریں۔ شاہراہ نمبر چار سو پانچ پر جائیں۔ ہاؤس نمبر بیاسی کی گھنٹی بجا کر پوچھیں ایڈورڈ گھر پر ہے؟ اگر جواب ملے... نہیں... تو سمجھ لیجیے گا کہ وہ میں ہوں۔"

نیرا نیس... ناظم آباد

## قیمت

تین آدمی چوری کی نیت سے ایک گھر میں داخل ہوئے۔ داخل ہونے کے بعد انہیں اندازہ ہوا کہ یہ مشہور باکسر محمد علی کلے کا گھر ہے۔ یہ جان کر دو چور تھر تھر کانپنے لگے۔ ایک بولا۔

"چپکے سے کھسک لو۔ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔"

"ہائے... محمد علی مکے مار مار کر ہماری ہڈی پسلی توڑ دے گا۔" دوسرا کراہ کر بولا۔

"گھبراؤ نہیں یارو!" تیسرا چور باہمت انداز میں بولا۔ "میں محمد علی کو اچھی طرح جانتا ہوں... وہ جب تک پچاس ہزار ایڈوانس نہ لے لے... ایک مُکا بھی نہیں مارے گا۔"

افشاں فرقان... نئی حسن

## ترقی کا سفر

"تم کس جرم میں یہاں آئے ہو؟" جیل میں ایک قیدی نے دوسرے سے پوچھا۔

"میں شروع سے ہی محنت کرنے کا سخت عادی تھا۔" دوسرے قیدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے سوچا تھا کہ بالکل نیچے سے اپنی ترقی کا سفر شروع کروں... دراصل میں... جیلر بننا چاہتا تھا۔"

یاسمین ظفر... لاہور

## اعتراف

آمنے سامنے سے آتی ہوئی ایک خاتون اور ایک صاحب کی گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں۔ خاتون گاڑی سے اتر کر معذرت خواہانہ انداز میں بولیں۔

"غلطی میری ہے۔"

"نہیں غلطی میری ہے۔" وہ صاحب ٹھنڈی سانس بھر کر بولے۔

"میں نے دور سے ہی دیکھ لیا تھا کہ سامنے سے آنے والی کار کو ایک خاتون چلا رہی ہیں۔ میں چاہتا تو جلدی سے اپنی گاڑی کچے میں اتار کر کسی درخت کے پیچھے پناہ لے سکتا تھا لیکن میں نے اپنی گاڑی کو سیدھا چلنے دیا۔ اس سے بڑی غلطی کیا ہو سکتی تھی۔"

فائزہ صلاح الدین۔۔۔ میٹروول

## سوال

نیلام گھر میں طارق عزیز نے ایک نوجوان سے کہا۔

"آپ تمام مرحلے جیت چکے ہیں۔ اب صرف آخری سوال رہ گیا ہے۔ اگر آپ نے اس کا صحیح جواب دے دیا تو آپ انعام کے حق دار ہوں گے اور اگر جواب نہ دے سکے تو کچھ نہیں ملے گا۔ اس سوال کے دو حصے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں سوال صحیح ترتیب سے پوچھوں گا لیکن اگر آپ اجازت دیں تو میں دوسرا حصہ پہلے پوچھ لوں؟"

"پوچھ لیں۔ میرے لیے کچھ مشکل نہیں۔" جیت جانے کے زعم میں نوجوان نے بے نیازی سے کہا۔

"بتایئے یہ واقعہ کس سن میں پیش آیا؟" طارق عزیز نے دریافت کیا۔

صائمہ عمران۔۔۔ جوہر ٹاؤن

## صحت مند

ہسپتال میں دماغی امراض کے چند مریض روبہ صحت تھے۔ ڈاکٹر نے ان میں سے ایک کا نفسیاتی جائزہ لینے کی غرض سے کہا۔

"تمہاری بیوی تم سے ملنے آئی ہے۔ باہر بیٹھی ہے، جا کر مل لو۔"

مریض نے جواب دیا۔ "ڈاکٹر صاحب! آپ اس سے کہہ دیں کہ مجھ پر پاگل پن کے شدید دورے پڑتے ہیں۔ وہ میرے قریب نہ آئے، ورنہ میں اس کا منہ نوچ لوں گا۔"

ڈاکٹر نے اس کی یہ بات سن کر رپورٹ میں لکھا۔

"یہ مریض اب بالکل صحت مند ہو گیا ہے۔ اسے اسپتال سے رخصت کر دیا جائے۔"

مدیحہ احمد۔۔۔ گلشن اقبال

## ٹماٹر

"میرے شوہر انتہائی بھلکڑ ہیں۔ کہیں جائیں تو لازماً اپنی کوئی نہ کوئی چیز ضرور بھول آئیں گے۔ دفتر میں کبھی کوٹ بھول آتے ہیں، کبھی چھتری، کبھی ہینڈ بیگ۔۔۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے انہیں ٹماٹر لینے بھیجا ہے۔ اب وہ آتے ہی ہوں گے مگر تم دیکھنا۔۔۔ وہ ٹماٹر لانا بھول جائیں گے۔ میں یقین سے کہتی ہوں۔"

ایک خاتون بے زاری سے اپنی پڑوسن سے کہہ رہی تھیں۔ اسی لمحے خوشی سے بے قابو ہوتا ایک شخص گھر میں داخل ہوا اور چلایا۔

"بیگم! دیکھو، مجھے کیا ملا ہے۔ سڑک پر ایک خبطی دولت مند میرے ہاتھوں میں اتنے بہت سارے نوٹ تھما کر تیزی سے اپنی کار بھگا لے گیا۔" یہ کہہ کر انہوں نے وہ ڈھیر سارے نوٹ بیوی کے سامنے رکھ دیے۔ بیوی نے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ پڑوسن کو دیکھا۔

"دیکھا تم نے۔۔۔ میں نے کہا تھا نا، یہ ٹماٹر لانا بھول جائیں گے۔"

ارم جاوید۔۔۔ پی آئی بی کالونی



شگفتہ جاہ

# باتوں سے خوشبو آئے

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو (کسی رشتہ دار کے ساتھ) احسان کے بدلے میں احسان کرتا ہے۔ بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے، جب اس سے قطع رحمی (بدسلوکی وغیرہ) کی جائے تو وہ صلہ رحمی (حسن سلوک) کرے۔"

(بخاری)

فائدہ:۔ اس حدیث سے صلہ رحمی کے حقیقی تقاضے واضح ہوتے ہیں۔ جو رشتے دار ادب و احترام سے پیش آئیں اور آپ کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ظاہر بات ہے آپ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے لیکن یہ صلہ رحمی نہیں ہے، احسان کے بدلے احسان ہے۔

اس کے برعکس آپ کا ایک قریبی رشتے دار بداخلاق ہے، آپ سے بدسلوکی کرتا ہے اور آپ سے تعلق توڑنے پر تلا رہتا ہے (جیسا کہ جہالت کے یہ مظاہرے ہمارے معاشرے میں عام ہیں) لیکن آپ صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ بدسلوکی کا جواب حسن سلوک سے دیتے ہیں، ترک تعلق کی کوششوں کے مقابلے میں تعلق برقرار رکھتے ہیں۔ یہ ہے اصل صلہ رحمی جس کا تقاضا اسلام کرتا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ یہ جذبات، انا اور وقار کا مسئلہ ہے۔ اس جھوٹی انا کو شریعت کے تقاضوں پر قربان کر دینا بہت دل گردے کا کام ہے۔ لیکن کمال ایمان بھی یہی ہے کہ ایسا کیا جائے ورنہ باہم مسکراہٹوں کے تبادلے میں تو کوئی کمال نہیں۔

## موت کی یاد،

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کتنی بڑی شان والے صحابی تھے۔ انہوں نے ایک آدمی کو اپنے ساتھ لگا رکھا تھا اور اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ تم مجھے وقتاً فوقتاً موت کی یاد دلاتے رہنا چنانچہ مختلف محفلوں میں وہ موت کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔

ایک دن آپ نے ان سے فرمایا۔

"اب آپ کوئی دوسرا کام کر لیجیے۔"

کہنے لگے "حضرت! کیا اب موت یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے؟"

آپ نے اپنے ریش مبارک کی طرف اشارہ کیا جس میں کچھ سفید بال آ گئے تھے، فرمایا۔

"یہ سفید بال مجھے موت کی یاد دلانے کے لیے کافی ہیں مجھے ان کو دیکھ کر موت کی یاد آتی رہے گی۔"

ماخوذ "سکون دل"

حلیمہ زمان۔ صوابی

## مہکتی ہوئی بات،

- پانی بنو جو اپنا راستہ خود بناتا ہے۔ پتھر نہ بنو جو دوسروں کا راستہ روک لیتا ہے۔
- اگر غلط فہمیاں دور نہ کی جائیں تو وہ نفرتوں میں بدل جاتی ہیں۔
- اہمیت دکھ کی نہیں بلکہ دکھ دینے والے کی ہوتی ہے۔ دور رہا کیجیے ایسے دوستوں سے جو کھیل ہی کھیل میں زندگی سے کھیل جاتے ہیں۔

## استغفار کا بیان،

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھے عراق کے کسی گاؤں میں رات ہو گئی۔ میں ایک مسجد میں گیا مگر چوکیدار نے نکال دیا۔ میں مسجد کے باہر فرش پر سو گیا۔ چوکیدار نے مجھے پاؤں سے گھسیٹ کر مسجد سے دور کر دیا۔ اسی دوران ایک آدمی مجھے اپنے گھر لے آیا۔ وہ شخص چلتے پھرتے ہر کام کے دوران استغفار پڑھتا تھا۔ صبح میں نے

پوچھا۔

"آپ کو استغفار پڑھنے کا کچھ فائدہ ہوا؟"

اس نے کہا۔ "جی ہاں، میری ہر دعا قبول ہوئی سوائے اس کے کہ میری ملاقات امام احمد بن حنبلؒ سے ہو جائے۔"

میں نے کہا۔ "میں ہی احمد بن حنبلؒ ہوں اور تم دیکھو کہ مجھے کیسے گھسیٹ کر تمہارے پاس لایا گیا ہے۔"

ارم کمال۔ فیصل آباد

## باعثِ عبرت

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ فرعون ایک بادشاہ تھا جس نے حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں خدائی کا دعوا کیا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ فرعون دراصل ایک لقب ہے جو مصر کے بادشاہ اختیار کرتے تھے۔ ایسے سینکڑوں فراعنہ گزرے ہیں جن میں سے صرف چالیس حنوط شدہ لاشیں یعنی ممیاں محفوظ رہ گئیں۔ کیونکہ انہیں چوروں سے بچانے کے لیے بعد کے زمانوں میں پروہتوم نے اہرام سے نکال کر وادیٔ شاہان کے ایک پہاڑ میں قدرتی غار نما ہال میں محفوظ کر دیا۔ 1898ء میں اتفاقاً ایک چور کے ہاتھوں دریافت ہوئیں۔

یہ ممیاں مصری عجائب گھر کے اوپری منزل کے کمرہ نمبر 52 میں رکھی ہوئی ہیں۔

ان میں اس فرعون کی ممی بھی ہے جس نے حضرت موسیٰؑ کی نبوت کو جھٹلایا تھا۔ اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے نیل میں اپنے لاؤ لشکر سمیت ڈوب گیا۔ اس کا نام فرعون منفتاح تھا۔ یہ رعمیس دوم کا بیٹا تھا، جس نے حضرت موسیٰؑ کی پرورش کی تھی۔ منفتاح کی لاش بیسویں صدی عیسوی میں سمندر سے نکالی گئی۔ جو قرآن پاک کے فرمان کے مطابق لوگوں کے لیے عبرت ہے۔ قرآن پاک میں لکھا ہے۔

"ہم تیرے بدن کو اخلاف کے لیے نشانی کے طور پر بچالیں گے۔"

منفتاح کے نام کے ساتھ 1225ء ق م لکھا ہوا ہے۔ قد ساڑھے پانچ فٹ ہوگا۔ رنگ کھلتا ہوا گندمی ہے۔ اس کی لاش عجائب گھر میں پڑی ہوئی تمام ممیوں میں سب سے زیادہ ٹھیک حالت میں ہے۔ اور ابھی تک بالکل محفوظ ہے۔ اس کے تمام اعضا صحیح و سالم ہیں جیسے ابھی ابھی حنوط کیا گیا ہو۔

## اللہ کی راہ میں

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ (سواریاں اتنی کم تھیں کہ) ہم چھ آدمیوں کو صرف ایک اونٹ ملا، جس پر ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ (پتھریلی زمین پر ننگے پاؤں چلنے کی وجہ سے) ہمارے پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ اور ہمارے پاؤں گھس گئے اور میرے دونوں پیروں میں بھی چھالے پڑ گئے اور میرے ناخن جھڑ گئے۔ ہم اپنے پیروں پر پٹیاں باندھتے تھے۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع رکھا گیا کیونکہ ہم نے اپنے پیروں پر پٹیاں باندھی تھیں۔

## یکسانیت

- اگر عقل سب میں یکساں ہوتی تو پھر سب کے سب لوگ لقمان ہوتے۔
- اگر سارے پتھر لعلِ بدخشاں ہوتے، تو دنیا میں لعلوں کی قدر نہ ہوتی۔
- اگر موتی اولوں کی طرح ارزاں ہوتے تو ہر گھر میں ٹوکرے بھرے ہوتے۔
- اگر بڑ کے پیڑ کے پتے پان ہوتے تو بیل اور گدھے بھی انہیں کھانا پسند نہ کرتے۔

(خوشحال خان خٹک)

حنا سلیم اعوان۔ آخون باندی

## تہمت

حضرت ابو عمران فلسطینیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی بیوی ان کے سر میں سے جوئیں نکال رہی تھی۔ ان کی بیوی نے اپنی باندی کو آواز دی۔ باندی نے آنے میں دیر کر دی تو ان کی بیوی نے کہا۔

"اے زانیہ!"

حضرت عمروؓ نے کہا۔ "کیا تم نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے؟"

ان کی بیوی نے کہا۔ "نہیں۔"

حضرت عمروؓ نے کہا۔ "اللہ کی قسم! تمہیں اس باندی کی وجہ سے قیامت کے دن اسی کوڑے مارے جائیں گے۔"

ان کی بیوی نے اس باندی سے معافی مانگی۔ باندی نے معاف کر دیا۔

حضرت عمروؓ نے کہا۔ "یہ بے چاری تمہیں کیوں معاف نہ کرے، یہ تمہاری ماتحت جو ہے اسے آزاد کرو۔"

ان کی بیوی نے کہا۔ "کیا یہ آزاد کرنا کافی ہو جائے گا؟" (پھر مجھے آخرت میں سزا تو نہیں ملے گی)

حضرت عمروؓ نے کہا۔ "ہاں امید ہے۔"

## مکافاتِ عمل

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ظالم بدبخت کمزوروں پر ظلم کرتا اور ان کی لکڑیاں سستے داموں خرید کر انہیں زیادہ منافع پر فروخت کر دیتا تھا۔

ایک دن ایک نیک شخص نے اس سے کہا۔

"تو ہر ایک کو نقصان پہنچاتا ہے، کیا تو سانپ ہے یا پھر اُلو کہ جہاں بیٹھے وہاں ویرانی ہو؟ اگر تو زور آور ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تیرا یہ زور اللہ عزوجل پر بھی چل جائے۔ اہلِ زمین پر ظلم بند کر دے کہ کسی مظلوم کی بددعا آسمان پر نہ پہنچ جائے۔"

اس ظالم نے اس نیک شخص کی نصیحت پر کان نہ دھرے اور دولت کے لالچ نے اسے گناہوں کی دلدل میں دھکیل دیا۔ ایک رات اس کی لکڑیوں کے گودام میں آگ لگ گئی اور سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا۔ اب وہ نرم بستر کے بجائے گرم راکھ پر بیٹھا تھا۔

ایک دن وہی نیک شخص وہاں سے گزرا تو اس نے اس ظالم کو کسی سے بات کرتے دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "نامعلوم آگ کہاں سے آئی جس نے میرا گودام جلا کر خاکستر کر دیا۔"

اس نیک شخص نے کہا کہ "یہ آگ ان غریبوں کے دلوں کا دھواں تھا اور یہ ان پریشان دلوں کی آہ تھی جن پر تو ظلم کرتا تھا۔

یاد رکھ کہ پریشان دل کی آہ سارے جہاں کو پریشان کر دیتی ہے۔"

خسرو پرویز کی قبر کی محراب پر لکھا تھا "عرصۂ دراز تک حکومت کرنے کے بعد جب ہم خاک میں ملیں گے تو مخلوق ہمارے سروں پر چلے گی اور جس طرح آج ہم حکومت کرتے ہیں اسی طرح کل دوسرے حکومت کر رہے ہوں گے۔ پس یاد رکھو کہ مظلوموں کی آہ سے بچو کہ اللہ عزوجل مظلوموں کی پکار نزدیک ہو کر سنتا ہے۔

(حکایاتِ سعدیؒ۔ گلستان)

## جواہر پارے

- کسی ایک انسان کو متاعِ کل سمجھنا زندگی برباد کرنے کے مترادف ہے کیونکہ توحید کی صفت صرف اللہ کے لیے ہے۔
- ایسا ادب جو صرف برائیوں کے بارے میں باتیں کرے، اس ماں کی مانند ہے جو اپنے بچوں کو ادب نہ سکھائے اور صرف اس کے بارے میں بولتی رہے۔ (ڈسرائیلی)
- پہلے مستحق بنو پھر خواہش کا اظہار کرو۔
- مصیبت زدوں کے لیے امید کے سوا کوئی دوا نہیں۔ (شیکسپیئر)
- جذباتِ انسانی میں سب سے زیادہ کارآمد جذبہ امید ہے۔

شفاعت بتول نین تارا۔ جام پور

## سوچ سمجھ کر بولو

جس طرح ریت میں پانی کے قطرے جذب ہو جاتے ہیں، اسی طرح ہمارے چند جملے کسی کے دل میں نشتر بن کر اتر سکتے ہیں۔ اور دوسروں کے دل میں دکھ کا احساس پیدا کر سکتے ہیں۔ جس طرح پانی کے چند قطرے ریت سے نکالے نہیں جا سکتے، اسی طرح ایک دفعہ زبان نکلی ہوئی بات کا اثر بھی دل سے نہیں نکالا جا سکتا۔ انسان اپنی توہین معاف تو کر سکتا ہے بھول نہیں سکتا۔ اس لیے سوچ سمجھ کر بولیں۔

حلیمہ زمان۔ صوابی

خالدہ جیلانی

# کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

شازیہ سحر ________ ڈی جی خان
اب وہ منظر نہ وہ چہرے ہی نظر آتے ہیں
مجھ کو معلوم نہ تھا خواب بھی مر جاتے ہیں
جانے کس حال میں ہم ہیں کہ ہمیں دیکھ کے سب
ایک پل کے لیے رکتے ہیں گزر جاتے ہیں

آسیہ جاوید ________ علی پور چٹھہ
روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں
گلشن میں چاک چند گریباں ہوئے تو ہیں

عائشہ خان ________ ٹنڈو محمد خان
عشق تیری انتہا، عشق میری انتہا
تو بھی ابھی نا تمام، میں بھی ابھی نا تمام

اُفق آتش ________ چیچہ وطنی
عجب اپنا سفر ہے فاصلے بھی ساتھ چلتے ہیں
کہاں قاتل بدلتے ہیں فقط چہرے بدلتے ہیں

شازیہ ہاشم ________ کھڈیاں
موسم گل کا فقط ذکر نہیں
ہم نے انسان کو بدلتے دیکھا ہے

تحریم ________ گوجرہ
اک لمحہ ملا تھا کہنے کو
زندگی بھر کی کیا بات کرتے

ثنا اُجالا ________ بھلوال
میرا خیال تھا یہ سلسلہ دلوں تک ہے
مگر یہ لوگ مرے خواب بھی کچلنے لگے

نخبہ اکرم ________ گاؤں کوٹلی
لفظوں کے ستم، لہجوں کے آزار بہت ہیں
کہنے کو اس شہر میں غم خوار بہت ہیں

ندا، فضہ یوسف ________ کراچی
شام آ رہی ہے ڈوبتا سورج بتلائے گا
تم اور کتنی دیر ہو، ہم اور کتنی دیر

درخشاں نور ________ فیصل آباد
کچھ اور بڑھ گئی ہے اندھیروں کی زندگی
یوں بھی ہوا ہے جشن چراغاں کبھی کبھی

انعم قمر ________ ملتان
ہم سے شکایتیں بجا، ہم کو بھی ہے مگر گلہ
پہلے سے ہم نہیں اگر پہلے سے آپ بھی نہیں

رخسانہ ظفر ________ لاہور
یہ ہی نہیں ہے کہ ہمیں توڑ کر گیا ہے کوئی
اسے بھی خود کو بہت دیر جوڑنا ہوگا

بشریٰ قمر ________ کراچی
سانحہ ایک ہو تو بتلائیں
اس کو کھونے کا اس کو رونے کا
بس یہی زندگی کا حاصل ہے
ایک احساس اپنے ہونے کا

زرغونہ خان ________ پشاور
سوچا کیے کہ ٹوٹ نہ جائے کسی کا دل
گزری ہے اپنی عمر اسی دیکھ بھال میں
خالد وہ بات تو اسے یاد بھی نہیں
ہم جی کو خوں کر گئے جس کے ملال میں

نصرت زہرا ________ کراچی
جاگا نہیں گیا کبھی سویا نہیں گیا
ہم سے حساب ہجر بھی نہیں رکھا گیا
اک عمر جن پہ جاں کو نچھاور کیے رہے
ان سے ہمارا حال بھی پوچھا نہیں گیا

بشریٰ خالد ________ کراچی
جس دل آرا کی خاطر پائی رسوائی بہت
ہم نے اپنے عشق کی سچائی دکھلائی بہت
کیا ملے تجھے زنجیر رفاقت توڑ کر
تو بھی تنہا میں بھی تنہا اور تماشائی بہت



نمرہ، اقراء ________ کراچی
خموشی بول اٹھے ہر نظر پیغام ہو جائے
یہ سناٹا اگر حد سے بڑھے کہرام ہو جائے
شکیب اپنے تعارف کے لیے یہ بات کافی ہے
ہم اس سے بچ کر چلتے ہیں جو راستہ عام ہو جائے

لاریب ________ چونیاں
اگر کچھ قیمتی لمحے نکل آئیں کسی صورت
چلو اس دل کی خاطر ہم بھی کوئی کام کر جائیں
کئی شامیں گنوا دی ہیں غم حالات میں ہم نے
تمہارے نام اک سندر سہانی شام کر جائیں

ماہ زیب ________ چونیاں
کچھ اس طرح سے وفا کی مثال دیتا ہوں
سوال کرتا ہے کوئی تو ٹال دیتا ہوں
اسی سے کھاتا ہوں اکثر فریب منزل کا
میں جس کے پاؤں سے کانٹا نکال دیتا ہوں

ارم کمال ________ فیصل آباد
عمر رائیگاں کر دی تب یہ بات مانی ہے
موت اور محبت کی ایک ہی کہانی ہے
کھیل جو بھی تھا جاناں اب حساب کیا کرنا
جیت خواہ کسی کی ہو، ہم نے ہار مانی ہے

عابدہ راؤ ________ کبیر والا
میرے نام کی جو روشنی اسے خود ہی تو نے بجھا دیا
نہ جلا سکی جسے دھوپ بھی اسے چاندنی نے جلا دیا
میں ہوں گردشوں میں گھرا ہوا مجھے آپ اپنی خبر نہیں
وہ جو شخص تھا میرا رہنما اسے راستوں میں گنوا دیا

حرا قریشی ________ ملتان
تیرے قریب رہ کر بھی تجھے تلاش کروں
محبتوں میں مری بدحواسیاں نہ گئیں
خدا خبر کہاں کونجوں کے قافلے اترے
سمندروں کی طرف بھی تو پیاسیاں نہ گئیں

عالیہ عثمان ________ چکوال
پت جھڑ کی دہلیز پہ بکھرے
بے چہرہ پتوں کی صورت
ہم کو ساتھ لیے پھرتی ہے
تیرے دھیان کی تیز ہوا

ستارہ سحر ________ موہری شریف
ایسے ٹوٹا ہے تمناؤں کا پندار کہ بس
دل نے جھیلے ہیں محبت میں وہ آزار کہ بس
ایک جھونکے میں زمانہ میرے ہاتھوں سے گیا
اس قدر تیز ہوئی وقت کی رفتار کہ بس

عائشہ جمیل ________ کراچی
تھا کوئی جو میرے دل کو زخم دے گیا
زندگی بھر جینے کی قسم دے گیا
لاکھوں پھولوں میں سے ایک پھول چنا تھا میں نے
جو کانٹوں سے بھی گہری چبھن دے گیا

الوین فاطمہ، انیلا بتول ________ ملتان
مری نیم جاں انا تھی میری کج ادائی کے پیچھے
تجھے بھول کیوں نہ جاتے اگر اختیار ہوتا

کائنات اصغر، لوزدار ________ ڈہرکی
میرے چارہ گر کو نوید ہو صف دشمناں کو خبر کرو
جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا
کرو کج جبیں پہ سر کفن مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرور عشق کا بانکپن پس مرگ ہم نے بھلا دیا

عابدہ پروین ________ رحیم یار خان
سو اب بند مٹھی میں اندھیروں کی حکومت
مجھے جگنو ہتھیلی میں چھپا لینے کی عادت تھی
میں ان کو ڈال کر دانا بہت مسرور ہوتی تھی
مجھے آنگن کی چڑیوں سے دعا لینے کی عادت تھی

نوقیہ رباب چیمہ ________ بورے والا
شک تو تھا کہ محبت میں خسارے ہوں گے
یقیں نہ تھا کہ سارے ہمارے ہوں گے

نوال افضل گھمن ________ گجرات
کیا ملے تجھے زنجیر رفاقت توڑ کر
تو بھی تنہا میں بھی تنہا اور تماشائی بہت
یہ عمر بھر کی رفاقتیں یہ نگر نگر کی مسافتیں
یہ تو روگ ہیں مہ و سال کا یہ تو گردشیں ہیں سفر نہیں

سونیا خان ________ لاہور
تیری آرزو ہی کا فیض ہے تیری یاد ہی کا کمال ہے
کبھی مجھ کو تیرا خیال تھا مگر آج اپنا خیال ہے

# شعاع کے ساتھ

ادارہ

## یاسمین حنفی۔ کراچی

1 ۔شعاع کے ساتھ وابستگی تو خیر بچپن سے ہے، بہنوں کو پڑھتے دیکھتے تھے باقاعدگی سے پڑھنا 3 سال پہلے شروع کیا ہے، ورنہ پہلے تو جو ہاتھ آیا پڑھ لیا کرتے تھے (سمجھ میں جو نہیں آتا تھا) خاص واقعہ تو خیر یاد نہیں بس اتنا کہ پہلے ابو منع کرتے تھے پر اب میرے پیارے ابو خود لا کے دیتے ہیں۔

2 ۔روز مرہ کی مصروفیات بس ایک جیسی ہی ہیں، صبح نو بجے اٹھتی ہو، میاں کو ناشتا بنا کے دیتی ہو پھر لمبی تان کے سو جاتی ہوں لائٹ جو نہیں ہوتی، پھر دوبارہ بارہ بجے اٹھتی ہوں گھر کے کام کاج، برتن، صفائی کپڑے (ہفتے میں دو بار مشین لگاتی ہوں) پھر جناب ہم ہوتے ہیں اور ہمارا ٹی وی۔ موڈ ہوا تو سلائی کڑھائی بھی کر لیتے ہیں ورنہ پڑوسیوں سے گپیں لڑاتے ہیں بس جی پھر شام کا کھانا تھوڑا اہتمام سے بناتی ہوں۔

3 ۔پسندیدہ تحریریں۔ سب سے پہلا ناول جو پڑھ کے ہم بہت روئے تھے وہ تھا یہ دانہ دوام کی کہانی۔ رائٹر کا نام یاد نہیں۔ اور بھی کتنے ناول ہیں جو دل کو چھو کے گزرے۔ جنت کے پتے۔ شہر دل کے دروازے۔ مرگِ وفا، زندگی اک روشنی، اپنی جھلک تو خیر آج تک کسی بھی ناول میں نظر نہیں آئی۔

4 ۔ خوبیاں اور خامیاں۔ تو جناب بدولت کے حساب سے تو ہماری اتنی خوبیاں ہیں کہ اب اپنے منہ سے کیا کہیں پر کچھ تو لکھنا ہے (خامیاں بھی ویسے کوٹ کوٹ کے بھری ہیں تو جناب پہلے خامیاں ...... ضدی بہت ہوں، منہ پھٹ بھی کہہ سکتے ہیں اور میرے حساب سے جو سب سے بڑی خامی وہ یہ کہ میں کسی کو معاف نہیں کر سکتی، جس نے مجھے تکلیف دی ہو اس سے پھر دوبارہ (آخری حد تک کوشش کرتی ہوں کہ) سامنا نہ ہی ہو تو اچھا ہے (اُس کے لیے) خوبیاں تو یہ ہے کہ ہر کسی کی مدد کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہوں، رازدار ہوں اور کسی کو کچھ بھی منہ پر نہیں جتاتی (بس یار بہت ہو گیا ناں)

5 ۔ آہ ساون۔ کبھی ہم بھی بڑا انجوائے کیا کرتے تھے، سب بہن بھائی ساتھ ہوتے تھے اب تو بس دور سے بیٹھ کے ہی نظارہ کر لیتے ہیں (سب بہن بھائیوں کی شادی جو ہو گئی ہے!)

6 ۔پسندیدہ اقتباس۔ شازیہ چوہدری کے شہر دل کے دروازے سے "بھلے سے اپنی اولاد کو ایک وقت کا کھانا کھلاؤ، مگر انہیں اپنی محفوظ و معتبر محبت سے نوازو کہ کہیں کل کلاں کو یہ محرومی دور کرنے کے لیے وہ کسی غلط در پہ دستک نہ دے بیٹھیں"۔ اور شعر

وہ اچھا ہے تو بہتر، برا ہے تو بھی قبول
مزاجِ عشق میں عیب یار نہیں دیکھے جاتے

## مقدس ارشد لکھنوال کلاں ضلع گجرات

1 ۔شعاع اور اپنی دوستی کے بارے میں یہی کہوں گی کہ جب سے لفظوں کو جملوں میں بولنا سیکھا تب سے شعاع کو دیکھ رہی ہوں پہلے امی پڑھتی تھیں پھر بڑی بہن (حنا صدف) میں ان کا مذاق اڑاتی تھی کہ ہر ماہ ڈائجسٹ منگوانے کی کیا ضرورت ہے ایک جیسی ہی کہانیاں ہوتی ہیں، پر جب خود شعاع کا چسکا لگا تو اس کا جواب مل گیا کہ شعاع کے بغیر زندگی ادھوری ہے۔

2 ۔ صبح کا آغاز پرندوں کی چہچہاہٹ اور موذن کی پکار سے ہوتا ہے نماز پڑھنے کے بعد تھوڑی سی تلاوت کی سعادت حاصل کر کے دن کے سکون و اطمینان (جو کہ تلاوت قرآن سے حاصل ہوتا ہے) کے ساتھ کام کا آغاز کیا جاتا ہے آٹا تو امی ہی گوندھتی ہیں (یہ نہیں کہ مجھے گوندھنا نہیں آتا جناب آتا ہے بس امی کے ہاتھ سے گوندھے آٹے کی روٹیاں ذرا خستہ خستہ بنتی ہیں) پھر سب گھر والوں کو ناشتہ کروانے کے بعد امی برتن دھوتی ہیں میں اور باجی جھاڑو پونچھا کر لیتے ہیں پھر دوپہر کا کھانا بنانے تک میرا اور شعاع کا ساتھ ہوتا ہے۔ ایک بجے دوپہر کی ہنڈیاں چڑھا کر ساتھ ہی تندور پر روٹیاں بنا لیتی ہوں، ظہر کی نماز پڑھ کے کھانا کھایا جاتا ہے (بقول نانی اماں کھانا کھا کر شیطان سستی پیدا کر دیتا ہے، نماز پہلے پڑھ لو) پھر آرام کیا جاتا ہے عصر کے ٹائم بچے ٹیوشن پڑھنے آ جاتے ہیں۔

مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد چائے پی جاتی ہے۔ اگر چاول پکے ہوں تو رات کو کھا لیے جاتے ہیں ورنہ گرمیوں میں چائے کے ساتھ فروٹ کیک وغیرہ ہی لیا جاتا ہے سات سے نو بجے تک اگر لائٹ ہو تو ٹی وی دیکھتے ہیں پھر نو بجتے ہی امی کی آوازوں کے ساتھ اٹھ کر وضو کر کے نماز عشاء ادا کرتے ہی بستر پر خواب خرگوش کے مزے اڑاتے ہیں کیونکہ صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے جناب۔

3 ۔ آج کل رقصِ بسمل میں مجھے ماورا مرتضیٰ میں اپنی بہن کی جھلک نظر آتی ہے۔ شعاع کی بہت سی تحریریں ہیں جو ایک خوبصورت یاد بن کر دل پر نقش ہیں کبھی نہ بھولنے والی نمرہ احمد کی "قراقرم کا تاج محل، جنت کے پتے" ماہا ملک "جو چلے تو جہاں سے گزر گئے پیر کامل، دل کے موسم، تیری راہ میں رُل گئی دے" مصحف "فائزہ افتخار" "اک نئی سنڈریلا"

4 ۔کوئی بھی انسان دنیا میں ایسا نہیں جو خوبیوں و خامیوں سے ماورا ہو۔ خیر جناب بدولت میں موجود خوبی (بقول امی) خدمت گزار بیٹی ہوں دوسروں کی خواہشات کو ترجیح دیتی ہوں کبھی کسی فقیر کو خالی نہیں بھیجا (بقول باجی) ضدی ہوں غصہ جتنی جلدی آتا ہے اس سے جلدی اتر بھی جاتا ہے۔ کسی بات کو بھی دل میں نہیں رکھتی۔

ساون کا موسم کسے پسند نہیں ہو گا بارش بہت اچھی لگتی ہے خصوصاً" بارش کے موسم میں چائے کے ساتھ پکوڑے اور کانوں میں واک مین پر گانا۔ "میرے یار بدل نہ جانا موسم کی طرح" سننا پسند ہے۔

آخر میں بس یہ کہوں گی کہ زندگی، محبت، بھروسا ایک بار ختم ہو جائیں تو دوبارہ یہ چیزیں نہیں ملتیں سوچ سمجھ کے گزاریں۔

☼

گل صفرہ سہیل

## توفیق کی بات

بھارتی اداکارہ مونیکا نے اسلام قبول کرنے کے بعد فلم میں کام کرنے کی پچاس کروڑ روپے کی آفر ٹھکرا دی۔ چنائے شہر میں ایک پریس کانفرنس میں رحیمہ (رحیمہ، مونیکا کا اسلامی نام ہے۔) نے کہا کہ میں فلمی دنیا کو خیرباد کہہ چکی ہوں۔ اب ایک ارب روپے کی بھی آفر قبول نہیں کروں گی۔ میری دعا ہے کہ میرے والدین بھی اسلام قبول کریں۔ (آمین)

رحیمہ نے دس برس کے دوران پچاس سے زائد ہندی اور تیلگو فلموں میں کام کیا ہے اور پانچ ایوارڈ بھی حاصل کیے ہیں۔ پریس کانفرنس میں رحیمہ (مونیکا) نے بتایا کہ ان کا اسلام قبول کرنا کسی دنیاوی مقصد یا شہرت دولت کے لیے نہیں بلکہ انہوں نے چار برس اسلام کا مطالعہ کیا ہے۔ پھر اسلام قبول کیا ہے۔ کیونکہ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ رحیمہ کے والد عیسائی اور والدہ ہندو ہیں۔ اس کے باوجود وہ ان کے اسلام قبول کرنے پر خوش ہیں۔

## سازش

ہماری فنکارائیں اکثر و بیشتر ایک دوسرے کے خلاف زہر اگلتی نظر آتی ہیں اور اکثر بعد میں اس کی تردید کرکے ایک دوسرے کی دوست بھی بن جاتی ہیں۔ پچھلے دنوں جگن کاظم بھی اداکارہ نور کے خلاف بیان بازی کرتی نظر آئیں۔ جگن کاظم اداکاری اور ماڈلنگ کے ساتھ ساتھ آج کل مارننگ شو بھی کررہی ہیں۔



جگن کاظم نے نور کے بارے میں کہا کہ "اداکارہ نور کی اتنی اوقات نہیں ہے کہ وہ میرا مقابلہ کریں۔ میں نے ہمیشہ معیار کو ترجیح دی ہے۔ (کس چیز۔۔۔ کا معیار؟) جبکہ نور جیسی اداکاراؤں کا معیار سب کے سامنے ہے۔ (جگن فنکار تو ایک برادری کی طرح ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی کی اوقات کسی کی برتری جیسی باتیں سوٹ نہیں کرتیں، کم از کم آپ جیسی پڑھی لکھی اداکارہ سے۔) نور میرے خلاف شوبز حلقوں میں سازشیں کررہی ہیں۔ لیکن وہ اپنے عزائم میں کامیاب نہیں ہوں گی۔ (تو پھر ڈر کس بات کا؟) کیونکہ شائقین میرے کام کو پسند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تر سازشوں کے باوجود میں آج شوبز میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہوں۔"

## اسکینڈل

ہمایوں سعید کہتے ہیں کہ فنکاروں کے ایک دوسرے کے ساتھ رابطے رہتے ہیں۔ اس کو غلط رنگ دینا بیمار ذہنوں کی عکاسی کرتا ہے۔ اشنا شاہ کے ساتھ میرے نام کو جوڑنا درست نہیں۔ سوشل میڈیا پر جعلی اور من گھڑت اسکینڈل پھیلانے والے نئے لوگوں کو آگے آنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ (لیکن سمجھنے کی بات یوں ہے کہ صرف "اشنا" کا نام ہی کیوں، ہیں جی؟) اشنا میری نئی فلم (زندگی کی؟) میں اہم کردار کے لیے منتخب کی گئی ہیں شاید لوگوں کو (کون سے لوگوں کو؟) یہ بات ہضم نہیں ہورہی۔ ماضی میں بھی میرے ساتھ کئی اداکاراؤں کے نام لیے جاتے رہے ہیں، لیکن وہ سب غلط ثابت ہوئے۔ (تو پھر پریشانی کس بات کی؟ اگر غلط ہوا تو پھر سب چپ ہوجائیں گے۔)

ہمایوں نے مزید کہا کہ میں اس وقت ڈراموں اور فلموں کی شوٹنگز میں اتنا بزی ہوں کہ اسکینڈل چلانے کے چکر میں نہیں پڑ سکتا۔ (اور اگر خود چل جائے تو۔۔۔؟) میرے اس اسکینڈل کا مرکزی کردار کوئی اور ہے، جس کا مجھے ہی نہیں بلکہ پوری انڈسٹری کو پتا ہے۔ (آپس کی بات ہے ہمایوں سر بزم نہ اچھالیں۔) لیکن میں کسی پر کیچڑ اچھالنے کے حق میں نہیں ہوں۔ (ہاں چھینٹوں کا ڈر ہوتا ہے نا!)

## ترجیح

اداکارہ ماریہ واسطی کو بچپن سے دیکھنے والے بچے بڑے ہوگئے، لیکن ماریہ واسطی نے اپنے آپ کو بہت فٹ فاٹ رکھا ہوا اور وہ اب بھی مرکزی کردار ادا کررہی ہیں۔ (دینے والوں کا حوصلہ ہے بھئی۔۔۔) ماریہ کہتی ہیں کہ لاہور ٹی وی پر بہت کام کیا ہے۔ (چلو جی تسی مانتے تو ہو۔) اور اس شہر کے حوالے سے بہت اچھی یادیں وابستہ ہیں۔ کراچی میں ڈراموں کے حوالے سے ان دنوں زیادہ اور بہتر کام ہورہا ہے۔ اس لیے بیشتر فنکار کراچی شفٹ ہورہے ہیں۔ (جی ہاں جب ہی ہر چینل پر اب چند مخصوص لوگ ہی ہر ڈرامے میں نظر آرہے ہیں۔ بعض میں تو گیٹ اپ بھی نہیں بدلا جاتا۔) لیکن کراچی میں مصروفیت کے باوجود لاہور جانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتی۔

ماریہ کا مزید کہنا تھا کہ کچھ عرصے سے میں نے منفی کرداروں کو ترجیح دینا شروع کی ہے۔ (کیونکہ ہیروئن کا

کردار اب جچتا نہیں ہے نا) جس سے میری کارکردگی میں نکھار آیا ہے۔ (کاش یہ فیصلہ آپ پہلے کرلیتیں۔) میں صاف ستھرا کام کرتی ہوں اور کام کے لیے کسی سے سفارش نہیں کرواتی۔ ان دنوں اچھی فلمیں بن رہی ہیں۔ اگر کوئی مجھے کسی اچھی فلم کی آفر کرے گا تو میں کبھی انکار نہیں کروں گی۔ (جی ہاں ضرور کرسکتی ہیں' آخر صائمہ بھی تو کر رہی ہیں۔)

## قسمت

آج کل فلم انڈسٹری میں فلمیں نہ ہونے کے برابر بن رہی ہیں اور ان میں بھی چند مخصوص چہرے ہی نظر آرہے ہیں۔ اس کا حل ہماری انڈسٹری کی اداکاراؤں نے یہ نکالا ہے کہ وہ ٹی وی اور تھیٹر کی طرف آگئی ہیں۔ اب جن کو یہاں بھی امید نظر نہیں آرہی ہے وہ ادھر ادھر ہاتھ مار رہی ہیں (کہ کہیں تو دال گلے۔) اداکارہ زارا شیخ بھی فلم سے مایوس ہو کر اب گلوکاری کے میدان میں قسمت آزمانے کا ارادہ رکھتی ہیں اور ان دنوں وہ گائیکی کی تربیت لے رہی ہیں اور بہت جلد اپنی ایک ویڈیو بھی بنانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ (یعنی گلوکاری کی آڑ میں اداکاری) لیکن زارا اگر یہ ویڈیو بھی آپ کی دس سال قبل بننے والی فلم "دیوداس" کی طرح ریلیز نہ ہوسکی تو پھر آپ کیا کریں گی؟

## ادھرادھر سے

شیخ رشید کو اس بات کا بھی غصہ ہے کہ الیکشن سے قبل نواز شریف نے ان کی صلح صفائی کی تمام کوششیں ناکام بنادیں اور انہیں دوبارہ اپنی پارٹی میں لینے سے انکار کردیا۔

(رؤف کلاسرا۔ رازونیاز)

دہلی کے الٹرا ماڈرن طلبا نے سشما سوراج سے جس قسم کے سوال کیے۔ ان کا لب لباب یہ تھا کہ بھارت ایک ہی دفعہ پاکستان پر ایٹم بم پھینک کر اسے ملیامیٹ کیوں نہیں کردیتا۔ بھارت کیوں پاکستان پر فوج کشی کرکے اسے سبق نہیں سکھاتا' پاکستانیوں پر جب تک بھارتی ٹینک نہیں چڑھائے جائیں گے تب تک دہشت گردی ختم نہیں ہوگی۔ بظاہر فیشن ایبل اور ماڈرن نظر آنے والے ان طلبا نے جس جنگی جنون کا مظاہرہ اس پروگرام میں کیا کم از کم مجھ جیسے شخص کے لیے وہ چشم کشا تھا۔

(یاسر پیرزادہ۔ ذرا ہٹ کے)

کراچی میں 300 ڈاکٹروں کو بھتے کی کالز موصول ہوئی ہیں۔ یہ کالز جنوبی افریقہ سے کی جارہی ہیں۔

(شرجیل میمن کا انکشاف)



امت الصبور

## حضرت لیّا (حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ)

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر مثالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام دنیاوی نعمتیں عطا کیں اور پھر وہ نعمتیں آپ سے واپس لے لی گئیں' لیکن اچھے حال میں اور مصیبت میں صبر کا دامن نہ چھوڑا' اور دونوں حالتوں میں ثابت قدم رہے اور آج بھی دنیا والوں کے لیے صبر کی اعلاترین مثال ہیں۔

حضرت لیّا علیہ السلام انہی نبی کی وفا شعار' صابر' نیک اور راست گو بیوی تھیں۔ وہ اللہ کی شکر گزار بندی تھیں جنہوں نے سخت آزمائش کے وقت بھی اپنے شوہر کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ صبر کیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی اطاعت کی حلاوت سے نوازا۔

ابن عساکر نے ان کا نام لیّا علیہ السلام بتایا ہے۔ یہ یشا بن یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام کی بیٹی ہیں۔ ابن کثیر نے ان کا نام رحمتہ بنت افراثیم بتایا ہے۔

ایوب علیہ السلام نہایت امیر و کبیر شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے تحاشا مال و دولت اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے بھرپور نوازا تھا' جن میں سرفہرست وسیع و عریض سرسبز زرخیز زمینیں تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ پورا البثنیہ اپنی وادیوں اور پہاڑوں سمیت ان کی ملکیت تھا۔ ان کے پاس ایسے عمدہ اور خوش منظر گھوڑے تھے جن پر نگاہ نہ ٹکے۔ لاتعداد اونٹ' گائیں' بکریاں ہر قسم کے مویشی ان کی ملکیت تھے۔ کہا جاتا ہے ایوب علیہ السلام کے پاس ایک ہزار بکریاں مع اپنے چرواہوں کے موجود تھیں اور ان کے خدام لونڈیوں اور غلاموں کا تو کیا کہنا جو زمین اور جانوروں کی خدمت پر مامور تھے۔

ایوب علیہ السلام نہایت متقی' نیک اور رحم دل انسان تھے۔ غربا و مساکین کی مدد کرنا' یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا' مہمانوں کی خاطر کرنا' مسافروں کی اعانت کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا۔

ایوب علیہ السلام کی بیوی لیّا اس پُر آسائش زندگی میں خوش اور مگن تھیں مگر ساتھ ہی وہ اللہ کے حقوق سے ہرگز غافل نہ تھیں۔ ہر دم اس کی بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کرتی رہتی تھیں۔ وہ عبادت گزار اور شکر گزار بندی تھیں جو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اپنے بیٹے بیٹیوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتیں اور اپنے پروردگار کی مشکور و ممنون رہتیں' جس نے ان پر اور ان کے شوہر پر بے تحاشا رزق' مال و دولت اور اولاد جیسی نعمتوں کی بارش کردی تھی اور ان کو اپنے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی۔

مولانا امین احسن اصلاحی "تدبر قرآن" میں لکھتے ہیں:

"سفر ایوب" میں ہے کہ (حضرت ایوب علیہ السلام) ان کی اس حالت پر شیطان اور اس کے ایجنٹوں کو بڑا حسد ہوا۔ انہوں نے ان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کردیا کہ اگر ایوب علیہ السلام دن رات خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں تو یہ کیا کمال ہوا۔ خدا نے جب اتنا مال و اسباب دے رکھا ہے تو عبادت نہ کریں تو اور کیا کریں۔ ہم تو جب جانیں جب خدا یہ ساری چیزیں ان سے چھین لے پھر بھی وہ اس کے عبادت گزار رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے انہیں محروم کردیا۔ نہ ان کے پاس مال کی قسم کی کوئی چیز رہ گئی

نہ اولاد' خدم و حشم باقی رہے۔ ایک ایک کرکے سب ہلاک ہوتے چلے گئے' لیکن وہ اس عظیم مصیبت سے مایوس نہیں ہوئے بلکہ اپنے رب کے حضور سجدے میں گر پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان سے کہا "تو نے میرے بندے کو دیکھ لیا سب کچھ چھن جانے کے باوجود میرا ہی ہے۔"

اس پر شیطان نے کہا "یہ مال و اولاد کا معاملہ تھا اس لیے وہ صبر کر گیا۔ میں تو جب جانوں جب تو اسے شدید قسم کے جسمانی آزار میں مبتلا کردے اور پھر بھی وہ تیرا عبادت گزار رہ جائے۔"

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ایسے مرض میں مبتلا کردیا کہ ان کے سارے جسم پر پھوڑے نکل آئے مگر اس تکلیف کے بعد وہ اللہ کے ذکر میں اور بڑھ گئے اور اس آزمائش میں بھی انہوں نے شیطان کو شکست دے دی۔

اور کہنے لگے "اے پالنے والوں کے پالنے والے تو نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں مال دیا اولادیں دیں اس وقت میرا دل بڑا مشغول تھا اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو ان فکروں سے آزاد کردیا۔ اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا۔"

یہ بیماری کوئی ایک دو دن کی نہ تھی بلکہ برسوں پر محیط تھی مگر اس حالت میں بھی حضرت ایوب علیہ السلام کے پایہ استقلال و صبر میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی اور وہ دن رات اپنے رب کا ذکر کرتے اور لحہ بہ لحہ اسے یاد کرتے۔

ایوب علیہ السلام کا مرض طول پکڑ گیا۔ بیماری نے شدت اختیار کرلی سب عزیز و اقارب نے ان سے منہ موڑلیا۔

ان تمام حالات میں صرف اور صرف ان کی بیوی لیاؔ علیہ السلام تھیں جو ہر دم ان کے ساتھ تھیں۔ جن کے دل میں اس حال میں بھی اپنے شوہر کے لیے محبت و ہمدردی تھی۔ وہ دن رات ان کی خدمت کیا کرتیں۔ ہر وقت ان کا خیال رکھتیں کیونکہ وہ گزرا وقت نہیں بھولی تھیں جب ہر طرح کی آسائش تھی' صحت و عافیت تھی تو ایوب علیہ السلام کس طرح ان کا خیال رکھتے تھے۔

اب صحت کا معاملہ یہ تھا کہ قضائے حاجت کے لیے وہ ان کے ساتھ جاتیں کیونکہ ان کے لیے چلنا پھرنا دشوار ہوچکا تھا۔ گھر بار مال و دولت ختم ہوچکا تھا۔ کھانے پینے کو بھی کچھ نہ تھا۔

وہ لوگوں کے گھروں میں کام کرکے اپنا اور اپنے شوہر کے کھانے پینے کا بندوبست کرتی رہیں۔ ان نامساعد حالات میں بھی ان کے ماتھے پر بل تک نہ پڑا اور اپنے صابر شوہر کے ساتھ مشکلات جھیلتی اور صبر شکر کے مراحل طے کرتی رہیں اور اپنے آپ کو اللہ کے حکم پر راضی رہنے والی عورت ثابت کرکے بہترین بیوی کی مثال قائم کی۔

لیاؔ جانتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو ان کے درجات بلند کرنے' حکم خدا اور ناگوار امور پر صبر و شکر کا قابل عمل نمونہ بنانے کے لیے آزماتا ہے۔

لیاؔ علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کو اس حال میں دیکھ کر بہت دکھی ہوتیں۔ ایک دن حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ تکلیف جھیلتے زمانہ گزر گیا اور ان کے صبر و شکر میں کوئی کمی نہ آئی تو لیاؔ نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے نبی آپ تو مستجاب الدعوات لوگوں میں سے ہیں' اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو صحت یاب کردے۔"

تو ایوب علیہ السلام فرمانے لگے کہ "ستر سال تک اللہ نے مجھے صحت و عافیت میں رکھا تو اگر ستر سال تک میں اسی حالت میں رہوں اور صبر کروں تو یہ بھی بہت کم ہے۔"

ان کی رضا و تسلیم سے بھرپور بات سن کر لیاؔ کانپ اٹھیں۔ وہ ان کا ساتھ دیتی رہیں اور ان سے محبت اور تعلق نبھاتی رہیں کیونکہ وہ اللہ کے نبی ایوب علیہ السلام پر دل سے ایمان رکھتی تھیں۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایوب علیہ السلام تیرہ سال تک مصائب کے امتحان میں مبتلا رہے حتیٰ کہ تمام عزیز و اقارب قریب و بعید کے متعارف سبھی نے ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی البتہ اعزا میں سے دو عزیز ضرور صبح و شام ان کے پاس آتے رہے۔ ایک مرتبہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایوب علیہ السلام نے ضرور کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے تب ہی تو وہ اس کی پاداش میں ایسی سخت مصیبت کے اندر مبتلا ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو کیا خدا ان پر مہربان نہ ہوجاتا اور ان کو شفا نہ ہوجاتی۔"

یہ بات دوسرے نے حضرت ایوب علیہ السلام سے کہہ سنائی۔

ایوب علیہ السلام یہ بات سن کر بہت بے چین اور مضطرب ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں سربسجود ہوکر دعا گو ہوئے اور ان کی دعا کو فوراً" بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ رفع حاجت کے لیے اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں۔ جب فارغ ہوئے اور وہاں سے علیحدہ ہوئے تو خدا کی وحی نازل ہوئی کہ۔

"زمین پر پاؤں سے ٹھوکر مارو۔"

اور جب انہوں نے ٹھوکر ماری تو پانی کا چشمہ ابل پڑا اور انہوں نے غسل صحت کیا اور پہلے سے زیادہ صحیح اور تندرست نظر آنے لگے۔ یہاں بیوی انتظار کررہی تھیں کہ ایوب علیہ السلام تازگی اور شگفتگی کے ساتھ سامنے نظر آئے وہ قطعاً" نہ پہچان سکیں اور ایوب علیہ السلام کے متعلق ان ہی سے دریافت کرنے لگیں۔ تب آپ علیہ السلام نے فرمایا میں ہی ایوب ہوں اور خدا کے فضل و کرم کا واقعہ سنایا۔

روزمرہ کے کھانے کے لیے ایوب علیہ السلام کے پاس ایک گٹھڑی گیہوں کی اور ایک جو کی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کی دولت میں اضافہ کرنے کے لیے گیہوں کو سونے اور جو کو چاندی میں بدل دیا۔

لیاؔ علیہ السلام ہر وقت حضرت ایوب علیہ السلام کی تیمارداری میں مشغول رہا کرتی تھیں ایک مرتبہ انہوں نے ایوب علیہ السلام کی انتہائی تکلیف سے بے چین ہوکر کچھ ایسے کلمات کہہ دیے جو صبر ایوبی کو ٹھیس پہنچانے والے تھے اور اللہ کی جناب میں شکوہ لیے ہوئے تھے۔ ایوب علیہ السلام اس کو برداشت نہ کرسکے اور قسم کھا کر فرمایا کہ میں تجھ کو سو کوڑے لگاؤں گا۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کی مدت امتحان ختم ہوگئی اور صحت یاب ہوئے تو قسم پوری کرنے کا سوال سامنے آیا۔ ایک جانب لیاؔ علیہ السلام کی انتہائی وفاداری' غمگساری اور حسن خدمت کا معاملہ تھا اور دوسری جانب قسم کو سچا اور پورا کرنے کا سوال۔

ایوب علیہ السلام سخت تردد میں تھے کہ کیا کریں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس نیک بی بی لیاؔ کی نیکی اور شوہر کی فرمانبرداری کا یہ صلہ دیا کہ ایوب علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ سو تنکوں کا ایک مٹھا بنائیں اور اس سے اپنی رفیقہ حیات کو ماریں تاکہ ان کی قسم بھی پوری ہوجائے اور لیاؔ علیہ السلام کو تکلیف بھی نہ ہو۔ اس حکم سے اللہ کی نظر میں لیاؔ علیہ السلام کی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا:

"حضرت ایوب علیہ السلام غسل فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سونے کی چند ٹڈیاں ان پر برسائیں۔ ایوب علیہ السلام نے انہیں دیکھا تو مٹھی بھر کر کپڑے میں رکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو پکارا۔

"ایوب کیا ہم نے تم کو یہ سب کچھ دھن دولت دے کر غنی نہیں بنایا پھر یہ کیا؟"

ایوب علیہ السلام نے عرض کی "پروردگار یہ سب صحیح اور درست مگر تیری نعمتوں اور برکتوں سے کون بے پرواہ ہوسکتا ہے۔"

اللہ عزوجل نے کڑے امتحان میں سرخروئی حاصل کرلینے کے بعد ایوب علیہ السلام اور لیاؔ علیہ السلام پر اپنے انعامات کی بارش کردی۔ ان کے اہل و عیال' مال و دولت دوگنے' چوگنے کرکے انہیں لوٹا دیے اور جو مال متاع اور بال بچے دنیا میں چھن گئے تھے' ان کے بدلے میں انہیں بے پناہ اجر و ثواب سے نوازا۔

سچ ہے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(بہ شکریہ ماہنامہ بتول)

☆

# موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

## دہی بڑے چنا چاٹ

اجزا :

| | |
|---|---|
| دہی | دو کپ |
| ابلے کابلی چنے | ایک کپ |
| مونگ ماش کی دال | آدھا آدھا کپ |
| آلو ٹماٹر | دو دو عدد |
| پیاز | ایک عدد |
| میٹھا سوڈا | آدھا چائے کا چمچہ |
| دھنیا زیرہ کٹی مرچ | ایک ایک چائے کا چمچہ |
| چاٹ مسالا | حسب ذائقہ |
| ہینگ | ایک چٹکی |
| پاپڑی | چار عدد |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | حسب ضرورت |

ترکیب :

مونگ اور ماش کی دال چار گھنٹے تک بھگونے کے بعد پیس لیں اور اس میں نمک میٹھا سوڈا تھوڑی سی کٹی ہوئی لال مرچ اور آدھا چمچہ بھنا زیرہ ملا کر رکھ دیں۔ آمیزہ پتلا نہیں ہونا چاہیے۔ فرائنگ پان میں ایک کھانے کا چمچہ تیل گرم کرکے اس میں ہینگ ڈالیں پھر ثابت دھنیا اور باقی زیرہ ڈال کر تھوڑا سا بھونیں۔ ٹھنڈا ہو جائے تو کوٹ کر دال میں ملا دیں۔ کڑاہی میں دال کے بڑے بنا کر سنہرا ہونے تک تلیں پھر نمک ملے پانی میں ڈال دیں۔ دہی میں نمک اور باقی کٹی ہوئی لال مرچ ڈال کر پھینٹ لیں۔ آلو کو ابال کر چوکور کاٹ لیں اور کابلی چنوں کے ساتھ دہی میں ڈالیں پھر بڑے بھی پانی سے نکال کر دہی میں ڈال دیں۔ ٹماٹر مرچ پیاز اور ہرا دھنیا باریک کاٹ کر ڈالیں اور ہلکے ہاتھ سے سب کو مکس کر دیں۔ چاٹ مسالا پاپڑی اور املی کی چٹنی کے ساتھ مزے دار دہی بڑے چنا چاٹ پیش کریں۔

## ویجی ٹیبل آملیٹ

اجزا :

| | |
|---|---|
| انڈے | چار عدد |
| کٹی لال مرچ | آدھا چائے کا چمچہ |
| پیاز | ایک عدد |
| ٹماٹر آلو | ایک ایک عدد |
| دودھ | ایک چوتھائی کپ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | چوتھائی کپ |

ترکیب :

انڈوں میں نمک لال مرچ اور دودھ ملا کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔ پھر اس میں چوپ کیے ہوئے آلو پیاز ٹماٹر ہرا دھنیا دو ہری مرچیں ڈال کر پھینٹیں۔ فرائنگ پان میں تیل گرم کرکے آملیٹ کا آمیزہ ڈال کر آنچ ہلکی کر دیں۔ ڈھک کر ایک منٹ تک پکائیں۔ آملیٹ سیٹ ہو جائے تو پلٹ کر دوسری طرف سے پکائیں۔ دونوں طرف سے پک جائے تو پلیٹ میں نکال کر پراٹھے کے ساتھ پیش کریں۔

## اسپگیٹی فروٹ چاٹ

اجزا :

| | |
|---|---|
| سیب خربوزہ | ایک ایک عدد |
| کیلے | چھ عدد |
| آڑو | تین عدد |
| جیلی فریش کریم | آدھا آدھا کپ |
| چینی | چار کھانے کے چمچے |
| اسپگیٹی | آدھا پیکٹ |
| تیل | ایک کھانے کا چمچہ |

ترکیب :

اسپگیٹی کو نمک اور تیل والے پانی میں ابالیں ٹھنڈے پانی سے گزار کر چھان لیں۔ تمام پھلوں کو چوکور کاٹ لیں۔ دو رنگ کی جیلی الگ الگ جما کر چوکور کاٹ کر رکھ لیں۔ فریش کریم میں دو چٹکی نمک اور چینی ڈال کر پھینٹ لیں۔ پھر کٹے ہوئے پھل اور اسپگیٹی ڈال کر ہلکے ہاتھ سے مکس کریں۔ جیلی سے سجاوٹ کرکے فریج میں ٹھنڈا کرکے پیش کریں۔ فریش کریم دستیاب نہ ہو تو آپ دہی استعمال کر سکتی ہیں لیکن اس صورت میں کیلے اور آڑو کی جگہ دوسرے پھل استعمال کریں۔

## چکن پکوڑے

اجزا :

| | |
|---|---|
| چکن | تین پاؤ |
| پیاز | ایک عدد |
| لہسن | دو جوے |
| بیسن | آدھا پاؤ |
| پسا ہوا زیرہ | ایک چائے کا چمچہ |
| گرم مسالا | آدھا چائے کا چمچہ |
| پسی سرخ مرچ | آدھا چائے کا چمچہ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | تلنے کے لیے |

ترکیب :

پیاز لہسن دو ہری مرچ اور آدھی گٹھی ہرا دھنیا کو آدھا کپ پانی میں بلینڈ کرکے پیسٹ بنا لیں۔ بیسن میں زیرہ گرم مسالا سرخ مرچ ایک چٹکی میٹھا سوڈا اور نمک ڈال کر گھول لیں۔ اوپر والا آمیزہ بھی مکس کر لیں۔ چکن (بغیر ہڈی) کے ٹکڑے بیسن میں ڈال دیں۔ (چکن کے ریشے کر کے بھی ملایا جا سکتا ہے اور کیوبز میں کٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں بھی) اچھی طرح لپیٹ کر گرم تیل میں تلیں۔ سنہری ہو جائیں تو اتار لیں۔

## چکن گجیاں

اجزا :

| | |
|---|---|
| چکن قیمہ | ایک کپ |
| میدہ | ایک پاؤ |
| پیاز | ایک عدد |
| ٹماٹر ہری مرچ | دو دو عدد |
| سیاہ مرچ زیرہ | ایک ایک چائے کا چمچہ |
| اجوائن | ایک چٹکی |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | تلنے کے لیے |

ترکیب :

فرائنگ پان میں تھوڑا سا تیل گرم کرکے چوپ کی ہوئی پیاز سنہری کرلیں۔ ٹماٹر لہسن اور ہری مرچ کتر کر شامل کریں پھر نمک اور کٹی ہوئی کالی مرچ ڈال کر اچھی طرح مکس کرنے کے بعد قیمہ ڈال کر بھونیں۔ قیمہ گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو ہرا دھنیا اور زیرہ ڈال کر چولہا بند کر دیں۔ میدے میں نمک اجوائن اور تقریباً" چار کھانے کے چمچے تیل ملا کر گرم پانی سے گوندھ لیں اور آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں پھر روٹی بیل کر کٹری کی مدد سے گول کاٹ لیں۔ ایک طرف قیمہ کا آمیزہ رکھ کر دوسرا حصہ پلٹ دیں اور کناروں کو اچھی طرح دبا کر بند کر دیں۔ اسی طرح ساری گجیاں بنا کر گرم اور گہرے تیل میں تل لیں۔ چٹنی یا کیچپ کے ساتھ افطاری میں پیش کریں۔

## تل کا پراٹھا

اجزا :

| | |
|---|---|
| آلو | آدھا کلو |
| آٹا | ایک کلو |
| اجوائن | ایک چٹکی |
| انار دانہ | ایک کھانے کا چمچہ |
| تل | دو چائے کے چمچے |
| نمک | حسب ذائقہ |
| تیل | تلنے کے لیے |

آلو ابال کر میش کریں پھر اس میں تمام اجزا مکس کر لیں۔ آٹے کا پیڑہ بنا کر ایک چھوٹی روٹی بیل کر الگ رکھیں اور دوسری روٹی اسی سائز کی بیلیں۔ اس پہ آلو والا آمیزہ رکھ کر اوپر بیلی ہوئی روٹی رکھیں اور ہلکے ہاتھ سے بیل کر تھوڑی بڑی کر لیں۔ کناروں کو اچھی طرح دبا کر بند کر لیں۔ تھوڑے سے تل چھڑک کر کانٹے کی مدد سے گود دیں پھر عام پراٹھوں کی طرح تل لیں۔

## لائم جوس

اجزا :

| | |
|---|---|
| لیچی | آٹھ عدد |
| لیمن سوڈا | ایک گلاس |
| چینی | دو چائے کے چمچے |

لیمن سوڈا میں چینی ڈال کر گرائنڈ کریں۔ لیچیوں کو چھیل کر بیج نکال لیں اور لیمن سوڈا میں ڈال کر ایک بار پھر خوب گرائنڈ کر لیں۔ برف ڈال کر ٹھنڈا کریں اور افطار پر پیش کریں۔

## خوبصورت بنیے

### سکنجبین کے فائدے

گرم موسم میں سادہ لیکن صاف شفاف پانی زیادہ پینا مجرب نسخہ شفا ہے، لیکن اگر پانی سے ہٹ کر کچھ پینے کو جی چاہے تو سکنجبین سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ اور جھاگ دار مشروبات سے تو یہ کہیں بہتر ہے۔ آیئے ہم بتاتے ہیں کہ ایک گلاس پانی میں آدھا لیموں نچوڑ کر پینے سے آپ کی صحت کو کتنا فائدہ ہو سکتا ہے۔

☆ لیموں میں وٹامن سی کی بہتات ہوتی ہے، جو جسم کو بیماریوں سے بچانے والے نظام کو صحت مند رکھنے میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ سانس کی نالیوں میں انفیکشن کا خطرہ گھٹ جاتا ہے۔ دمہ اور سانس کے دیگر مسائل میں بھی ایسکوربک ایسڈ یعنی وٹامن سی استعمال کرنا مفید ہے۔ لیموں میں ایسے اجزا بھی ہوتے ہیں جو جراثیم کش خوبیوں کے حامل ہوتے ہیں اور لیموں کا یہ جزو نزلہ زکام سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔

ایسکوربک ایسڈ کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ جسم میں فولاد کو جذب کرنے میں مدد دیتا ہے کیوں کہ آئرن جسم کے ہارمونی نظام کی کارکردگی پر گہرا اثر رکھتا ہے۔

☆ اگرچہ لیموں کا ذائقہ قدرے تیزابی محسوس ہوتا ہے۔ مگر یہ جسم کے تیزابی مادوں کی تیزابیت معتدل کردیتا ہے۔ واضح رہے کہ تیزابیت کی وجہ سے جسم میں درد بھی ہو جاسکتا ہے، وزن بڑھ سکتا ہے اور دیگر طبی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن لیموں کا شربت ان تمام خرابیوں کو ٹھیک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

☆ لیموں کا شربت کھانا ہضم کرنے کے لیے بھی بہترین نسخہ ہے۔ لیموں کا رس جگر کو صاف اور فعال کرتا ہے۔ لیموں میں شامل وٹامن سی معدے میں زخم بننے کے خطرے کو بھی کم کردیتا ہے۔

★ لیموں میں شامل وٹامن سی اور دیگر تمام اینٹی آکسیڈنٹس جسم کو فری ریڈیکل سے پہنچنے والے نقصانات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ بڑھاپے کی زیادہ تر علامتوں کا سبب یہی فری ریڈیکلز ہوتے ہیں۔ اگر سکنجبین کی صورت میں اینٹی آکسیڈنٹ جسم کو فراہم کیے جائیں تو فری ریڈیکلز کے نقصانات کی تلافی ممکن ہے۔ ایسی صورت میں جسم پر جھریاں بھی کم نمایاں ہوں گی۔ لیموں کا شربت پینے کے علاوہ لیموں کا عرق ان داغ دھبوں پر براہ راست لگایا بھی جاسکتا ہے جو بڑھاپے کی منزل میں پہنچنے کے بعد جلد پر نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ لیموں کا شربت خون میں موجود فاسد مادوں کو بھی خارج کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔ جس سے جلد کی شگفتگی اور شادابی برقرار رہتی ہے۔

☆ لیموں میں سوزش رفع کرنے کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اس لیے دباؤ، چوٹ یا زخم کو ٹھیک کرنے میں وٹامن سی کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

☆ ہر صبح کا آغاز اگر آپ ایک گلاس نیم گرم پانی میں ایک لیموں نچوڑ کر کریں تو دن بھر آپ کا ہاضمہ ٹھیک رہ سکتا ہے اور رات کو نظام ہضم میں کوئی فاسد مادہ اگر اٹک گیا ہو تو لیموں کا استعمال اسے جسم سے خارج کرسکتا ہے۔